بابائے قوم شہید محمد مقبول بٹؒ

کی زندگی، جدوجہد، قربانیوں، انکے خطوط،
تحاریر، تقاریر، اخباری کانفرنسوں، نظریات
وافکار پر مبنی دستاویز

روشنی کا شہید اول

مرتّب
محمد حسین الطاف

شائع کردہ: جموں کشمیر لبریشن فرنٹ مقبولؒ منزل سرینگر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اے روشنی کے شہیدِ اوّل۔۔۔۔قسم خدا کی تو سرخرو ہے

اے رات بھر کے تھکے مجاہد — گواہ رہنا، گواہ رہنا
اے روشنی کے شہیدِ اول — وہ نوعِ مقدس وہ جانِ معظم
آزادیوں کا نصاب تم ہو — وہ نام افضل وہ ذات اعلیٰ
شجاعتوں کی کتاب تم ہو — وہ حرف خوشبو وہ لفظ عقیدہ
جو مائیں دیکھیں وہ خواب تم ہو — زبان پیغمبر وہ بات اعلیٰ
لہو چمن کا گلاب تم ہو — وہی پیمبر۔۔۔۔وہی عقیدہ
ضعیف ہم ہیں شباب تم ہو — کروڑ انسان ہیں سرخمیدہ
اے رات بھر کے تھکے مجاہد — کہاں تو سویا خبر نہیں ہے
اے روشنی کے شہیدِ اول — قبر نہیں ہے
قبول مولا، قبول کرنا — مگر یہ بندے نثار تیرے
گواہ رہنا گواہ رہنا — کروڑ دل ہیں مزار تیرے
وہ فروری کا گیارھواں دن — تو نورِ حق کا چراغ زندہ
ستم زدہ دن، وہ ناتواں دن — تو غیر فانی دماغ زندہ
آزاد سورج لہو چھڑکتا — تو روشنی کا شہیدِ اول
طلوع ہوا تھا — کرن کرن آفتاب زندہ
غلام شرق کے پربتوں پر — قبولِ حق کے روبرو ہے
لہو ہوا تھا لہو ہوا تھا — قسم خدا کی تو سرخرو ہے
لہو میں لتھڑا وہ بیکراں دن — سلام اقدس، سلام اقدس
وہ فروری کا گیارھواں دن — اے رات بھر کے تھکے مجاہد
قبول مولا قبول مولا — اے روشنی کے شہیدِ اول۔۔۔۔ محمد یامین

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

شہید بابائے قومؒ

کوئے یار سے

سوئے دار تک

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اول

زندہ اور باشعور قومیں اپنے محسنوں، بہی خواہوں، راہنماؤں اور انقلابی دانشوروں کو اپنی عمومی ،اجتماعی اور قومی زندگی کا حصہ بنالیتی ہیں۔ یہ سلسلہ ان عظیم نفوس کے افکار، نظریات، خیالات اور تذکروں کی وساطت سے نسل در نسل قومی ولی اثاثے کی صورت میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور اس اثاثے کی مستقل ترسیل قوموں کی زندگی کا ضامن ہوا کرتا ہے۔ دنیا کی تقریباً تمام زندہ اقوام اپنے قائدین، شہداء، اور مفکرین کے نظریات کی روشنی میں اپنے لئے قومی زندگی کا لائحہ عمل بناتیں ہیں۔ جدید امریکہ کے بانی صدر ابراھم لنکن، مارٹن لوتھر کنگ، چی گویرا، نیلسن منڈیلا، یاسر عرفات، شیخ یاسین، قائد اعظم محمد علی جناح، ماہتما گاندھی، اور ان جیسے دوسرے قائدین کے نظریات کو آج بھی ان کے ممالک اور ان کی قوموں نے اپنا اثاثہ بنا کے رکھا ہے۔ جموں کشمیر کے اندر غلامی اور پھر اغیار کے جبر و تسلط نے اس جذبے کو از حد متاثر کیا۔ دراصل استعمار اور ظلم و جبر کی طاقتیں ہمیشہ اسی کوشش میں رہتی ہیں کہ ان کے زیر تسلط اقوام اور افراد اپنے قائدین، شہداء اور حقیقی محسنوں کے افکار اور خیالات سے دُور رہیں۔ قوموں کے اصل قائدین اور راہنماؤں سے متعلق حالات و کوائف کو یا تو چھپا دیا جاتا ہے یا پھر انہیں بگاڑ کر رکھا جاتا ہے۔ ایسا اس لئے کیا جاتا ہے تا کہ قوموں کو ان کی منزل اور جد وجہد سے دور رکھا جائے اور انہیں مستقلاً احساس کمتری کا شکار رکھا جائے۔ جموں کشمیر کی تاریخ کی ایک پُرعزم شخصیت شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹؒ کی زندگی کے بھی بے شمار گوشے آج تلک پوشیدہ ہیں کیونکہ بھارت کی حکومت نے انہیں پردہ اخفاء میں رکھنے کیلئے جانے کتنے ہی حربے آزمائے ہیں۔ شہید قائد سے متعلق کتنی ہی دستاویز، انکے اپنے ہاتھوں سے تحریر کتنے ہی خطوط، ڈائریاں، انؒ کی یادداشتیں ہیں جو تہاڑ جیل میں اُن سے چھین لئے گئے تھے اور ان کی جسد خاکی کے ساتھ ساتھ کشمیریوں کا یہ زریں اثاثہ ابھی تک بھارت کی قید ہی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

میں ہے۔ستم بالائے ستم پاکستانی حکام نے بھی سینسر (censor) کے نام پر شہید کے کتنے ہی قلمی نمونے، اور شہید کی زندگی کے کتنے ہی راز اپنی تحویل میں دبائے رکھے ہیں۔حالت یہ ہے کہ کشمیر کے ہائی کورٹ، اور دوسری عدالتوں وغیرہ کے سامنے دیئے گئے ان کے بیانات بھی آج تک مخفی ہیں۔جبر اور ظلم کے ان ضابطوں کے باوجود بھی کئی اصحاب جن میں جناب سعید اسد، خواجہ رفیق وغیرہ قابل ذکر ہیں کی کاوشیں رنگ لا چکی ہیں اور شہید بابائے قوم سے متعلق ایک قابل قدر مواد ان کے خطوط اور تقاریر وغیرہ کی صورت میں منظر عام پر آچکا ہے۔یہ ایک اٹل اور ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قربانیاں اور جد وجہد ضائع نہیں ہوتے۔دنیا کی کوئی بھی تحریک آزادی آج تک ناکام نہیں ہوئی ہے۔دیر لگ سکتی ہے لیکن پُر خلوص اور قربانیوں سے عبارت تحاریک کا کامیابی سے ہمکنار ہونا طے ہوتا ہے۔۱۱/فروری ۱۹۸۴ء کو، بھارتی حکمرانوں نے شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹ کو تختہ دار پر لٹکایا، اس سوچ کے ساتھ کہ اس اقدام سے کشمیر کی آزادی کی جد وجہد کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے گا۔لیکن محض ۴ سال کے مختصر سے عرصے کے اندر دنیا نے دیکھا کہ وہ قوم کہ جس کے رہبر وعوام گہری نیند میں سو رہے تھے یکا یک مقبولؒ کی پکار پر اُٹھ کھڑے ہو گئے اور ایک ایسا انقلاب بپا ہوا جس میں لاکھوں مقبولؒ دیوانہ وار راہ عزیمت کے راہی بن گئے۔شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹؒ کی شہادت کے بعد معروف شاعر جناب مظفر وارثی نے کہا تھا۔

''اس قدر برہم ہوا قتل سفارت کار پر　　بند نے لٹکا دیا مقبول بٹ کو دار پر
کیا خبر اُس کو شہید حریت کی موت سے　　نغمہ ہستی لکھا ہے وقت کی دیوار پر۔''

واقعتاً مقبول بٹؒ کی شہادت نے کشمیریوں کیلئے نغمہ ہستی کو تازہ نو کر دیا۔مقبولؒ کی شہادت نے اس قوم کے اندر نئی زندگی ڈال دی تھی۔اسے ستم ظریفی کہئے کہ شومئی قسمت یا پھر ہماری اجتماعی قومی غفلت کہ جس شخص کی شہادت نے ہمیں قومی زندگی سے نوازا اُسی کی زندگی کے بے شمار گوشے آج تلک ہم پر پوشیدہ ہیں۔ہم مقبول بٹؒ کا نام تو لیتے ہیں لیکن اُن کے افکار، خیالات اور نظریات کو جاننے کی جو جستجو ہمارے اندر ہونی چاہئے تھی وہ موجود نہیں ہے۔اگر چہ شہید بابائے قومؒ پر آزاد

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کشمیر اور پاکستان میں کئی کتابیں لکھی گئیں ہیں لیکن وہ کتابیں کشمیر کے اس حصے تک نہیں پہنچ پائی ہیں۔ پھر ایک اور تلخ حقیقت یہ ہے کہ بھارت کے زیر تسلط اس حصہ جموں کشمیر میں چند ایک کے سوا دانشوروں اور قلم کاروں نے اجتماعی طور پر مقبولؒ بٹ کے ساتھ پہلو تہی کا ہی رویہ اپنایا ہے۔ یہاں دُوسری اقوام کے قائدین اور بزرگوں پر لکھنے والوں کی کمی نہیں لیکن اپنوں پر کسی نے بھی قلم اٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے۔ یہ میرا گلہ بھی ہے اور شکوہ بھی۔ جب میں نے اپنے قلیل اور ناقص علم کے ساتھ اور سیاسی طور پر انتہائی مصروف رہتے ہوئے شہید مقبول بٹؒ سے متعلق موجود مواد کی ورق گردانی کی تو یقین جانئے کہ ہر ورق کو لکھتے اور پڑھتے ہوئے میری آنکھوں سے اشک رواں ہوجاتے تھے۔ مقبول بٹؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیت کے ساتھ ہم کیسے اتنی بے رخی دکھا سکتے ہیں؟ میں سوچ کر بھی حیران ہوں۔ مقبولؒ سے متعلق موجودہ مواد ہی کا مطالعہ کیا جاتا تو بھی ان کی عظمت کو جاننے کیلئے کافی تھا۔ راقم ایک خاصے وقت تک متحدہ حریت میں رہا۔ وہاں سے لیکر آج جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے آفس پر کام کرتے ہوئے میرا واسطہ کتنے ہی ایسے طلباء اور سکالرز سے رہا ہے جو تحریک آزدی یا لبریشن فرنٹ پر تحقیقی مقالے، پی ایچ ڈی وغیرہ کا کام کرتے رہے ہیں۔ اس عرصے میں، میں بھی ان اُبھرتے ہوئے دانشوروں کے سامنے شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹؒ سے متعلق چند پمفلٹوں کے سوا کوئی مواد نہیں رکھ پایا، کیونکہ ایسا کچھ ہمارے پاس موجود ہی نہیں تھا۔ لیکن الحمدللہ اب یہ صورت حال تبدیل ہورہی ہے۔ آج مقبولؒ بٹ شہید پر ایک الگ ویب سائٹ www.maqboolbutt.com موجود ہے۔ آج سعید اسد اور خواجہ رفیق جیسے قلم کاروں کی کاوشوں کی بدولت ہمارے سامنے شہید قائد کے خود تحریر کردہ خطوط، مضامین، ان کی تقاریر، ان کے افکار، ان کی پریس کانفرنسیں، اور ان کے زندگی کے حالات موجود ہیں۔ زیر نظر کتاب کا بیشتر حصہ دراصل انہی دو اصحاب کی کاوشوں سے مستعار لیا گیا ہے۔ اس کیلئے ہم ان دونوں اصحاب دل کے از حد ممنون ہیں۔ زیر نظر کتاب کوئی قلمی شاہکار یا ادبی نمونہ نہیں ہے نہ ہی اس کی اشاعت سے ہمیں ایسی کوئی غرض ہے۔ اس کتاب کا واحد مقصد کشمیر کے اس حصے میں موجود

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

قلم کاروں، دانشوروں، محققوں، مفکروں اور اصحاب ذوق کے سامنے شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹ کی زندگی کے مختلف گوشوں کو پیش کرنا ہے، اس اُمید کے ساتھ کہ ہماری اس کاوش کو یہ اہل ہنر آگے بڑھائیں گے اور جموں کشمیر کے اس عظیم قائد پر مذید تحقیق کی جائے گی اور مذید تحاریر رقم ہوں گی۔ یہ پھر ہماری نوجوان نسل کیلئے اپنے اس عظیم قائد کو جاننا انتہائی ضروری ہے اور اگر اللہ کا فضل شامل حال رہا تو یہ کتاب اس مقصد کو حاصل کرنے میں بھی معاون ثابت ہوگی۔ جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ اس کتاب کا اصل حصہ جناب سعید اسد کی تحریر ''شعور فردا'' اور جناب خواجہ رفیق کی کاوش ''سفیر حریت'' سے ماخوذ ہے لیکن اس میں چند ایک مقالات یا مشمولات کئی دوسرے لوگوں کی تحاریر سے بھی لی گئی ہیں۔ اس کیلئے ہم ان اصحاب کے بھی شکرگزار ہیں۔ کتاب اگرچہ اصلاً اردو میں ہے لیکن اس میں ایک حصہ انگریزی زبان میں بھی رکھا گیا ہے۔ اس کا مقصد اردو سے واقفیت نہ رکھنے والے لوگوں کیلئے بھی شہید اعظم جموں کشمیر کی زندگی کو مختصراً پیش کرنا ہے۔ شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹؒ کا مطالعہ کرنے سے ایک بات اُبھر کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ قرآن وسنت پر عمل پیرا ایک سچے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک وسیع المطالعہ شخصیت تھے۔ اپنے خطوط میں جابجا قرآنی حوالوں کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں دوسرے مذاہب اور دانشوروں کے حوالے اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ شہیدؒ اعلیٰ ترین سوجھ بوجھ کے حامل ایک دانشور تھے۔ ان کا نظریہ زندگی شفاف تھا اور اس کیلئے وہ اللہ کے کلام اور نبی آخر زمان ﷺ کے فرمودات سے ضیاء پاتے رہتے تھے۔ اپنے لوگوں کو غلامی سے آزادی دلانے کی جستجو اُن کے نزدیک ایمان کا درجہ رکھتی تھی اور اس کام کو وہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا کام مانتے تھے۔ وہ مکمل طور پر منافقت اور فریب کاری سے دور تھے۔ ان کا اپنے لوگوں کیلئے آزادی کا تصور دائروں اور حد بندیوں سے بالاتر تھا۔ علامہ اقبالؒ کے شاہین کی علامت شہید مقبول بٹؒ آزدی کیلئے جہد مسلسل اور عزم مصمم کا عملی نمونہ تھے۔ ان عوامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اس کتاب کو حتی الوسع غیر جانبداری سے جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور قارئین سے میری یہی گزارش ہے کہ وہ بھی کھلے قلب و ذہن سے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

شہید مقبول " کا مطالعہ کریں۔ میں نے اس کتاب کو تیار کرنے ،مواد کو جمع کرنے ،اسے ٹائپ کرنے ،مواد کی تصحیح کرنے وغیرہ پر محنت شاقہ سے کام لیا ہے،لیکن انسان کا ہر کام غلطی اور خطا سے مبرا ہونا از حد مشکل ہے۔اس کتاب میں بھی بے شمار غلطیاں اور کمیاں رہی ہوں گی جن کا مجھے اعتراف ہے۔میری قارئین کرام سے بس اتنی ہی گذارش ہے کہ میری غلطیوں کی نشاندہی کریں تا کہ اُن کا ازالہ کیا جا سکے۔اس کتاب کی اشاعت کے لئے درکار ضروری معاملات ومواد کا جمع کرنا بھی ایک کاردار مسئلہ تھا، اس کام میں بہت سے حضرات نے ہماری مدد کی۔ کچھ دوستوں اور دوستوں کے احباب جس انداز میں اس کام میں شریک ہوئے ہیں یا شریک ہونے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ہم اُن سب سے تہہ دل سے شکرگزار ہیں۔ہم برادر بشیر احمد، برادر محمد سلطان، برادر فاروق احمد اور برادر محمد نسیم کے بھی مشکور ہیں جنہوں نے اس کاوش میں ہمارا ہاتھ بٹایا۔ اللہ نیک جزا دینے والا ہے۔

سو خنجر تھے پیوستہ گلو جب چھیڑی شوق کی لے ہم نے
سو ترازو تھے دل میں جب ہم نے سفر کا آغاز کیا۔

وما توفیقی الا باللہ/ احقر العباد
محمد حسین خان الطاف/سری نگر
مورخہ:۲۳/جنوری/۲۰۱۰ء

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹؒ کے خاندانی وذاتی حالات

''جور کے تو کوہ گراں تھے جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یاد گار بنا دیا''

وادی کشمیر کے شمال مغرب میں ضلع بارہ مولہ سے متصل کپواڑہ کا علاقہ ہے۔ کپواڑہ پہلے بارہ مولہ ضلع میں شامل تھا لیکن اب اسے ایک الگ ضلع کی حیثیت دی گئی ہے۔ اس ضلع کی موجودہ تحصیل ہندواڑہ کے شمال مغربی جانب ''ترہگام'' نامی ایک قصبہ واقع ہے۔ آج سے نصف صدی قبل کشمیر کے باقی دیہی علاقوں کی طرح یہ علاقہ بھی کافی پسماندہ تھا۔ ڈوگرہ استبداد نے یہاں بھی غریب کشمیریوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ لوگ زیادہ تر کھیتی باڑی اور زمینداری کرتے یا قریبی قصبوں میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ ترہگام چھوٹا سا قصبہ تھا جہاں کی طرز معاشرت دیہی تھی۔ لوگ بمشکل روزی کما کر گذارہ کرتے تھے۔ کشمیر کی کئی نامور ہستیاں اس علاقے میں پیدا ہوئیں۔ ترہگام کے قصبہ سے ''کہمل'' نامی ایک بڑا نالہ گزرتا ہے۔ اس نالے کے کنارے آج ایک صدی سے زائد عرصہ قبل غلام محمد بٹ اپنے خاندان کے ساتھ رہتے تھے۔ غلام محمد بٹ کے دو بیٹے غلام قادر بٹ اور عبد العزیز بٹ تھے۔ یہ خاندان محنت مزدوری کر کے گزارا کرتا تھا۔ غلام محمد بٹ کے بڑے بیٹے غلام قادر بٹ کے ہاں ۱۸ فروری ۱۹۳۸ء کو ایک بیٹا پیدا ہوا۔ والدین نے نومولود کا نام ''مقبول'' رکھا۔ یہی مقبول، کشمیر کی تاریخ کا ایک نامور فرزند مقبول بٹ تھا۔ ان کا خاندان ایک عام کشمیری خاندان تھا۔ ابھی یہ نوعمر اور معصوم ہی تھے کہ ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ والدہ کی وفات کے وقت مقبول بٹ کی عمر تقریباً گیارہ یا بارہ سال تھی۔ مقبول بٹ کے بھائی غلام نبی ابھی بہت چھوٹے تھے۔ غلام قادر بٹ کو جب بچوں کی پرورش میں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

مشکلات پیش آئیں تو انہوں کچھ عرصہ بعد دوسری شادی کرلی ۔دوسری بیوی سے ان کے ہاں دو بیٹے ظہور بٹ ،منظور بٹ اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں ۔اس طرح مقبول بٹ کے کل ۷ بہن بھائی تھے ۔دو حقیقی اور پانچ سوتیلے ۔سوتیلی والدہ نے بچوں کی پرورش بڑی توجہ اور محنت سے کی لیکن حقیقی والدہ کی شفقت سے محرومی ایک بڑا حادثہ تھی جس سے مقبول دوچار ہوئے ۔اس حادثے نے ان کے دل و دماغ پر گہرے نقوش چھوڑے۔

مقبول بٹ کے کردار کی تشکیل میں ان کے گھریلو اور عمومی حالات نے گہرا اثر چھوڑا۔جس وقت مقبول بٹ شعور کی منزلیں طے کر رہے تھے وہ دور عجیب اضطراب اور کشمکش کا دور تھا۔مقبول بٹ کی عمر ابھی نو سال تھی کہ برصغیر سے انگریز رخصت ہونے لگا۔اسی دوران کشمیر کے لوگوں نے ڈوگرہ مہاراجہ سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بغاوت کردی۔بغاوت تیزی سے پھیلتی گئی ۔مقبول بٹ کا علاقہ اس جنگ سے براہ راست متاثر ہوا۔ان حالات میں المیہ یہ ہوا کہ اہل کشمیر آزادی کی منزل کے قریب آ کر دُور ہو گئے ۔کشمیر جنگ کے نتیجے میں دو حصوں میں تقسیم ہوگیا اور مقبول بٹ کا علاقہ اور وادی کشمیر جنگ کے نتیجے میں دو حصوں میں تقسیم ہوگیا اور مقبول بٹ کے علاقے اور وادی کشمیر کے دیگر حصوں سے بہت سے لوگ ہجرت کر کے آزاد علاقے میں چلے گئے ۔مقبول بٹ کا خاندان وہیں مقیم رہا۔مقبول اگرچہ نوعمر تھے لیکن اس جنگ نے ان کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کیے تھے۔ان کا وطن آزادی کی منزل کے بہت قریب پہنچ کر دور ہوگیا تھا۔

مقبول بٹ کے بچپن میں کشمیر میں تعلیم کی سہولتیں بہت کم تھیں ۔مسلمان گھرانے زیادہ تر بچوں کو گھر پر مذہبی تعلیم دلاتے تھے اور اگر ممکن ہوتا تو ساتھ ہی ساتھ مروجہ تعلیم بھی دی جاتی تھی ۔مقبول بٹ کی تعلیم کی ابتدا بھی گھر میں مذہبی تعلیم سے ہوئی ۔اس وقت ترہگام میں ایک پرائمری سکول تھا۔مقبول بٹ کے والد نے مقبول کو اس سکول میں داخل کروادیا۔اس طرح انہوں نے مروجہ تعلیم بھی حاصل کرنا شروع کی ۔ان کی تعلیم کا آغاز ۴۵-۱۹۴۴ء میں ہوا۔۱۹۴۷ء کے ہنگامہ خیز دور میں بھی ان کی تعلیم کسی نہ کسی طور جاری رہی ۔جنگ بندی کے بعد جب کسی قدر امن ہوگیا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

تو ان کی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔چونکہ ان کا سکول پرائمری تھا۔اس لئے انہیں مزید تعلیم کے لئے کہیں اور جانا پڑتا۔لیکن مقامی لوگوں نے مل کر کچھ جد وجہد کے بعد اسی اسکول کو ہائی اسکول کا درجہ دلوایا۔لوگوں نے جب اس اسکول کو ہائی سکول کی منظوری دینے کا مطالبہ کیا تو مقبول بٹ نے بھی ان کوششوں میں حصہ لیا بلکہ یوں کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ اہم کردار ادا کیا۔چنانچہ وہ اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں۔

''کیا میں نے زندگی کا یہ سب سے زیادہ جذباتی اور ہنگامہ خیز دور یونہی چپ چاپ گذار دیا؟ تو۔۔۔۔۔ایسا نہیں ہے بلکہ مسلسل ایجی ٹیشن کے ذریعے اپنے گاؤں کے پرائمری سکول کو میٹرک کے درجے تک پہنچایا''۔اس طرح اپنی ہی کوششوں سے بنے ہوئے ہائی اسکول میں ۱۹۵۴ء میں مقبول نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔۱۹۵۴ء میں ہی مزید تعلیم کی غرض سے وہ بارہ مولہ آ گئے اور یہاں سینٹ جوزف کالج میں داخلہ لیا۔یہ کالج اس وقت پرائیویٹ تھا اور عیسائی مشنریوں کے تحت چل رہا تھا۔فادر شنکس یہاں کے پرنسپل تھے۔کالج میں داخلے کے ساتھ ساتھ ان کے لئے ایک اور بڑا مسئلہ رہائش کا تھا۔مقبول بٹ کے دُور پار کے ایک رشتہ دار غلام احمد بارہ مولہ میں رہتے تھے۔مقبولؒ انہیں کے گھر رہائش پذیر ہو گئے۔غلام احمد خود بھی ایک مذہبی آدمی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک نامور عالم دین مولانا شاہ عبدالولی کے بہت بڑے معتقد تھے۔غلام احمد کے گھر رہائش کی وجہ سے مقبول بٹ کو بھی مولانا شاہ عبدالولی سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔یوں مذہب میں بھی ان کی دلچسپی بڑھنے لگی۔اسی مذہبی ماحول کی وجہ سے ایک عیسائی تعلیمی ادارے میں زیر تعلیم ہونے کے باوجود انہوں نے عیسائیت کا کوئی اثر قبول نہیں کیا بلکہ اپنے دین متین کے ساتھ اُن کا لگاؤ مزید گہرا گیا۔کالج کا زمانہ مقبول بٹ کے لئے بڑا ہنگامہ خیز دور تھا۔چونکہ وہ خود ابتداء سے ہی احتجاج اور اپنی بات منوانے کے عادی تھے اور انہوں نے اپنے علاقے میں ہائی سکول بھی اسی طریقے سے منظور کروایا تھا۔اس لئے کالج میں آ کر ان کی یہ ہنگامہ خیزی عروج پر رہی۔وہ ایک بہترین مقرر تھے اس لئے عموماً پُر جوش تقاریر کیا کرتے تھے۔ان کے احتجاج

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اور ہنگامہ خیزیوں کا اثر یہ ہوا کہ گورنمنٹ نے کالج سرکاری تحویل میں لے لیا۔مقبول بٹ کی کالج میں سرگرمیاں عروج پر رہیں ۔ان کی پر جوش اور جذباتی تقاریر کو سامنے رکھ کر کالج کے پرنسپل فادر شنکس نے کہا تھا۔

''اگر یہ نوجوان کٹھن حالات سے گزر گیا تو بہت بڑا آدمی بنے گا۔لیکن اس قسم کے لوگ عموماً اس معاشرے میں شدید مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں۔ایسے نوجوان جس آزادی کے طلبگار ہوتے ہیں اس کا حصول بہت دشوار ہوتا ہے ،نتیجتاً ایسے لوگ آزادی کی راہ میں قربان ہوجاتے ہیں''۔

مقبول بٹ کے استاد یہ دیکھ چکے تھے کہ یہ نوجوان ایک شعلہ جوالہ ہے اور اس معاشرے میں ایسے لوگوں سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔۱۹۵۸ء میں مقبول بٹ نے بی۔اے کا امتحان دیا ۔بی۔اے کا امتحان سرینگر میں مارچ/اپریل میں منعقد ہوا۔اس سے قبل دسمبر ۱۹۵۷ء میں جب بھارتی حکومت نے شیخ عبداللہ کو رہا کیا تو وادی میں ہنگاموں اور ہڑتالوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا ۔مقبول بٹ ؒ بھی احتجاج میں شامل ہو گئے بلکہ اس سلسلے میں انتہائی سرگرم رہے ۔اسی دوران مارچ ۱۹۵۸ء میں بی۔اے کا امتحان شروع ہوا۔۲۷ مارچ کو حکومت نے احتجاج سے تنگ آ کر شیخ عبداللہ کو پھر گرفتار کرلیا اور اسی کے ساتھ پوری وادی میں وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع ہوگئیں ۔مقبول بٹ اگرچہ اس وقت امتحان دے رہے تھے لیکن احتجاج میں حصہ لینے کی وجہ سے وہ پہلے ہی حکومت کی نظروں میں کھٹک رہے تھے۔لہٰذا ان کی گرفتاری بھی یقینی تھی۔مقبول بٹ نے کسی نہ کسی طرح ۱۲/ اپریل کو آخری پرچہ دے دیا اور اسکے بعد فوراً ہی روپوش ہو گئے (بعض لوگوں کے مطابق اس دوران مقبول بٹ ایک گاؤں آرونی کے ایک اسکول میں بحیثیت مدرس کام کرتے رہے تھے۔اگر بالفرض وہ بحیثیت مدرس کام کرتے بھی رہے تھے تو یہ عرصہ بہت ہی مختصر تھا۔ مقبول بٹؒ نے کہیں اسکا ذکر نہیں کیا ہے۔)مقبولؒ بٹ کے اپنے بیان کے مطابق بی۔اے کا امتحان دینے کے بعد وہ روپوش رہے۔اور رزلٹ نکلنے کے بعد پاکستان چلے آئے۔تقریباً تین

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ماہ کی روپوشی کے دوران ہی جب انہوں نے محسوس کیا کہ مزید یہاں رہنا اور تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنا ممکن نہیں تو انہوں نے دیگر خاندان والوں کے صلاح مشورے سے فیصلہ کیا کہ انہیں آزاد کشمیر ہجرت کر جانا چاہئے۔ آزاد کشمیر آنے سے قبل مقبولؒ بٹ نے تین ماہ تک بی۔اے کے رزلٹ کا انتظار کیا اور اس انتظار کے دوران روپوش رہے۔ اگست میں جب رزلٹ آیا تو مقبول بٹ نے اپنے والد کو عارضی نتیجہ نامہ لانے کو کہا۔ والد صاحب عارضی نتیجہ نامہ لے آئے تو مقبول بٹ نے ہجرت کے لئے پروگرام طے کرلیا۔ ان کے چچا عبدالعزیز بٹ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ممکن ہے کوئی اور بھی ہجرت کے اس سفر میں ان کے ساتھ شریک رہا ہو۔ بہرحال ان لوگوں نے ترہگام سے پیدل سفر شروع کیا۔ ٹیٹوال کے بلند وبالا پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے یہ لوگ آزاد کشمیر میں داخل ہوگئے۔ آزاد کشمیر میں داخل ہوتے ہی سرحدی محافظوں نے انہیں گرفتار کرلیا اور مظفرآباد پولیس کے پاس بھیج دیا۔

مقبوضہ کشمیر سے مقبول بٹ کی ہجرت کے پس پردہ کیا عوامل کارفرما تھے؟ اس سلسلہ میں پہلی بات واضح ہے کہ مقبول بٹ کی پرجوش سرگرمیوں کی وجہ سے ان کا یہاں مزید رہنا اور تعلیم حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ اگر وہ گرفتار کر لئے جاتے جیسا کہ حکومت کی کوشش تھی، تو پھر ان کے اور ان کے خاندان کے لئے بہت سے مسائل جنم لے لیتے۔ مقبول بٹ غالباً یہ بھی سمجھتے تھے کہ آزاد کشمیر جا کر تعلیم کے ساتھ ساتھ وطن کی آزادی کے لئے اپنی سرگرمیاں بھی جاری رکھ سکیں گے۔ سرحدی محافظوں نے تفتیش کی غرض سے مقبول بٹ اور انکے چچا کو پولیس کے حوالے کردیا۔ پولیس نے اپنے طریق کار کے مطابق ان لوگوں سے پوچھ گچھ کی۔ ایک افسر کے بیانات لینے پر مقبول بٹ نے صاف صاف اپنے جذبات کا اظہار کیا اور واضح کیا کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں اپنے آپ کو غلام سمجھتے تھے اور وہ غلام ملک میں نہیں رہنا چاہتے تھے۔ اس لئے ہجرت کر کے آزاد کشمیر آگئے ہیں۔ مقبول بٹ کے چچا عبدالعزیز ایک جہاندیدہ آدمی تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ پولیس کو اس قسم کے جذباتی بیانات سے کوئی غرض نہیں اور اس طریقے سے وہ پولیس سے اپنی جان نہیں چھڑوا سکیں گے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

۔انہوں نے اپنی مظلومیت کا اظہار کرتے ہوئے واضح کیا کہ وہ بے سروسامانی کی حالت میں یہاں آئے ہیں اور انہیں پناہ چاہئے۔اگر چہ مقبول بٹ نے چچا کے مصلحت آمیز بیان کو پسند نہیں کیا لیکن چچا نے انہیں سمجھایا کہ اس وقت جذباتیت کے بجائے مصلحت کی ضرورت ہے اور ہم اسی طریقے سے پولیس سے جان چھڑا سکتے ہیں۔لیکن پھر بھی پولیس نے اس بیان کے بعد انہیں رہا نہیں کیا،جس سے مقبول بٹ کو گہرا دھچکا لگا۔انہوں نے اس ناروا سلوک کے خلاف احتجاج کیا تو تھانیدار سے ان کی تلخ کلامی بھی ہوگئی۔تاہم چچا کے جاننے والے چند لوگ ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد یہاں مقیم تھے،ان لوگوں میں غلام نبی زرگر اور غلام نبی میر بھی شامل تھے جو مقبول اور ان کے چچا کو ذاتی طور پر جانتے تھے۔ان لوگوں کو کسی طرح یہ اطلاع ملی کہ مقبوضہ کشمیر سے انکے علاقے کے چند افراد ہجرت کر کے آئے ہیں اور تھانے میں پولیس کی حراست میں ہیں۔ممکن ہے کہ مقبول اور ان کے چچا کے پاس ان لوگوں کے ایڈرس ہوئے ہوں یا پولیس نے خود ہی تلاش کر کے انہیں بتادیا ہو۔بہر حال جیسے ہی انہیں معلوم ہوا یہ دونوں آدمی فوراً تھانے میں پہنچ گئے۔تھانے میں انہوں نے بیان دیا کہ مقبول بٹ اور عبدالعزیز دونوں ان کے واقف کار ہیں اور ان کے مہمان ہیں۔لہٰذا انہیں رہا کر دیا جائے۔اس موقع پر پولیس نے ایک بار پھر ان دونوں کے بیانات لئے۔بیانات لینے کے بعد ان دونوں کو غلام نبی میر کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی گئی۔

آزادی کے مسافروں کا یہ مختصر سا قافلہ تین روز تک مظفر آباد میں غلام نبی میر کے ہاں مہمان رہا۔تین دن کے بعد یہ لوگ راولپنڈی روانہ ہوگئے۔غالباً راولپنڈی میں بھی انہیں کسی شناسا کی تلاش تھی جو انکی راہنمائی کر سکے۔غلام نبی میر نے مظفر آباد سے روانہ ہوتے وقت انہیں ماسٹر مقبول نامی شخص کے نام ایک خط بھی دیا تھا۔ماسٹر مقبول ایبٹ آباد میں مقیم تھا۔یہ لوگ راولپنڈی سے ایبٹ آباد چلے گئے اور ماسٹر مقبول کے ہاں پہنچ گئے۔ماسٹر مقبول ان لوگوں کے قریبی عزیز تھے جن کے ہاں رہ کر بارہمولہ میں مقبول بٹ نے تعلیم حاصل کی تھی۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اس لحاظ سے مقبول بٹ اور انکے چچا بھی ماسٹر مقبول کو جانتے تھے ۔ماسٹر مقبول کے ہاں یہ دونوں چار پانچ دن مقیم رہے ۔مقبول بٹ کے سامنے اس وقت دو بڑے مسئلے تھے ۔اول اپنے روزگار اور رہائش کا کہیں بندوبست کرنا اور دوم اپنی تعلیم کی تکمیل ۔مزید تعلیم کے حصول کے سلسلے میں وہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں داخلے کے خواہشمند تھے ۔اس کے ساتھ ہی لاہور میں کوئی رہائش اور روزگار بھی ڈھونڈنا چاہتے تھے تا کہ وہ اپنے اخراجات پورے کرسکیں ۔یہی سوچ کر مقبول بٹ ایبٹ آباد میں چند دن رہنے کے بعد اپنے چچا کے ہمراہ لاہور روانہ ہوگئے ۔لاہور میں کشمیر سے آئے ہوئے اس اجنبی نوجوان کی راہ میں بے شمار دشواریاں حائل تھیں ۔نہ تو وہ لاہور شہر سے واقف تھے اور نہ ہی یہاں ان کی کسی سے شناسائی تھی ۔مقبول بٹ نے ایم ۔اے میں داخلہ لینے کی پوری کوشش کی لیکن انہیں اپنے مقصد میں کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی ۔اسی سلسلے میں وہ منصورہ بھی گئے تھے ۔شاید جماعت اسلامی سے منسلک افراد سے اس سلسلے میں مدد چاہتے ہوں ۔اپنی تمام کوششوں کے باوجود مقبول بٹ کو ایم ۔اے میں داخلہ نہ مل سکا اور نہ ہی کسی معقول روزگار اور رہائش کا مسئلہ حل ہوسکا ۔جب لاہور میں مقبول بٹ کو کامیابی حاصل نہ ہوسکی تو وہ پشاور روانہ ہوگئے ۔پشاور میں کپوارہ کے علاقے ہائے ہامہ کے ایک کشمیری صحبت خان ہجرت کے بعد سے مقیم تھے ۔وہ پشاور یونیورسٹی میں ملازم تھے ۔مقبول بٹ کے چچا عبدالعزیز بٹ کسی حوالے سے صحبت خان کو جانتے تھے ۔پشاور پہنچ کر ان لوگوں نے صحبت خان سے رابطہ کیا ۔صحبت خان کی کاوشوں سے ان کی رہائش کا مسئلہ حل ہوا ۔ایک ہندو کا متروکہ مکان شکستہ حالت میں تھا ۔صحبت خان نے کوشش کر کے مقبول بٹ اور ان کے چچا کو یہاں کی رہائش دلادی ۔رہائش کا مسئلہ حل ہونے کے بعد عبدالعزیز بٹ محنت مزدوری کرنے لگے اور مقبول بٹ نے پشاور یونیورسٹی میں داخلے کے لئے کوشش کی ۔صحبت خان کی مدد سے انہیں یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا ۔حالات موافق پاتے ہی مقبول بٹ کی بے چین روح انگڑائی لے کر بیدار ہونا شروع ہوگئی ۔حقیقت تو یہ ہے کہ مقبول بٹؒ اس قسم کی مروجہ اور روایتی زندگی گزارنے کے لئے پیدا ہی نہیں ہوئے تھے ۔جس طرح

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

عظیم لوگ زندگی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اسی طرح مقبول بٹ کے نزدیک بھی اس زندگی کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ اپنی زندگی کسی خاص مقصد کے لئے گزارنا چاہتے تھے۔ اور وہ مقصد تھا محکوم دھرتی کی آزادی۔ جلد ہی یہ بے چین روح اپنے راستے پر گامزن ہوگئی اور تیزی سے اپنا حلقہ احباب وسیع کرلیا۔ روزگار کے سلسلہ میں ایک مقامی اخبار میں ملازمت اختیار کرلی۔ اس طرح ان کے تعلیمی اخراجات کا مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ اسکے علاوہ رہائش اور دیگر ضروریات زندگی کے لئے بھی ہر ماہ معقول رقم میسر ہونے لگی۔ روزگار اور تعلیم کے معاملے میں مقبول بٹ اور ان کے چچا کسی حد تک مطمئن ہوگئے تو عبدالعزیز بٹ نے ان کی شادی کے متعلق سوچا۔ اسی عرصے میں عبدالعزیز بٹ واپس مقبوضہ کشمیر چلے گئے واپس جانے سے پہلے ان کے دو واقف کاروں، عطا محمد اور محمد سبحان جو آپس میں بھائی تھے اور ایبٹ آباد والے ماسٹر مقبول کے رشتہ دار بھی تھے نے ان سے گزارش کی وہ مقبوضہ کشمیر میں مقیم ان کی بہن کو واپسی پر اپنے ہمراہ لے آئیں۔ عبدالعزیز کو چونکہ رہائش اور معاش کی طرف سے کسی حد تک اطمینان ہوگیا تھا لہذا وہ اپنے کنبے کو بھی پاکستان لانا چاہتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے یہ طے کرآئے تھے اگر پاکستان میں مناسب حالات میسر آئے تو وہ اپنے خاندان کو بھی یہیں لے آئیں گے۔ عبدالعزیز بٹ مقبوضہ کشمیر گئے اور واپسی پر اپنی بیوی کے ساتھ عطا محمد اور سبحان کی ہمشیرہ کو بھی ساتھ لے آئے جس کا نام رابعہ بیگم تھا۔ ابتداء میں رابعہ بیگم اپنے رشتہ دار ماسٹر مقبول کے ہاں رہائش پذیر ہوگئیں۔ پھر کچھ عرصے بعد رابعہ بیگم اپنے بھائیوں کے پاس پشاور چلی گئیں۔ ماسٹر مقبول نے عبدالعزیز بٹ کو یہ تجویز دی کہ رابعہ بیگم کی شادی مقبول بٹ سے کردی جائے۔ عبدالعزیز بٹ راضی ہوگئے۔ غالباً انہوں نے مقبول بٹ سے مشورہ بھی کیا۔ سن ۱۹۶۱ء میں مقبول بٹ کی شادی رابعہ بیگم سے ہوگئی۔ رابعہ بیگم ایک گھریلو اور سیدھی سادی کشمیری خاتون تھیں۔ اس دوران مقبول بٹ کو روزگار کے سلسلے میں کافی تگ و دو کرنی پڑی۔ روزنامہ ''انجام'' سے وہ کافی عرصہ وابستہ رہے۔ چونکہ ان کے اپنے ذہن میں بھی ایک مقصد تھا۔ اس لئے اپنے مقصد اور ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے صحافت سے وابستگی انکی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ضرورت بھی تھی۔صحافت میں کچھ تجربہ ہونے کے بعد انہوں نے ''خیبر ایجنسی'' نام سے ایک اپنا جریدہ بھی نکالا لیکن نامساعد مالی حالات کی وجہ سے جلد ہی اسے بند کرنا پڑا۔ ۱۹۶۲ء میں مقبول بٹ کے پہلے بیٹے جاوید مقبول بٹ پیدا ہوئے ۔۱۹۶۴ء میں شوکت مقبول بٹ پیدا ہوئے ۔بچوں کی پیدائش سے مقبول بٹ کی گھریلو ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوگیا۔اس سے وہ کبھی غافل نہیں رہے ۔اپنے بچوں کی انہوں نے بڑی شفقت سے پرورش کی۔لیکن ابھی ان کے بیٹے معصوم ہی تھے کہ وہ ایسی راہوں پر چل پڑے کہ ان کے لئے گھریلو زندگی گزارنا ناممکن ہوگیا۔ مقبول بٹؒ کی پہلی بیوی رابعہ بیگم اس دوران بہت بیمار رہنے لگیں ۔اسی دوران مقبولؒ نے ذاکرہ بیگم نامی ایک سکول معلّمہ سے دوسری شادی کرلی ۔دوسری شادی کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی لیکن شاید مقبول بٹ سمجھتے تھے کہ انکی سرگرمیوں اور رابعہ بیگم کی خراب صحت کے باعث گھریلو نظام باحسن طریقے سے نہیں چل سکے گا۔ذاکرہ بیگم چونکہ ایک پڑھی لکھی خاتون تھیں اور اسکے ساتھ باروزگار بھی تھیں، اسلئے مقبول بٹ نے یہ سمجھا کہ اس طرح ان کے گھریلو حالات درست ہوجائیں گے اور ان کی عدم موجودگی میں انکی دوسری اہلیہ گھر کا نظام سنبھال سکیں گی۔ ۱۹۶۶ء میں مقبول بٹ کی دوسری بیگم سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام لبنیٰ شاہین رکھا گیا۔۱۹۶۶ء ہی میں مقبول بٹ مقبوضہ کشمیر چلے گئے اور اس کے بعد وہ مسلسل ایک ایسی جدوجہد میں مصروف ہوگئے کہ جس میں گھریلو زندگی کا تصور بھی ناممکن تھا۔آزادی کا یہ مسافر ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۴ء تک مسلسل ایک ایسے راستے پر چلتا رہا جس نے بالآخر اسے شہادت جیسی عظیم نعمت سے سرفراز کردیا۔مقبول بٹ کے بڑے بیٹے جاوید مقبول نے حصول تعلیم کے لئے بڑی محنت کی اور زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے ایم ۔ایس ۔سی کی ڈگری حاصل کی اور آج کل مصروف ملازمت ہیں ۔جبکہ چھوٹے بیٹے شوکت مقبول بٹ نے اپنے والد کے راستے کو منتخب کرتے ہوئے تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کردیا۔لبنیٰ شاہین اپنی والدہ کے ساتھ کراچی میں مقیم ہیں ۔مقبول بٹ کے والد قادر بٹ انتقال کر گئے ہیں ۔جبکہ ان کے چچا عبدالعزیز بٹ پاکستان ہی میں مقیم رہے اور کچھ عرصہ قبل ایبٹ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

آباد میں ان کا انتقال ہوا ہے۔مقبول بٹ کے سوتیلے بھائی بھی تحریک آزادی میں اپنا کردار کر رہے ہیں جبکہ ان کے برادر اصغر غلام نبی بٹ کو بھی بھارتی آرمی نے اپنی گاڑی کے نیچے لا کر شہید کیا ہے۔غلام نبی بٹ تا دم مرگ جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے ساتھ منسلک رہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ مقبول بٹ کی ذاتی زندگی بہت مختصر رہی۔ان کی زندگی تو قومی زندگی تھی۔انہوں نے اپنی ذاتی زندگی کو قوم کے مستقبل پر قربان کر دیا۔مقبول بٹ ذاتی طور پر بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے۔جو بھی ان سے ایک بار ملتا،ان کی ذہانت،اعلیٰ خیالات اور جذبات سے ضرور متاثر ہوتا۔اس کا اظہار میر عبدالقیوم اور م۔ش نے اپنی تحریروں میں بھی کیا ہے۔یہ دونوں حضرات مقبول بٹ کے ساتھ پہلی ملاقات میں ہی بہت متاثر ہوئے۔م۔ش (میاں محمد شفیع) نے اپنے ایک کالم میں لکھا'' یہ نوجوان کشمیری قوم کا ایک بہترین رہنما ہے اور کشمیریوں کی جدوجہد آزادی میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے''۔مقبول بٹ نے اتنی ہنگامہ خیز زندگی گزاری کہ جس میں وسیع مطالعے اور سنجیدہ سوچ کا موقع بہت کم ملتا ہے۔لیکن مقبول بٹ ایک وسیع المطالعہ شخص ہونے کے علاوہ سنجیدہ فکر انسان بھی تھے۔انہوں نے آزادی کی تحریکوں کا بڑی تفصیل سے مطالعہ کیا۔اگر چہ تحریک آزادی میں انکے کردار کا دورانیہ مختصر ہے لیکن اس مختصر دورانیے میں انہوں نے کشمیری قوم کو وہ راہ دکھائی جو حقیقی معنوں میں ایک غیرت مند قوم کی راہ ہے اور پھر اس راہ کو اپنے خون سے رنگین کیا۔کشمیر کی جدید تاریخ میں بلاشک وشبہ مقبول بٹ کو سب سے محترم اور بلند مقام حاصل ہے۔ تاریخ کشمیر کبھی اپنے اس عظیم فرزند کو فراموش نہیں کر سکے گی۔

سیاسی سفر

ترہگام قصبہ جہاں مقبول بٹؒ پیدا ہوئے ڈوگرہ دور میں ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جسمیں صرف ایک پرائمری سکول تھا۔۱۹۴۷ء کے واقعات کے بعد ریاست دو حصوں میں منقسم ہوگئی اور ترہگام کا قصبہ مقبوضہ کشمیر میں شامل رہا۔کچھ عرصہ کے بعد یہاں کے طلبہ نے حکومت سے مطالبہ کیا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کہ ان کے پرائمری سکول کو ہائی سکول کا درجہ دیا جائے ۔ ہائی سکول کے لئے احتجاج کرنے والوں میں ایک نمایاں لڑکا محمد مقبول بٹؒ تھا۔ مقبول بٹؒ کے سیاسی سفر کا آغاز درحقیقت اسی واقعے سے ہوجاتا ہے جب وہ ہائی سکول حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور اسی ہائی سکول سے انہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۴ء میں جب وہ سینٹ جوزف کالج بارہمولہ میں داخل ہوئے تو یہاں بھی مسلسل متحرک رہے ۔ ان کے اپنے ایک بیان کے مطابق وہ بہت زیادہ احتجاج اور ہڑتالیں کرتے تھے ۔ حکومت نے اسی وجہ سے تنگ آ کر ان کا کالج سرکاری تحویل میں لے لیا۔ کالج کے دور میں بھی وہ باقاعدہ ایک سیاسی کارکن کی طرح متحرک رہے ۔ بہترین مقرر ہونے کی وجہ نہایت پرجوش تقاریر کیا کرتے تھے ۔ اسی خصوصیت کے باعث وہ جلد ہی حکومت کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے ۔ ۱۹۵۸ء میں جب شیخ عبداللہ کی رہائی کے بعد احتجاج کا سلسلہ شروع ہوا تو مقبول بٹ نے نمایاں طور پر احتجاج میں حصہ لیا ۔ چنانچہ انہوں نے انہی سرگرمیوں کے دوران بی ۔ اے کا امتحان دیا اور روپوش ہوگئے ۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مقبول بٹ نے شعور کی وادی میں قدم رکھتے ہی شدومد کے ساتھ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اسی دوران وہ پاکستان آ گئے ۔ پاکستان آ کر پہلے تو انہوں نے ذاتی مسائل پر توجہ دی لیکن اس کے ساتھ ساتھ مختلف سیاسی شخصیات سے بھی رابطہ رکھا۔ پشاور میں قیام کے دوران ان کا حلقۂ احباب کافی وسیع ہوگیا۔

۱۹۶۱ء میں کے ۔ ایچ خورشید جو اس وقت آزاد کشمیر کے صدر تھے، نے پہلی بار بنیادی جمہوریتوں کے تحت انتخابات کروائے ۔ مقبول بٹ کو اس وقت آزاد کشمیر آئے ہوئے محض تین سال ہی گزرے تھے ۔ لیکن پھر بھی انہوں نے ان انتخابات میں حصہ لیا۔ اور حیرت انگیز طور پر کامیابی بھی حاصل کی ۔ یہ تین سال پہلے مقبوضہ کشمیر سے ہجرت کر کے آنے والے نوجوان کے لئے ایک اعزاز تھا۔ کے ۔ ایچ خورشید نے خود صدارت کا انتخاب لڑا۔ مقبول بٹ نے صدارتی انتخاب میں کے ایچ خورشید اور سٹیٹ کونسل کے انتخاب میں جی ۔ ایم لون کی حمایت کی ۔ یہ دونوں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

امیدوار کامیاب ہوئے ۔مقبول بٹ کی سیاست میں دلچسپی اور عملی شرکت نے ان دونوں حضرات سے قریبی تعلقات پیدا کرنے میں بے حد مدد کی ۔بالخصوص جی ۔ایم ۔لون سے مقبول بٹ کی گہری شناسائی پیدا ہوگئی ۔ انہی کے حوالے سے دیگر نظریاتی دوستوں سے ان کی واقفیت پیدا ہوئی ۔اور اس طرح مقبول بٹ آزاد کشمیر اور پاکستان میں مقیم کشمیریوں کی سیاست میں عملاً شریک ہو گئے ۔

یہ وہ دور تھا جب پاکستان کے اُس وقت کے وزیر خارجہ ذولفقار علی بھٹو اور بھارتی وزیر خارجہ سورن سنگھ کے درمیان کشمیر کے مسئلہ پر مذکرات ہو رہے تھے ۔ہر بیدار اور محبِّ وطن کشمیری کو ان مذاکرات سے گہری دلچسپی تھی ۔ انہی مذکرات کے دوران تقسیم کشمیر کی تجویز بھی سامنے آئی ۔ یہ تجویز سن کر کشمیریوں میں اضطراب پیدا ہوگیا ۔ کیونکہ کوئی بھی کشمیری خواہ وہ کسی نظریئے سے منسلک ہو۔ کشمیر کی تقسیم کو کبھی قبول نہیں کر سکتا۔مقبول بٹ نے ان حالات وواقعات میں محسوس کیا کہ پاکستان میں اقتدار کی کرسیوں پر براجمان لوگوں اور افسر شاہی کو کشمیری عوام سے کوئی دلچسپی نہیں ۔انہیں صرف ایک علاقے سے دلچسپی ہے اور وہ کشمیر کو صرف اسی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔کشمیری عوام کے بجائے انہیں اپنے مفادات عزیز ہیں ۔اس قسم کی تجاویز جب سامنے آئیں تو کچھ حضرات نے مل کر ریاست جموں وکشمیر کی وحدت کے تحفظ کے لئے ۱۹۶۲ء میں ایک تنظیم قائم کی۔اس کا نام کشمیر انڈی پنڈنس کمیٹی KASHMIR INDEPENDENCE COMITTEE رکھا گیا اور اس کے سربراہ جی ایم لون مقرر ہوئے ۔مقبول بٹ بھی اسی تنظیم میں شامل تھے ۔ ان کے علاوہ اس تنظیم میں غلام نبی گلکار، قاضی خورشید عالم ، ملک عبدالمجید ،ڈاکٹر غلام احمد جراح ، میر عبدالقیوم ،میر عبدالعزیز ،میر عبدالرشید ،عبدالخالق انصاری ، ایم ۔اے فاروق ، امان اللہ خان ،سعید شاہ نازکی ،علی محمد ملک اور مجید امجد بٹ وغیرہ بھی اس تنظیم میں شامل تھے ۔ اس تنظیم کے قیام کا بڑا مقصد ریاست جموں وکشمیر کی وحدت وسالمیت کے تحفظ کے لئے متحرک رہنا تھا ،تا کہ کشمیر کے سلسلے میں کی جانے والی کسی بھی ناپاک کوشش کو روکا جا سکے ۔کشمیر انڈی پنڈنس کمیٹی کچھ عرصہ فعال رہی ۔ چونکہ تقسیم کشمیر کے کسی منصوبے کا عملی طور وجود نہیں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

رہا تھا۔اور یہ محض تجویز کی حد تک محدود تھا اس لئے کشمیر انڈی پنڈنس کمیٹی بھی کسی حد تک غیر فعال ہوگئی۔کشمیر انڈی پنڈنس کمیٹی کے قیام کے تین سال کے بعد انہیں حضرات نے مل کر محاذ رائے شماری کا قیام عمل میں لایا۔اس سے قبل مقبوضہ کشمیر میں اس کا قیام اپریل ۱۹۶۵ء میں عمل میں لایا گیا تھا۔کشمیر انڈی پنڈنس کمیٹی کے اکثر ممبران محاذ رائے شماری میں شامل ہو گئے۔قیام کے فوراً بعد حلف برداری کی ایک نرالی تقریب منعقد ہوئی۔سیالکوٹ کے نزدیک بھارتی مقبوضہ کشمیر کے گاؤں ''سوچیت گڑھ'' جا کر تمام ممبران نے وطن کی مٹی کو ہاتھ میں لے کر حلف اٹھایا کہ وہ کشمیر کی آزادی کے لئے اپنے خون کی قربانی تک دینے سے گریز نہیں کریں گے۔

مقبولؒ بٹ بھی اس حلف کی تقریب میں شریک تھے اور غالباً انہوں نے پورے ایمانی جذبے سے یہ حلف اٹھایا تھا کہ اگر وطن کی آزادی کے لئے جان کی قربانی کی ضرورت بھی پڑی تو وہ اس گریز نہیں کریں گے۔اور خدا گواہ ہے کہ انہوں نے انتہائی پر وقار طریقے سے اس حلف کو پورا بھی کیا۔مقبول بٹ محاذ رائے شماری کے پبلسٹی سیکرٹری مقرر ہوئے۔اس طرح مقبول بٹ محاذ رائے شماری کے پلیٹ فارم سے بھی عملی سیاست میں متحرک ہو گئے۔

مقبوضہ کشمیر سے آئے انہیں سات آٹھ برس گزر چکے تھے۔اس عرصے میں انہوں نے پاکستان اور آزاد کشمیر کی سیاست کا گہری نظر سے جائزہ لیا تھا اور بڑی اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا کہ نہ تو پاکستانی قیادت کشمیری عوام کے لئے مخلص ہے اور نہ ہی آزاد کشمیر میں اقتدار کی خاطر الجھنے والوں کو اپنے حقیقی مقصد سے کوئی دلچسپی ہے۔آزاد کشمیر جو آزادی ءکشمیر کا بیس کیمپ تھا وہاں اقتدار کی خاطر کھینچا تانی جاری تھی اور وزارت امور کشمیر کا بڑا فریضہ یہی تھا کہ وہ کشمیری سیاست دانوں کو باہم لڑاتے رہے۔دوسری طرف پاکستان کے اہل اقتدار اور نوکر شاہی کے اذہان کشمیری عوام کے متعلق کسی قسم کی سنجیدہ سوچ سے خالی تھے۔ان حالات میں مقبولؒ بٹ نے شدت سے محسوس کیا کہ کشمیریوں کو اپنی آزادی کی جنگ خود لڑنا پڑے گی اور آزادی کی یہ جنگ وظیفہ خور سیاست اور اقتدار پرست سیاسی کارکن کی بڑی سے بڑی تعداد بھی نہیں لڑ سکتی۔اپنے ایک انٹرویو میں انہوں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

نے کہا۔

''ایک بات بڑی شدت سے اس وقت بھی محسوس کی اور اب بھی کر رہا ہوں کہ وہ لوگ جو اپنی کوشش سے دو وقت کی روٹی نہیں کما سکتے وہ قوم کو آزادی کی منزل سے کیسے ہم کنار کر سکتے ہیں ۔وظیفہ خور سیاست دانوں اور سیاسی کارکنوں کی بڑی سے بڑی تعداد بھی آزادی کی جنگ نہیں لڑ سکتی۔''

انہی احساسات کے ساتھ انہوں نے کشمیر کی آزادی کے لئے انقلابی خطوط پر سوچ و چار شروع کیا۔ان کے نزدیک آزادی کی یہ جنگ محض سیاسی میدان میں نہیں لڑی جا سکتی تھی بلکہ اس کے لئے عملی اور مسلح جد وجہد بھی ضروری ہے ۔کشمیر کی آزادی کے لئے منظم اور مسلح جد وجہد کا تصور ان کے ذہن میں کب پیدا ہوا، اس کے متعلق وہ اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں ۔

''ہمارے ذہنوں میں شروع سے یہ بات تھی کہ سیاسی جد وجہد کے ساتھ مسلح جد وجہد کے سلسلے میں بھی کچھ کریں۔اپریل ۱۹۶۵ء میں سیالکوٹ میں محاذ کی بنیاد رکھی گئی اور ابتداء سے ہی مسلح جد وجہد کی منصوبہ بندی شروع کر دی گئی ۔پاک بھارت جنگ کے دوران یہ منصوبہ تعطل کا شکار رہا۔اعلان تاشقند کے ساتھ ہی ہم نے زور شور سے کام شروع کر دیا''

مسلح جد وجہد کے متعلق ان کے تصورات کی پختگی کے ساتھ ہی اپنی مختصر سی سیاسی زندگی میں مقبول بٹ نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ کشمیریوں کو آزادی کی حقیقی منزل اسوقت تک نہیں مل سکتی جب تک تحریک مکمل طور پر وہ خود اپنے ہاتھوں سے نہ چلائیں ۔تحریک کی قیادت کشمیریوں کے ہاتھ میں ہو اور وہ خود ساری تحریک میں آگے آگے ہوں ۔چنانچہ وہ کہتے ہیں ۔

''۱۹۶۵ء میں شیخ عبداللہ کی دوبارہ گرفتاری کے بعد میرے خیالات میں انقلاب آ گیا۔میں نے دیکھا کہ جس قوم کی آزادی کی جنگ لڑی جا رہی ہے INITIATIVE اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔میں نے محسوس کیا ہے کہ شروع سے اب تک ساری تحریک میں یہی بنیادی خامی ہے ۔انقلابات عالم کی تاریخ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ جب قوم کی نجات کا سوال ہو تو اس قوم

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کے افراد کو منظم کیا جاتا ہے۔ جب تک قوم کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر کے آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے آمادہ نہ کر لیا جائے، وہ کوئی رول ادا نہیں کر سکتی۔"

انہی تصورات کے ساتھ مقبول بٹ پوری سنجیدگی سے تحریک آزادی میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے آگے بڑھتے رہے۔ یعنی ان کے ذہن میں دو باتیں واضح ہو گئیں تھیں ایک یہ کہ کشمیریوں کو آزادی کی جنگ خود لڑنی ہوگی اور دوسرا یہ کہ آزادی کی جنگ محض سیاسی میدان اور مذاکرات کے ذریعے نہیں بلکہ مسلح ہو کر باقاعدہ گوریلا جنگ کے ذریعے بھی لڑنی ہوگی۔ اسی طریقے سے دشمن کو سیاسی میدان میں شکست دینا ممکن ہوگا۔ اس دور میں الجزائر اور فلسطین میں گوریلا طرز کی جنگ پوری شدت سے جاری تھی اور پوری دنیا ان کی حمایت کر رہی تھی۔ مقبول بٹ یہ سمجھتے تھے کہ کشمیری بھی اسی طریقے سے پوری دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا سکتے ہیں۔ جولائی ۱۹۶۵ء میں محاذ رائے شماری کی مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا۔ اسمیں مقبول بٹ نے اپنے نظریات کے مطابق تحریک آزادی کے لئے باقاعدہ مسلح جدوجہد شروع کرنے کی تجویز دی۔ محاذ کی مجلس عاملہ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ اسوقت محاذ میں بہت سے ایسے حضرات شامل تھے جو شیخ عبداللہ کے معتقد تھے۔ یہ لوگ شیخ عبداللہ کے تصور سیاست اور نیشنل ازم کے قائل تھے۔ اس لئے وہ مسلح جدوجہد جیسے کسی نظریے کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ مقبول بٹ کو محاذ میں اپنے تصورات کے مطابق جدوجہد کرنے میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی تو انہوں نے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ملکر ایک منظم تنظیم قائم کرنے کے لئے سوچنا شروع کر دیا۔ تا کہ اپنے تصور کے مطابق عملی جدوجہد کر سکیں۔ چنانچہ میر عبدالقیوم اور میجر امان اللہ خان کے مشورے سے یہ تنظیم این۔ ایل۔ ایف (قومی محاذ آزادی) کے نام سے ۱۳/ اگست ۱۹۶۵ء کو پشاور میں قائم کی گئی۔ اس تنظیم کو الجزائر کے ایف۔ ایل۔ این کی طرز پر منظم کیا گیا۔ مختلف شعبے بنا کر ان کے الگ الگ انچارج بنائے گئے۔ مقبول بٹ کو مختلف شعبوں کے درمیان رابطے کے امور کا سربراہ بنایا گیا۔ مقبول بٹ اور ان کے رفقاء اپنے اپنے شعبوں میں سرگرم ہو گئے۔ تنظیم کے قیام کے فوراً بعد ہی چونکہ پاک بھارت جنگ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

شروع ہوگئی۔ اس لئے ہر کشمیری کی طرح ان لوگوں کی توجہ بھی اس جنگ کی طرف رہی۔ اس سے قبل جب مقبوضہ کشمیر میں کوریا آپریشن "جبرالٹر" شروع تھا تو مقبول بٹ نے مظفر آباد جا کر اپنی خدمت پیش کی لیکن انہیں اہمیت نہیں دی گئی۔ مقبول بٹ نے شدت سے محسوس کیا کہ جنگ تو کشمیر کی آزادی کے لئے لڑی جارہی ہے اور خود اہل کشمیر پر اعتماد نہیں کیا جارہا۔ ان کے نزدیک ایسے حالات میں آزادی کا حصول دشوار تھا اور ایسی آزادی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ جنگ ستمبر کے بعد تنظیم سرگرم رہی اور مختلف مواقع پر مظاہرے کئے جاتے رہے۔ عملی طور پر یہ لوگ محاذ رائے شماری کے پلیٹ فارم پر ہی سرگرم تھے اور این۔ ایل۔ ایف فی الحال خفیہ طور پر قائم تھی۔ البتہ اس سلسلہ میں یہ لوگ اپنے اپنے شعبہ کی حد تک سرگرم عمل تھے۔ مقبوضہ کشمیر میں عملی جد وجہد کے لئے فنڈز درکار تھے۔ میر عبدالقیوم اور میر عبدالمنان نے اس سلسلہ میں کافی قربانیاں دیں۔ میجر امان اللہ خان ☆ا مسلح جد وجہد کی منصوبہ بندی میں مصروف تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆ا میجر امان اللہ خان غیر منقسم ہندوستان میں انڈین آرمی کے ایک کیپٹن تھے۔ ان کے والد مرحوم سیف اللہ خان ضلع کپواڑہ کے علاقہ ہائے ہامہ کے مشہور و معروف رئیس تھے۔ میجر امان اللہ ایک حریت سپاہی تھا اس کے اندر جذبہ حریت موجزن تھا اس لئے دوسری جنگ عظیم کے دوران انڈین آرمی کو چھوڑ کر سبھاش چندر بوس کی "آزاد ہند" فوج میں شامل ہوگیا۔ بعد ازاں جنرل شاہنواز خان کی آزاد ہند فوج میں میجر کی حیثیت میں کام کررہے تھے کہ بغاوت کے الزام میں گرفتار ہوگئے۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد انہوں نے پاکستان آرمی میں جانے کا فیصلہ لیا اور پاکستان چلا گیا۔ جہاں میجر امان اللہ نے آزاد کشمیر کی فوج منظم کرنے میں کلیدی رول ادا کیا۔ 1947ء میں جب قبائلی حریت پسندوں کو اڑی رحمولہ اور اوڑی سے واپس ہٹنا پڑا تو میجر امان اللہ کو یہ پسپائی بہت شاک گذری۔ اس نے اس وقت کی عبوری حکومت کے قاعدے قانون سے باہر نکل کر بہت ہی محدود وسائل کے ساتھ نئی فوج ترتیب دی اور جنوری 1948ء میں کیرن کے راستے سے سیز فائر لائن عبور کرلی اور اسی علاقے میں ایک عارضی انتظامی ڈھانچہ بھی قائم کیا۔ جس میں علاقہ منزگام چکیبل کی ایک معزز حریت پسند شخصیت مرحوم میر باز خان تحصیلدار مقرر ہوا۔ اور موضع لکروسہ کا ایک معروف عرائض نویس حاجی امیر الدین وانی نائب تحصیلدار مقرر کیا گیا۔ لیکن اپریل 1948ء میں میجر امان اللہ کے مجاہدین کو بھارت کی فوج سے پسپا ہونا پڑا۔ میجر خان کو اپنے کچھ رشتہ داروں سمیت واپس آزاد کشمیر جانا پڑا لیکن ان کی والدہ حنیفہ بیگم۔ اس کا بھائی محبت خان اور محبت خان کی حاملہ بیوی گرفتار ہوگئے۔ چند دن درگمولہ کیمپ میں رکھنے کے بعد انہیں سرینگر سنٹرل جیل بھیج دیا گیا۔ میجر امان اللہ کی بھابھی کا ناوین کے مقام پر بچہ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

پیدا ہوا جسے بھارتی فوج نے وناوین پل کے پاس سڑک پر پھینک دیا۔قصبہ سوپور کے لوگوں نے ان دو عورتوں کو فوج کے قبضے میں رکھنے پر احتجاج کیا۔محبت خان کو جیل بھیج دیا گیا لیکن ان عورتوں کو ضمانت پر رہائی کے بعد کوئی اپنے گھر لینے پر تیار نہ ہوا۔بالآخر خواجہ عبدالصمد پنڈت اور سوپور کی بڑا برادری نے ذمہ داری قبول کر لی حالانکہ اس دوران لوگوں پر بہت خوف طاری تھا۔اسی دوران کرالہ ٹینگ کے غلام رسول بٹ نامی ایک شخص انہیں ضمانت پر اپنے گھر لے گیا لیکن بہت جلد خوفزدہ ہو گیا۔ پھر سونہ واری کے ایک اور شہری نبرلون نے تمام خطرات کے باوجود ان بے سہارا عورتوں کو پناہ دی۔اسی دوران بھارتی فوج نے ہائے ہامہ میں میجر امان اللہ خان کے مکانات اور تمام جائیداد کو آتش کر دی۔جب یہ عورتیں گھر واپس پہنچیں تو رابعہ سیف الدین خان کی ریکس زادیوں کو سر چھپانے کے لئے جگہ نہیں تھی۔آخر ہائے ہامہ کے مشہور سماجی اور سیاسی کارکن رستم علی خان کے برادر اکبر عبدالصمد نے انہیں سہارا دیا۔بعد ازاں وہ اپنے باقی رشتہ داروں کو لے کر واپس آزاد کشمیر چلے گئے لیکن میجر امان اللہ چین سے نہ بیٹھ سکے۔انہوں نے آزاد کشمیر میں دوبارہ ایک مربوط و منظم سیاسی جماعت جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کی بنیاد ڈالی تا کہ جدوجہد آزادی جاری رکھی جا سکے۔لبریشن فرنٹ کے موجودہ چیئرمین امان اللہ خان کو تنظیم کا جنرل سیکریٹری مقرر کیا۔میجر امان اللہ استورا سکردو کے امان اللہ خان کو پہلے سے ہی جانتے تھے۔امان اللہ خان کی ہمشیرہ میجر خان کے خاندان میں بیاہی گئی تھی۔اس لئے میجر خان، امان اللہ خان کی سرگرمیوں اور کشمیر سے وابستگی کو جانتے تھے۔امان اللہ خان نے اپنی تعلیم ہندوارہ اور سرینگر میں حاصل کی تھی۔چوہدری غلام عباس کے ساتھ ان کے مراسم تھے۔اس لئے گرپچوشن کے بعد پاکستان چلے گئے۔میجر امان اللہ کو کشمیر میں تحریک کو زندہ اور فعال بنانے کے لئے ایک سخت جان بہادر اور سیاسی طور سمجھ اور بالغ نظر شخص کی ضرورت محسوس ہوئی۔میجر صاحب کی تجربہ کار نظریں جلد ہی مقبول بٹ پر جم گئیں۔ان دنوں مقبول بٹ پشاور میں رہتے تھے۔انہوں نے خود کو مصروف رکھنے کے لئے پہلے ڈبل ایم اے کیا۔پھر پشاور کے ایک اخبار میں کام کیا۔ لیکن ان کا دل وطن عزیز میں اٹکا ہوا تھا۔وطن کی آزادی کی شدید تڑپ تھی۔اس لئے جلد ہی میجر امان کی تنظیم میں شامل ہو گیا۔ سال 1962ء میں میجر امان اللہ شہید مقبول بٹ، میجر کالے خان، اور طاہر جہانگیر کو لے کر کشمیر میں داخل ہوا اور ضلع کپوارہ کے جنگلوں میں ڈیرے ڈالے اور وادی میں تنظیمی سرگرمیاں شروع کیں۔اس دوران شہید مقبول بٹ وادی کے ہر علاقے میں ایک مسافر کی طرح گھوما، زندہ ضمیر کے ہر دروازے پر دستک دی۔بہت سے نوجوانوں سے رابطہ قائم کیا۔مقبول بٹ خاصا پڑھا لکھا تھا اور ان کی Motivation کی صلاحیت غضب کی تھی۔ان کی دلیل اور خلوص نیت کے ساتھ بڑے بڑے لوگ مطیع ہو جاتے۔اسلام آباد سے ہندوارہ تک انہوں نے ایک بڑا حلقہ بنایا اور حسب ضرورت ہتھیار بھی فراہم کئے۔ 1947ء کے تجربات کی بنیاد پر اس نے کشمیری پنڈتوں کو بھی اعتماد میں لینے کی کوشش کی تا کہ انقلاب کی صورت میں وہ کسی بحران کا شکار نہ ہوں۔پنڈت برادری سے ذاتی رسم و راہ قائم کی۔تحفے تحائف کا تبادلہ بھی کیا۔(از شہید خواجہ عبدالغنی لون)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ابتدائی تیاریوں کے بعد جون ۱۹۶۶ء میں این۔ایل۔ایف کا پہلا مشن مقبوضہ کشمیر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

چلایا گیا۔اس میں میجر امان اللہ خان ،مقبول بٹ ،گلگت کا ایک نوجوان اورنگ زیب اورصوبیدار کالا خان شامل تھے،صوبیدار کالا خان جومظفر آباد کے رہنے والے تھے ۱۹۴۷ء کی جنگ میں اہم خدمات انجام دے چکے تھے ۔طے یہ ہوا تھا کہ مقبول بٹ مقبوضہ کشمیر میں خفیہ طور پر این ۔ایل ۔ایف کو متعارف کرا کر اس کی رکنیت حاصل کریں گے اور لوگوں کو عملی طور پر اس مقصد کیلئے تیار کریں گے۔جبکہ میجر امان اللہ ان کی تربیت کا انتظام کریں گے۔اور اس کے بعد آزاد کشمیر سے اسلحہ مہیا کرنے کی کوشش کی جائے گی ۔تین ماہ تک مقبول بٹ اور ان کے ساتھی مقبوضہ کشمیر میں سرگرم رہے ۔تین ماہ بعد واپسی کے دوران بھارتی خفیہ سروس کا ایک افسر امر چند مقبول بٹ کے ساتھی اورنگ زیب کے ہاتھوں مارا گیا۔تین ماہ تک مقبوضہ کشمیر میں سرگرم رہنے سے بھارتی خفیہ سراغرساں اداروں کو مقبول بٹ اور ان کے رفقاء کی سرگرمیوں کا علم ہوگیا تھا۔مقبول بٹ کو اپنے مقصد میں کافی کامیابی حاصل ہوئی تھی ۔مختلف شہروں میں این۔ایل ۔ایف کی خفیہ شاخیں قائم ہوگئیں تھیں ۔اور لوگ عملاً مقبول بٹ کے تصورات کے مطابق جد وجہد کرنے کیلئے تیار تھے۔اس دوران امر چند کا واقعہ وقوع پذیر ہوا۔امر چند کے قتل کی وجوہات کیا تھیں؟مقبول بٹ کے ایک ساتھی میجر امان اللہ کے مطابق ناگزیر وجوہات کی بنا(جن کی انہوں نے وضاحت نہیں کی)پر امر چند قتل کر دیا گیا ۔بہر حال یہ اس مشن کے ساتھ پیش آنے والا اتفاقی حادثہ تھا جس کا مشن کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔امر چند کے قتل کے فوراً بعد فوج نے وسیع علاقے کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔اور سخت مقابلے کے بعد ان لوگوں کو گرفتار کرلیا گیا ۔اس مقابلے میں گلگت کا نوجوان اورنگ زیب شہید ہوگیا ۔مقبول بٹ ،کالا خان اور میر احمد نامی نوجوان گرفتار ہوگئے ۔غالباً بھارتی خفیہ ایجنسیاں ان لوگوں کی ساری سرگرمیوں سے آگاہ تھیں ۔اس لئے ان کے ساتھ بہت سے لوگ گرفتار کر لئے گئے ۔گرفتاری کے بعد ان لوگوں پر مقدمہ چلایا گیا۔اس سے قبل تفتیش کے دوران ان لوگوں کو شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا ۔مقبول بٹ اور ان کے ساتھی چار پانچ ماہ تک سرینگر کے باغ مہتاب نثر ویشن سنٹر میں رہے ۔ایک کشمیری عبداللہ ڈار کو شدید اذیتیں دے کر وعدہ معاف

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

گواہ بنایا گیا اور اسی بنیاد پر مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں پر غداری، دشمن کا ایجنٹ ہونے اور امر چند کے قتل میں ملوث ہونے کا مقدمہ چلایا گیا۔ مقدمہ نیل کنٹھ گنجو نامی جج کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس مقدمہ کی تفصیلات تو دستیاب نہیں ہیں البتہ بعض لوگوں کی روایت کے مطابق جب اس مقدمہ میں مقبول بٹ کو بیان دینے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اپنے بیان میں تاریخی الفاظ کہے

''میں عدالت کی طرف سے لگائے گئے ہر الزام کو تسلیم کرلوں گا لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ مجھے دشمن کا ایجنٹ نہ کہا جائے بلکہ صرف دشمن کہا جائے۔ میں بھارت کے کسی دشمن کا ایجنٹ نہیں بلکہ صرف اور صرف دشمن ہوں۔ مجھے اچھی طرح پہچان لیں میں ہی اس کا دشمن ہوں''

یہ مقدمہ ڈیڑھ سال تک چلتا رہا اگست ۱۹۶۸ء کو مقدمے کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ فیصلے کے مطابق مقبول بٹ اور ان کے ساتھی میر احمد کلموت اور کالا خان کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ مقبول بٹ نے کٹہرے میں کھڑے ہو کر فیصلہ سنا۔ جب نیل کنٹھ گنجو فیصلہ سنا چکا تو مقبول بٹ نے نہایت اعتماد سے کہا۔ ''جج صاحب ابھی وہ رسی تیار نہیں ہوئی جو مقبول بٹ کو پھانسی دے سکے''۔ فیصلے کے بعد مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں کو اپیل کا حق دیا گیا اور جیل میں ان کو باقی لوگوں سے الگ کر دیا گیا۔ مقبول بٹ نے جیل ہی میں بیٹھ کر خود سزائے موت کے خلاف اپیل تحریر کی۔ اپیل تحریر کرنے کے ساتھ وہ فرار کی منصوبہ بندی بھی کرتے رہے۔ مقبول بٹ نے سرینگر جیل سے فرار کی منصوبہ بندی کس طرح کی؟ وہ جیل سے کیسے فرار ہوئے؟ اور کس طرح دسمبر کی منجمند کر دینے والی سردی میں ہزاروں فٹ برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کو عبور کیا؟ اور آزاد کشمیر پہنچے۔ اس کی روداد انہوں نے خود تحریر کی تھی۔ اور یہ روداد ماہنامہ حکایت لاہور میں ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سنٹرل جیل سری نگر سے فرار

(شہید کی تحریر کردہ رُوداد)

دشمن کی جیل یا فوجی کیمپ سے فرار کی کوشش حریت پسند ہمیشہ کرتے چلے آئے ہیں اور گوریلا سرگرمیوں میں ایسی کوششوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ سرینگر مرکزی جیل سے میرا فرار اتفاقیہ نہیں، ایک مکمل منصوبہ بندی اور نہایت احتیاط سے وضع کیے ہوئے آپریشن کا نتیجہ تھا۔ جب سے میں گرفتار ہوا تھا، فرار کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا ۱۹۶۷ء کے وسط میں، میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس تحریک کے لئے جس میں کام کرنے کی غرض سے پاکستان سے مقبوضہ کشمیر آیا تھا، میرا فرار لازمی ہے۔ این۔ ایل۔ ایف کے عسکری بازو کے سربراہ میجر امان اللہ آزاد کشمیر واپس چلے گئے تھے اور میرا جیل سے نکل کر اس بازو کو منظم کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ پہرے کی سختیوں اور بعض دیگر وجوہ کی بناء پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ فرار میں باہر کے کسی آدمی سے مدد نہ لی جائے۔ اس فیصلے کی بنیادی وجہ یہ خیال تھا کہ اگر ایسی کوئی کوشش ناکام ہو گئی تو میرے ساتھ ساتھ ان حریت پسندوں کو بھی مصیبت میں مبتلا کر دے گی جو جیل سے باہر تھے اور جن سے فرار میں مدد لیتا۔ ۱۹۶۷ کے موسم خزاں میں سکیورٹی سے متعلق بعض افراد جو سری نگر جیل میں تھے، جیل کے اس حصے میں منتقل کر دیئے گئے جس میں ہم بند تھے۔ جیل کے اس حصے کو جہاں ہماری رہائش تھی زنان خانہ کہتے تھے۔ اسے زنانہ جیل بھی کہا جاتا تھا۔ ان پاکستانی قیدیوں میں گل زمان، جاموس خان اور غلام یاسین شامل تھے۔ اول الذکر ۱۹۶۵ کی جنگ میں آزاد علاقے سے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہوئے تھے۔ اور غلام یٰسین مقبوضہ کشمیر میں پاکستان کے لئے جاسوسی کے الزام میں گرفتار تھا۔ ان تینوں کا تعلق آزاد کشمیر سے تھا۔ ان کے آنے سے ہماری تعداد چھ ہو گئی۔ میرے ساتھ پہلے سے صوبیدار کالا خان اور میر احمد قید تھے۔ ہم بیرک کے کمرہ ''اے'' میں رہتے تھے۔ کمرہ ''بی'' کو ہم

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

باورچی خانہ، غسل خانہ اوررات کے لئے بیت الخلاء کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ان دونوں کمروں میں بجلی کے بلب بھی تھے لیکن اس کے باوجود باہر سے ہم پر کڑی نگرانی کی جاتی۔ہر وقت دو سے چار محافظ وہاں موجود ہوتے تھے۔ایک کے پاس مشین گن یا ٹامی گن ہوتی اور تین رائفلوں سے مسلح ہوتے تھے۔یہ محافظ بھارتی فوج کی سیکورٹی سے تعلق رکھتے تھے۔فرار کے لئے ہم نے جو منصوبہ بندی کی اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔جیل حکام اور انتظامیہ کے ساتھ ہمارے تعلقات، محافظ اور پہرے داروں سے سلوک اور بیرک میں ہماری طرز رہائش۔۔۔جہاں تک جیل حکام اور انتظامیہ سے تعلقات کا سوال ہے۔میری پالیسی یہ تھی کہ انہیں یہ احساس دلایا جائے کہ ہم نہایت مہذب اور معقول افراد ہیں۔چنانچہ ان کے سخت ترین ضابطوں پر بھی ہم مسکراتے ہوئے تعاون کرتے اور کسی بھی وقت میں نے یا میرے ساتھیوں نے انہیں یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ ہم جیل کے عام قیدیوں کی طرح انتظامیہ کے لئے کسی قسم کی مشکلات پیدا کرسکتے ہیں۔اگر کسی قسم کی شکایت ہوتی تو میں نہایت معقول طریقے سے ایک کاغذ پر سپرانٹنڈنٹ جیل تک پہنچاتا اور شدید اصرار کے بعد ہم نے منوایا کہ وہ جواب تحریری شکل میں ہم تک پہنچائے۔اس طرح جیل حکام کو ہم سے کسی قسم کی تکلیف یا عدم تعاون کی شکایت پیدا نہ ہوئی۔جیل کے بالائی حکام کے بعد ہم نے زیادہ توجہ نیچے والے سٹاف کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے پر مرکوز کی۔سٹاف میں وارڈن اور نمبردار (پرانے قیدی) خاص طور پر شامل تھے۔اسے ہماری خوش قسمتی سمجھئے کہ ان کی اکثریت مسلمان تھی اور سرکاری ملازم ہونے کے باوجود ہم سے تھوڑی بہت رعایت روا رکھتے تھے۔کبھی کبھار ہمیں ان میں سے ایک آدھ کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع ملتا اور کوئی محافظ نہ سن رہا ہوتا تو ہم واضح کرتے کہ جن باغیانہ سرگرمیوں کی وجہ سے ہمیں گرفتار کیا گیا ہے، ان کا تعلق کسی طور لوٹ مار، چوری یا ڈاکہ زنی سے نہیں۔بلکہ ہم کشمیر کی آزادی چاہتے ہیں اور غریب عوام کی بہتری کے خواہش مند ہیں۔یہ صورت حال سیاسی آزادی کے بعد ہی پیدا ہوسکتی ہے۔چند ماہ کی کوشش سے سٹاف میں سے خاص طور پر ہمیں کچھ ایسے ہمدرد مل گئے جو

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہمارے چھوٹے چھوٹے بے ضرر کام مثلاً عام جیل میں بند دوستوں یا ساتھیوں تک پیغامات پہنچانا وغیرہ بخوشی انجام دینے لگے۔

جہاں تک محافظوں کا تعلق ہے ہم ان سے کسی قسم کی توقع نہ رکھتے تھے۔ کیونکہ وہ باقاعدہ مسلح افواج سے آئے تھے اور اپنا فرض پوری مستعدی سے انجام دیتے تھے۔ البتہ ہم انہیں زیادہ سے زیادہ اطمینان بہم پہنچانے کی کوشش کرتے تھے اور کبھی بھی ایسا موقع نہ دیتے کہ ان کے لئے ہماری نگرانی مشکل ہو۔ نئے آنے والے پہرے داروں کو عموماً یہ تاثر دیا جاتا تھا کہ ہم نہایت خوفناک قسم کے مجرم ہیں۔ چنانچہ ہماری پہلی کوشش یہ ہوتی کہ اس تاثر کو ختم کریں اور انہیں گھنٹے میں ساٹھ منٹ تک مسلسل ہماری حرکات کے معائنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ اس مقصد کے لئے آپس میں اور موقع ملے تو ان سے گفتگو میں ہم یہ ظاہر کرتے کہ ہمارے ذہنوں میں بھارتی فوجیوں کے خلاف کوئی دشمنی نہیں۔ ہم خود باغی، ڈاکو اور لٹیرے نہیں۔ بلکہ سلجھی اور سنبھلی ہوئی فوجی ذہنیت کے سپاہی ہیں۔ تنظیم اور نظم وضبط کے نہ صرف خود پابند ہیں بلکہ اپنے پہرے داروں سے بھی اسی کی توقع کرتے ہیں۔ جب کبھی ان سے بات کا موقع ملتا، میں انہیں یقین دلاتا کہ جہاں تک ان کی ڈیوٹی کا تعلق ہے اور ہم پر عائد شدہ پابندیوں کا سوال ہے ہم ان کے لئے مسئلہ بننے کے بجائے ازخود ان پابندیوں کا اہتمام کریں گے۔ البتہ ہم ان سے مجرموں اور ڈاکوؤں جیسا سلوک نہیں بلکہ اچھے سپاہیوں کے سلوک کی توقع رکھتے ہیں۔ چنانچہ جتنے محافظ بھی آئے ہم نے ہمیشہ انہیں خوش رکھا اور ان کی عزت کی۔ جس کے بدلے میں ہمیں اچھا طرز عمل ملا۔ ہم ہمیشہ اپنے محافظوں کو چائے اور تمباکو پیش کرتے اور اگر چہ وہ انکار کر دیتے تاہم انہیں جواب میں مسکرانا پڑتا۔ ہم جانتے تھے کہ یہ محافظ بھارتی فوج سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے سامنے جیل اور عام ریاستی پولیس کا مضحکہ اڑاتے۔ اس طرح انہیں برتری کا احساس ہوتا۔ باتوں ہی باتوں میں ہم ان کے شائستہ رویے کی تعریف کرتے اور ان کے نظم وضبط کو سراہتے۔ چونکہ ایک صوبیدار میرے ماتحت کام کرتا تھا اس لئے محافظوں نے سمجھا کہ میں کمیشنڈ آفیسر ہوں۔ چنانچہ بھارتی فوج سے تعلق رکھنے والے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سپاہی اورچھوٹے افسر قید میں ہونے کے باوجود فوجی انداز میں میرے لئے مخصوص احترام کا مظاہرہ کرتے ۔ان کومزید متاثر کرنے کے لئے جب بھی ان کا کمانڈر یا بٹالین کمانڈر معائینے کے لئے آتا تو میں اسے ہیلو کہتا۔ اور ایسے مخصوص انداز میں بات چیت کرتا جیسے ایک فوجی افسر دوسرے فوجی افسر سے بات کرتا ہے ۔خواہ اس کا تعلق مخالف فوج سے ہی کیوں نہ ہو۔ایسا کرنے سے باہر کھڑے پہرے داروں پر میں یہ تاثر چھوڑتا کہ میں باغی، ڈاکو یا لٹیرا نہیں بلکہ ایک قابل احترام فوجی افسر ہوں ۔اس کے علاوہ مہینوں تک میں نے اپنے پہرے داروں کی مخصوص عادات اوران کے ذہن کی رفتار کا مشاہدہ کیا ۔ یہ ایک طویل اورصبر آزما کام تھا۔لیکن بہر طور کرنا پڑا۔میرے ساتھ جولوگ تھے ان میں نظم وضبط اور تنظم پیدا کرنے کی ضرورت تھی ۔باہم عزت واحترام، اعتماد اورمحبت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے ہم نے مسلسل کوششیں کیں ۔میں نے ہرقسم کی قصہ گوئی ،اونچی آواز میں ہنسنا ہرکوشیاں ،زورشور کی بحث اوراختلافی مسائل پر گفتگو ممنوع قرار دے دی ۔کیونکہ ان سے آپس میں کشیدگی پیدا ہوسکتی تھی ۔میرے ساتھیوں نے میری درخواست پر عمل کیا اورطریق کار طے پایا کہ جب کبھی ان میں کوئی اختلاف پیدا ہو معاملہ صوبیدار کالا خان کے سامنے پیش کیا جائے اوراگر اس کے فیصلوں سے بھی اختلاف باقی رہ جائے تو معاملہ مجھ تک لایا جائے نیز میرے فیصلوں کو تسلیم کرنا ہوگا۔ایک اورمسئلہ جس پر اختلاف ہوسکتا تھا، وہ کام کاج کی تقسیم کا تھا۔میں نے کھانے پکانے اور کپڑے دھونے کا کام ڈیوٹی کے مطابق تقسیم کردیے۔اس کے علاوہ زنان خانے کے صحن میں چھوٹا سا باغیچہ لگانا شروع کردیا تا کہ بیکار وقت میں ذہن اورجسم کو مایوسانہ خیالات سے محفوظ رکھا جائے ۔روزمرہ ٹائم ٹیبل میں جسمانی ورزش کے لئے ایک گھنٹے کا وقت مقرر کیا گیا ۔شام کو ہم سب گوریلا سرگرمیوں کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے اورہرشخص اپنے سابقہ تجربات دہراتا ۔میں چاہتا تھا کہ ذہنوں میں مایوسی اورقنوطیت پیدا نہ ہو اورحوصلے بلند رہیں ۔جہاں تک فرار کا تعلق ہے ۔میں ان ساتھیوں کو دوسری جنگ عظیم کے دوران دشمن کی قید سے بھاگنے والوں کی داستان سناتا اورکشمیر کے پس منظر میں فرار

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کے مختلف طریقوں پر بحث کرتا۔ ۱۹۶۸ء تک ہم ذہنی طور پر اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ جیل سے فرار ممکن ہے اور چھوٹی چھوٹی مشقیں اور ڈرامے ترتیب دے کر، اپنے خیالات کو عملی جامہ پہناتے ہوئے فرار کے منصوبوں کی کارگردگی کا جائزہ لیتے۔ ہم میں سے کچھ پہرے دار بنتے اور کچھ قیدی۔ اور آپس میں شدید بحثیں ہوتیں کہ مخصوص حالات میں قیدی کیا محسوس کرتا ہے اور پہرے دار کے احساسات کیا ہوتے ہیں۔ شروع میں ہمیں جیل کے عام باورچی خانے سے کھانا ملتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ہمیں دوسری مرتبہ عدالت کے سامنے لایا گیا تو میں نے تحریری درخواست میں کھانے کی خرابی اور برتنوں کے انتہائی گندہ ہونے کی شکایت کی۔ اس کے علاوہ صابن، تیل، کمبل اور چٹائیوں کے بھی ناقص اور کم ہونے کی شکایت بھی کی۔ جج نیل کنٹھ نے وعدہ کیا کہ وہ تحقیقات کرے گا۔ اس نے میری تحریری درخواست پر کچھ لکھ کر جسے میں نہ پڑھ سکا۔ سپرانٹنڈنٹ جیل کو پہنچا دیا۔ اس دن کے بعد ہمیں خشک راشن ملنے لگا۔ اب ہم خود کھانا پکا سکتے تھے۔

بعد ازاں جاموس خان، گل زمان اور غلام یٰسین کو ہمارے احاطے میں بھیج دیا گیا۔ جنہیں سی کلاس ہونے کی وجہ سے تین روپے روزانہ خوراک کے لئے ملتے تھے۔ اس کے علاوہ پانچ روپے ماہوار کپڑوں کا صابن اور سٹیشنری خریدنے کے لئے دیئے جاتے۔ ہر صبح ایک سکھ وارڈن سوداگر سنگھ ہمارے پاس آتا اور کھانے پینے کی چیزوں کے آرڈر لے جاتا، اس کے علاوہ ہمیں انگریزی اخبار ''انڈین ایکسپرس'' اور مقامی اردو اخبار ''آفتاب'' اور سگریٹ بھی دیئے جاتے۔ سردیوں میں ہمیں جلانے اور کمرہ گرم رکھنے کے لئے کوئلہ ملتا تھا، اس کے ساتھ ہمیں لوہے کی بنی ہوئی انگیٹھی دی گئی جس میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھی۔ ان سے بعد میں ہمیں فرار میں بڑی مدد ملی۔ زنان خانہ ایک پرانی عمارت پر مشتمل تھا جس کی دیواروں پر مٹی کی لپائی کے نیچے سامنے کی دیوار پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔ احاطے کی اندرونی دیواریں ایک اینٹ کی موٹائی پر مشتمل تھیں۔ چھت سیمناؤں کی طرح ٹین کی اور مخروطی تھی اور اس کے نیچے لکڑی کی چھت تھی۔ روم ''اے'' میں دو کھڑکیاں اور دروازے تھے۔ ایک دروازہ آنے جانے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ دوسرے میں آہنی سلاخیں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

لگی ہوئی تھیں ۔روم ''بی'' کی دو کھڑکیاں اور لکڑی کا ایک دروازہ تھا ۔کھڑکیوں میں قفل پڑے تھے ۔کھوٹھری مکمل تاریک ہوجاتی تھی ۔کھوٹھری نمبر ۲ سٹور کا کام دیتی تھی ۔اسی میں نا قابل استعمال اور متروک کمبل، لپٹی ہوئی چٹائیاں اور دوسرا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔اس کے دروازے کو لکڑی کے تختوں اور میخوں کی مدد سے بند کر دیا گیا تھا۔روم ''اے'' اور ''بی'' کے فرش پختہ سیمنٹ کے تھے اور کوٹھری نمبر ا کا فرش کچا تھا۔فرش اور دو فٹ کی بلندی تک دیواریں نم اور سیم زدہ تھیں ۔

۲۱/ اگست ۱۹۶۸ء کو جج کے فیصلے کے خلاف میں نے مقبوضہ کشمیر کے چیف جسٹس کے پاس اپیل دائر کی ۔اس کا مضمون تین سو صفحات پر مشتمل تھا اور یہ اپیل میں نے کھوٹھری نمبر ا کے سیم زدہ فرش پر بیٹھ کر لکھوائی تھی ۔ یہ اپیل شہید کا ایک ایسا نایاب نسخہ ہے جسے ہائی کورٹ کے ریکارڈ میں موجود ہونا چاہئے تھا لیکن بسیار تلاش کے بعد بھی اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں ۔ممکن ہے نئے Right of information قانون کے تحت یہ دستاویز حاصل کی جا سکے گی ۔چند روز کے بعد جیل حکام نے میری کوٹھری میں لکڑی کے دروازے کے بجائے لوہے کا دروازہ لگوایا ۔ہمارے مطالبے پر انہوں نے فرش پختہ کرایا اور دیواروں پر سفیدی پھرا دی ۔ہم نے باب کے لئے کہا لیکن یہ کہہ کر انکار کر دیا گیا کہ سزائے موت کے قیدیوں کے لئے اندرونی روشنی کی اجازت نہیں ۔البتہ رات کے وقت ایک بے ہنگم سی لالٹین سلاخ دار دروازے کے باہر جلا کر رکھ دی جاتی ۔جس سے تھوڑی بہت روشنی اندر آجاتی تھی ۔ہماری درخواست پر ٹھیکیدار نے (جس نے دیواروں پر سفیدی کروائی تھی) کوٹھری کی دیوار میں کپڑے اور قرآن حکیم لٹکانے کے لئے چھ انچ لمبا ایک کیل گاڑ دیا ۔دیگر حفاظتی اقدامات سخت کر دئے گئے ۔چونکہ مجھے اور میر احمد کو سزائے موت ملی تھی اس لئے احاطے میں گھومنے اور بیت الخلاء وغیرہ جانے کے دوران ہمیں ہتھکڑیاں لگا دی جاتیں ۔اکتوبر ۱۹۶۸ء میں ہم نے باقاعدہ کام کا آغاز کیا۔ادھر ہائی کورٹ میں اپیل کا مسئلہ چل رہا تھا اور ادھر میں نے آہستہ آہستہ درج ذیل معلومات جمع کر لیں ۔زنان خانہ جیل کی بیرونی دیوار سے صرف آٹھ فٹ کے فاصلے سے شروع ہوتا تھا۔جیل کی بیرونی اور بڑی دیوار سے باہر کھیت تھے جہاں سبزی بوئی جاتی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

تھی اور بے ضرر قیدیوں کو مشقت کے لئے وہاں لے جایا جاتا تھا۔ بیرونی اور بڑی دیوار کے باہر کوئی محافظ نہ تھا۔ فرار کے لئے سردیوں کا موسم بہترین تھا۔ کوٹھری نمبر ۲ جس میں چیزوں کا سٹور تھا جیل کی بیرونی دیوار پر ختم ہوتی تھی۔ اس کوٹھری کی بیرونی دیوار پر سیمنٹ کا پلاسٹر تھا اور اندر کول پتھر اینٹوں اور چونے کے گارے سے چنائی گئی تھی۔ فرش پر اس دیوار کی چوڑائی تین فٹ کے قریب تھی۔ کوٹھری نمبر ۱ (جسمیں ہم رہتے تھے) اور کوٹھری نمبر ۲ (جسمیں سٹور تھا) کے درمیان اینٹوں کی دیوار تھی اور اس دیوار کے دونوں اطراف گارے کا لیپ کیا گیا تھا۔ اکتوبر ۱۹۶۸ء کے آخر میں گل زمان، جاموس خان اور غلام یٰسین نے جو کمرہ ''اے'' میں رہتے تھے۔ جیل حکام سے احتجاج کیا کہ وہ صوبیدار کالا خان کو، جو ان کی فوج کا آفیسر ہے کو ، ہمارے لئے کھانا پکاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ اسمٰعیل نامی ایک کشمیری کو جس پر جیب تراشی اور چوری کے الزامات تھے، ہمارے باورچی کے طور پر بھیجا گیا۔ اس سے میں نے درج ذیل معلومات حاصل کیں۔ اینٹوں کی دیوار توڑنا مشکل کام ہے۔ پتھر کی دیوار میں سے ایک پتھر نکالنا آسان ہے۔ پتھر کی دیواروں میں شگاف کرتے وقت اس مسالے کو توڑنا مشکل ہے جس سے پتھر جوڑے جاتے ہیں۔ میر احمد کے ساتھ مل کر میں نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے ہم کوٹھری نمبر ۱ اور کوٹھری نمبر ۲ کے درمیان مشترکہ دیوار میں شگاف کریں تا کہ بوقت ضرورت ہم میں سے کوئی شخص کوٹھری نمبر ۲ میں جا سکے۔ کوٹھری نمبر ۲ میں پرانے کمبلوں کے ڈھیر کے وسط سے گزر کر بیرونی دیوار تک پہنچا جا سکتا تھا اور اس دیوار میں شگاف ڈال کر ہم جیل سے باہر نکل سکتے تھے۔ ہمارے اندازے کے مطابق کوٹھری نمبر ۱، اور ۲ کے مابین جو دیوار تھی، اسمیں شگاف ڈالنا ایسا مشکل کام نہ تھا۔ لیکن کوٹھری نمبر ۲ کی بیرونی دیوار کو توڑنا تقریباً ناممکن نظر آتا تھا کیونکہ یہ کوٹھری ہی کی نہیں جیل کی بھی آخری دیوار تھی اور اس دیوار سے باہر جیل کے کھیت شروع ہو جاتے تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ کوٹھری نمبر ۱ اور ۲ کے درمیان کیے جانے والے شگاف کو پہرے داروں کی نظر سے کیونکر چھپایا جائے۔ سردیوں کے آخر میں ہم نے دیکھا کہ کوٹھری کی دیواروں میں نمی اور سیم زیادہ ہو گئی ہے۔ چنانچہ چند کمبل لے کر ہم

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

نے فرش سے لیکر اڑھائی فٹ اوپر تک دیواروں پر لگائے ۔پہرے داروں سے ہم نے کہا کہ نمی سے ہمارے کپڑے خراب ہوتے ہیں۔ننگی دیواروں سے سردی بھی اندر آتی ہے۔کمبل لگانے سے جگہ گرم ہوجائے گی ۔پہرے داروں نے اس پر اعتراض نہ کیا اور اسے معمول کے مطابق سمجھا۔ہم جیل سپرانڈنٹ ، کمپنی کمانڈر اور بٹالین کمانڈر کے معمول کے دورے کا انتظار کرنے لگے ۔ان تینوں اصحاب نے دورہ کیا لیکن ان میں سے کسی نے اس تبدیلی پر اعتراض نہیں کیا۔میں نے سپرانڈنٹ جیل سے شکایت کی کہ سخت سردی میں لکڑی کے فریم اور سلاخوں والے دروازے سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔براہ کرم اس کی جگہ بند دروازہ لگادیا جائے ۔جیل سپرانڈنٹ نے وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی اس پر عمل درآمد کروائے گا۔اسی دوران ہم نے اجازت لے لی کہ موجودہ سلاخ دار دروازے پر ایک کمبل لٹکالیں اور صرف اوپر کے حصے کو ایک فٹ کے قریب کھلا چھوڑ دیں تا کہ پہردار اندر جھانک کر دیکھ سکے ۔اور باہر رکھی جانے والی لالٹین کی روشنی اندر آسکے ۔سوداگر سنگھ ہر شام ہمارے لئے اخبار لایا کرتا تھا۔دہلی کے اخبار سرینگر میں بالعموم شام کو ہی پہنچتے تھے اور ہم کو جیل حکام کے سنسر کے بعد رات گئے ملتے ۔اخبار پڑھنے کے بہانے میں دروازے کے پاس کھڑا ہوجاتا اور کمبل کے اوپر کھلے دروازے سے باہر جھانکتا۔اخبار پڑھنے کا مرحلہ دس سے پندرہ منٹ تک مکمل ہوجاتا تھا۔چوبیس گھنٹوں میں دس پندرہ منٹ ایسے ہوتے کہ جن میں کوٹھری کے اندر کوئی کاروائی کی جاسکتی تھی ۔بظاہر میں اخبار پڑھتا رہتا لیکن میری ساری توجہ کا مرکز وہ پہرہ دار ہوتا جو سامنے ڈیوٹی دیتا تھا یہ پندرہ منٹ ہمیں پانچ سے چھ بجے کے درمیان میسر آتے تھے۔

پہلے مرحلے میں ہم نے چوبیس گھنٹوں میں سے میسر آئے ہوئے ان پندرہ بیس منٹ کو غنیمت جانا ۔میر احمد نے چھ انچ لمبے کیل سے جو ہم نے کپڑے لٹکانے کے لئے دیوار میں لگوایا تھا اور جس کی جگہ بعد میں ہم نے چھوٹا سا کیل لگالیا تھا،کوٹھری نمبر ۱ اور کوٹھری نمبر ۲ کی درمیانی دیوار میں شگاف ڈالنے کا کام شروع کردیا تھا۔گارے کے ٹکڑے اور مٹی وغیرہ جو دیوار کھودنے سے برآمد ہوتی اسے چٹائی کے نیچے چھپادیا جاتا تھا۔یہ کام نہایت آہستگی سے کیا جاتا کہ کمبل سے ڈھانپے ہوئے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

دروازے کے دوسری طرف گھومنے والے کسی پہرے دار کو آواز نہ سنائی دے۔اس کے بعد اینٹیں برآمد ہوتیں انہیں ہم نے اپنے تکیے تلے چھپایا ،بعد ازاں جب شگاف بڑا ہوا اور کوٹھری نمبر ۲ میں داخل ہونا ممکن ہوگیا تو اینٹیں ،پلاسٹر ،گارے اور مٹی وغیرہ کو کوٹھری نمبر ۲ میں کمبلوں کے نیچے چھپادیا گیا یہ سارا کام روزانہ پانچ سے دس منٹ تک ہوتا اور وہ بھی اس صورت میں کہ ہمیں انگریزی کا اخبار مل جائے اور میں اسے بظاہر پڑھنے کے بہانے دروازے کے پاس جا کر رکھی ہوئی لالٹین کی روشنی حاصل کرسکوں اور پہرے دار پر نظر رکھ سکوں ۔جب کسی روز اخبار نہیں آتا تو کام بند کرنا پڑتا ۔چنانچہ یہ چھوٹا سا شگاف جس میں سے ایک شخص بمشکل رینگ کر کوٹھری نمبر ۲ میں پہنچ سکتا تھا مکمل کرنے کے لئے ہمیں آٹھ دن لگے ۔چونکہ شگاف کے اوپر کمبل کا پردہ لٹکا ہوتا تھا جو فرش سے اڑھائی فٹ تک کمرے کی چاروں دیواروں پر لگا دیا گیا تھا اس لئے دن میں پہریدار قریب آ کر دروازے کے اوپر جھانکتے تو بھی شک نہ گزرتا۔

نومبر کے دوسرے ہفتے میں ہم نے دوسرے مرحلے پر کام شروع کیا۔اب کوٹھری نمبر ۲ کے کمبلوں میں سے جن کا انبار چھت تک لگا ہوا تھا،کوٹھری کی بیرونی دیوار تک پہنچنے کا راستہ بنایا گیا ۔میں نے میر احمد کو غسل خانے سے بلیڈ لا کر دیا اس نے کمبل کے ایک گھٹے کو کاٹا ۔بہت سے سڑے بسے، لمبے بدبودار کمبل اپنی کوٹھری میں پہنچا دیے گئے ۔ہم نے کمبلوں کو بڑی آہستگی اور ہوشیاری سے اپنے بستروں کے نیچے بچھا لیا۔اوپر سے یہ کمبل دکھائی نہیں دیتے تھے اور ان کے بچھانے سے کمرے کی سطح اتنی بلند نہ ہوئی تھی کہ باہر سے جھانکنے والا کوئی اندازہ قائم کرسکتا ۔اب ہم نے کام کا وقت بدلا۔ہمیں کوٹھری نمبر ا میں کوئی کام نہ تھا۔لہٰذا اخبار پڑھنے والی ترکیب ختم کردی گئی ۔البتہ معمول کے مطابق اخبار لیتے ہی میں دروازے کے پاس چلا جاتا تا کہ کسی کو شک نہ پڑے ۔اب رات کا پچھلا پہر موزوں تھا۔بارہ بجے سے دو بجے تک کا وقت نسبتاً محفوظ ثابت ہوسکتا تھا۔چنانچہ بارہ بجے تک ہم بظاہر سوئے رہتے اور سوا بارہ بجے کے قریب میر احمد دیوار پر لگا ہوا کمبل اٹھا کر رینگتا ہوا کوٹھری نمبر ۲ میں پہنچ جاتا ۔اس دوران وہ اسی شگاف سے کمبل کا ایک گٹھا میرے حوالے کرتا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اور میں اس کے بستر پر کمبلوں کو رول کر کے اس طرح بچھا دیتا کہ وہ ڈمی کا کام دیتے تا کہ کوئی پہریدار قریب آ کر دیکھے تو اسے شک نہ پڑے۔ایک سے دو بجے تک میں مسلسل جاگتا اور میرے کان پہریدار کے قدموں کی چاپ کی طرف لگے رہتے۔بلیڈ اور آہنی کیل ہمارے کل ہتھیار تھے۔اس مرحلے سے گزرنے میں ہمیں آٹھ سے دس روز لگے۔

اگلا مرحلہ بہت مشکل تھا۔اس میں جیل کی بڑی دیوار میں نقب لگانا مقصود تھا۔میر احمد کو اس کام میں بیس سے پچیس دن لگے۔اس مرحلے میں کیل کے علاوہ انگیٹھی سے اکھاڑی ہوئی لوہے کی دس انچ لمبی سلاخ نے ہمیں بہت کام دیا۔سب سے پہلے کیل کے ساتھ بیرونی ٹیپ اکھاڑی جاتی۔پھر پتھر کے اطراف کو لوہے کی بڑی سلاخ سے خالی کیا جاتا۔لکڑی کی ایک چھڑی سے جسے ہم نے ایندھن سے اٹھایا تھا گرتے ہوئے پلاسٹر کو سہارا دیا جاتا۔یہ سارا کام نصف شب کے قریب آدھ پون گھنٹے کے لئے ہوتا۔

یکم یا دو نومبر ۱۹۶۸ء کو ہمارے احاطے کے پہریدار تبدیل ہو گئے۔نئے پہریداروں کا تعلق حسب معمول براہ راست بھارتی فوج سے تھا۔وہ سی۔آر۔پی بٹالین مدراس سے تعلق رکھتے تھے۔سپاہی اور ان کے چھوٹے افسر نوعمر تھے۔وہ اردو تو کیا ہندی بھی پوری طرح نہیں بول سکتے تھے۔یہ لوگ انگریزی پڑھ سکتے تھے یا پھر تامل۔حسب معمول ہم نے انہیں تھوڑے عرصے میں اپنی سنجیدگی، متانت اور وقار کا احساس دلایا۔ان کی باتوں سے میں نے تھوڑی بہت تامل سیکھنی شروع کی۔بے چارے میدانی علاقوں سے آئے تھے اور جنوب کے گرم موسم کی نسبت سرینگر کا یخ برداشت نہ کر سکتے تھے۔شروع میں ہم نے کانگڑیاں پیش کیں۔بعد ازاں انہیں کوئلہ اور بڑی انگیٹھیاں جیل حکام سے مل گئیں۔رات کے وقت چاروں پہرے دار بڑی انگیٹھی میں کوئلہ جلا کر بیٹھ جاتے۔چائے پکاتے اور گپ شپ لڑاتے اور یہ سمجھتے کہ کوٹھریوں کے اندر قیدی سو رہے ہوں گے۔ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ہم اندر کسی اور کام میں مصروف رہتے ہیں۔

۱۷ نومبر ۱۹۶۸ء کو بھارتی وزیر داخلہ مسٹر چاون نے اعلان کیا کہ ''حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ ۱۲

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

نومبر ۱۹۶۸ء کے بعد سزائے موت پانے والے سارے قیدیوں کی باقی سزا کو عمر قید میں بدل دیا جائے گا''۔ قیدیوں کو یہ رعایت مہاتما گاندھی کی بیس سالہ برسی کے موقع پر دی گئی ۔ بھارت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہزارہا سزائے موت پانے والے قیدی اس رعایت کی وجہ سے عمر قیدی بن گئے ۔ چنانچہ اگلے روز جیل سٹاف کے کچھ ممبران ہمیں مبارک باد دینے آئے ۔ محافظ پہریداروں اور جیل حکام کا خیال تھا کہ ہمیں ان کوٹھڑیوں سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا۔ اس صورت حال سے ہم بہت گھبرائے کیونکہ فرار کا تین چوتھائی کام مکمل ہو چکا تھا اور ہم کوٹھری نمبر ۲ کے درمیان اور جیل کی بیرونی دیوار میں دو عدد شگاف ڈال چکے تھے ان کی مٹی اور اینٹیں کوٹھری نمبر ۲ کے کمبلوں کے نیچے جا چکی تھیں۔ کوٹھری نمبر ۲ کے سوراخ کو کمبل کے گھٹے اور کوٹھری نمبر ا کے سوراخ کو دیوار پر لگائے ہوئے کمبلوں سے چھپا دیا گیا تھا۔ ہم نے جیل سٹاف سے کہا کہ ہمارے لیے کسی دوسری جگہ منتقل ہونے اور یہاں رہنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ معلوم ہوا کہ باقاعدہ بھارتی صدر کے سرکاری احکام کے آنے تک ہماری حیثیت سزائے موت کے منتظر قیدیوں کی سی رہے گی ۔ اس کے باوجود ہم پر سختیاں کم کر دی گئیں اور ہمیں باہر لے جاتے وقت ہتھکڑی نہ لگائی جاتی ۔ میں نے سوچا ہمیں فرار میں جلدی کرنی چاہئے ۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں کسی دوسری جگہ تبدیل کر دیا جائے ۔ پہریدار کی گفتگو سے ہمیں اندازہ ہوا کہ جنوبی ہند سے آئے ہوئے یہ پہریدار شمالی ہند کی بالادستی سے خوش نہیں ۔ جب کبھی میں انہیں مدراسی کی خبریں سناتا یا اخبار میں کسی مدراسی لیڈر کا بیان پڑھ کر سناتا تو ان کے چہرے خوشی سے کھل جاتے ۔

نومبر ۱۹۶۸ء میں اسماعیل باورچی کا روم اے کے باسیوں سے جھگڑا ہو گیا ۔ چنانچہ اس نے جیل حکام سے کہہ کر اپنا تبادلہ دوبارہ عام جیل میں کروالیا۔ ہم دونوں کے لئے غلام یٰسین کو کھانا پکانے پر مامور کیا گیا۔ اسی مہینے کے تیسرے ہفتے میں رمضان شروع ہو گیا۔ غلام یٰسین افطار و سحری کے اوقات کے علاوہ نمازوں کے وقت بھی کوٹھری نمبر ا میں آنے لگا ۔ جہاں میں اور میر احمد قید تھے ۔ پہریداروں نے ان غیر معمولی اوقات میں اس کی آمد پر رمضان اور ہمارے مذہبی نظریات کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

پیش نظر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ چنانچہ ہم صبح کی نماز کوٹھری نمبر ا میں پڑھتے ۔بعد ازاں قران مجید سے میں انہیں جہاد کے بارے میں آیات سناتا کہ ان کا حوصلہ بلند رہے ۔پہلے مرحلے میں کوٹھری نمبر ا اور نمبر ۲ کا سوراخ میرے سامنے مکمل ہوا تھا۔دوسرے اور تیسرے مرحلے کا کام میر احمد نے تنہا اور مکمل تاریکی میں انجام دیا تھا۔آخری رپوٹ کے مطابق وہ بیرونی دیوار کا شگاف مکمل کر چکا تھا ۔صرف بیرونی تہہ مصلحتاً چھوڑ دی گئی تھی ،تا کہ بوقت ضرورت اسے توڑا جائے ۔اور وقت سے پہلے باہر سے کوئی شخص دیوار کو ٹوٹا ہوا نہ دیکھ سکے۔بیرونی دیوار دوہری تھی ۔ایک رات میر احمد اس آخری کام کو سر انجام دینے گیا اور رینگتا ہوا واپس آیا تو اس کی سانس پھولی ہوئی اور آنکھوں میں آنسو تھے ۔اس نے افسردہ لہجے میں کہا۔''شاید قدرت کو شاید ہماری آزادی منظور نہیں ۔جیل کی بیرونی دیوار میں ایک پتھر ایسا ہے جو بالکل نہیں ہلتا۔اب کیا کریں؟ نہ اب سرنگ بند کر سکتے ہیں اور نہ اس میں سے فرار ہو سکتے ہیں ۔''میں نے میر احمد کو تسلی دی اور سمجھایا کہ وہ پتھر کے دونوں اطراف کھدائی کا کام جاری رکھے ۔میر احمد کا خیال تھا کہ اس کام میں تین سے چار روز صرف ہونگے ۔اگلے روز یعنی آٹھ اور نو دسمبر کی درمیانی شب میر احمد معمول کے مطابق کام پر گیا اور بڑے پتھر کے ساتھ والے پتھر کو کھودنا شروع کر دیا ۔یہ پتھر نسبتاً چھوٹا تھا۔اس کے ہلتے ہی بڑا پتھر جو ہماری نقب میں رکاوٹ تھا پندرہ منٹ کے اندر اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔میر احمد خوشی خوشی واپس آیا ۔میں کن الفاظ سے بیان کر سکتا ہوں کہ اس کے چہرے پر کس قدر مسرت کے آثار تھے ۔وہ اس قدر جوش میں آیا ہوا تھا کہ مجھ سے لپٹ گیا اور میرا ماتھا چوم لیا۔دو بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے ۔ہم نے دو بجے تک انتظار کیا۔نئے پہریدار آئے اور اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے ۔غلام یٰسین کو کمرہ نمبر ا سے نکالا گیا ۔اور ہمارے پاس پہنچا دیا گیا تا کہ معمول کے مطابق سحری تیار کر سکے ۔اس نے انگیٹھی میں آگ جلائی ۔ہم نے دودھ گرم کر کے پیا۔پھر غلام یٰسین نے دروازے کے پاس جا کر سردی کی شکایت کرتے ہوئے کمبل کو مزید پھیلا دیا۔یہ سری نگر کی سردی تھی جسے آپ تصور میں نہیں لا سکتے ۔پہرے دار بڑی انگیٹھی کے گرد حسب معمول آگ تاپ رہے تھے اور ہماری طرف سے بالکل مطمئن نظر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

آتے تھے۔ہم نے یٰسین کو پروگرام سمجھایا۔میر احمد سب سے پہلے سرنگ میں گھسا۔پھر غلام یٰسین اور بعد ازاں میں۔اس کام میں صرف پندرہ منٹ لگے۔ہمارے کھانے پینے کی چیزوں میں چار روٹیاں مکھن کی دو ٹکیاں تھوڑی سا کھانڈ، ایک پونڈ خشک دودھ، لپٹن ٹی کا ایک پاکٹ، تکیے کے غلاف میں بندھے ہوئے ایک درجن ابلے ہوئے انڈے اور سگریٹ کی ایک ڈبیا موجود تھی۔ میر احمد نے یہ سامان اٹھا رکھا تھا۔یٰسین کے پاس قران مجید اور نظر بندی کے کاغذات اور سری نگر جیل میں میرے مقدمے کی مکمل فائل تھی۔جبکہ میرے پاس دو کمبل تھے۔یہاں ایک لمحے کے لئے رک کر ہم اپنے ساتھیوں کے بارے میں سوچا جو ہمارے ساتھ نہیں آئے تھے۔گزشتہ چند ہفتوں کے دوران جب سے ہم نے اندازے کے مطابق فرار کی تاریخ مقرر کی تھی وہ پہلے متذبذب اور بعد ازاں کھلے بندوں کہنے لگے کہ فرار بہت مشکل ہے۔اور اتنی شدید سردی میں برفپوش پہاڑوں اور وادیوں کو عبور کر کے آزاد کشمیر تک پہنچنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔چنانچہ آخری مرتبہ ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مکمل طور پر انکار کر دیا۔مجھے بہت افسوس ہوا کیونکہ وہ منزل کے قریب پہنچ کر پلٹ جانا چاہتے تھے۔مگر میں نے ان سے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔میں نے بار بار پوچھا وہ کیوں ہچکچا رہے ہیں؟ تو ان کا ایک ہی جواب تھا کہ یہ اقدام خودکشی سے کم نہیں اور ہم کسی طرح جیل سے نکلنے میں کامیاب ہو بھی گئے تو آزاد کشمیر پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔میں نے مناسب یہی سمجھا کہ انہیں مزید پریشان نہ کیا جائے۔ایسا نہ ہو کہ وہ ناراض ہو جائیں یا جذباتی طور پر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکیں اور اس طرح ہمارا بھید کھل جائے۔میں نے کہا ٹھیک ہے آپ ہمارے ساتھ نہیں آنا چاہتے تو نہ سہی لیکن ہم سے اسقدر تعاون ضرور کیجئے کہ اس سلسلے میں آپ کوئی لفظ زبان پر نہ لائیں۔آگے ہم جانیں اور ہمارا کام۔انہوں نے بخوشی اسے قبول کر لیا میں سمجھتا ہوں کہ وہ محض خوف زدہ تھے۔شدید خوف زدہ۔بھاگنے کا موقع آیا تو ان پر خوف کا ایسا شدید غلبہ طاری ہوا کہ وہ اپنے اندر اسکی جرات پیدا نہ کر سکے کہ وہ یہ کام کر سکیں۔

۹ دسمبر ۱۹۶۸ء کو شروع ہوئے دو گھنٹے سے زائد گزر چکے تھے۔رات کے ٹھیک ڈھائی بجے ہم تینوں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

،میں ،میر احمد، اور غلام یٰسین نے دوہری دیوار کی نقب میں داخل ہوکر رینگنا شروع کیا ، چندہی منٹ بعد ہم جیل کی بیرونی دیوار سے باہر سبزیوں کے کھیت میں کھڑے ،سرینگر کی تازہ ہوا میں سانس لے رہے تھے ۔یہ سب کچھ اتنا جلدی ہوا کہ مجھے خود اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں اور سارا جسم کسی آہٹ یا کھٹکے کو محسوس کرنے کے لیے پوری طرح مستعد تھا۔لیکن چاروں طرف سخت سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے پودوں کے سوا کچھ نہ تھا ۔سبزیوں کے کھیت سے گزر کر ہم بادام واری پہاڑی کے دامن کی طرف بڑھے اور پندرہ منٹ کے بعد ایسی نہر پر پہنچے جو جھیل ڈل سے نکلتی ہے ۔اس نہر کو عبور کر کے ہمارے جسم سردی سے اکڑ گئے ۔یہ آزادی کا جذبہ اور ایمان کی حرارت تھی کہ ہم نے سردی کو شکست دی ،ورنہ نارمل حالات میں ٹانگیں بے کار ہونا یقینی تھا۔ہماری دائیں جانب میماون (غالباً یہ زبرون پہاڑی سلسلے کے بارے میں لکھا گیا ہے) پہاڑ کھڑا تھا ،جس کی چوٹی سے ہم اپنی سمت کا اندازہ کر سکتے تھے ۔یہاں ہم نے سڑک چھوڑ دی اور سیب کے باغات میں سے دوسری سمت چلنے لگے ۔ان باغات سے گزر کر ہم تیل بل گاؤں پہنچے ۔اس گاؤں میں باہر نہر میں بے اندازہ مچھلیاں تیر رہی تھی ۔ہم دبے پاؤں وہاں سے گزر رہے ۔پھر بھی ہماری آہٹ سے وہ بدکیں اور پھر شور مچانے لگیں ۔ہم گھبرائے کیونکہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ گاؤں والوں کو یا کسی پہریدار کو ہماری موجودگی کا علم ہوجائے ۔لیکن گاؤں میں کوئی شخص جاگ نہیں رہا تھا۔دسمبر کی شدید سردی میں رات کے تین بجے یوں بھی کسی متنفس کا بلاوجہ گھر سے باہر ملنا ممکن نہ تھا۔اس گاؤں سے گزرنے کے بعد ہم سرینگر سے خاصے فاصلے پر نکل آئے اور اب ہمیں تسلی ہوگئی ۔یہاں علاقہ اسی قسم کا تھا کہ اگر کوئی ہمارا تعاقب کرتا تو ہم باآسانی کچھ دیر کے چھپ سکتے تھے ۔گاؤں سے نکل کر آزاد کشمیر پہنچنے میں ہمیں کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ،کس طرح ہم زندگی اور موت کی کشمکش سے گزرے ،کیونکر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کیا اور کیونکر بالآخر خدا نے ہمیں کامیاب و کامران کیا۔اس داستان کو بیان کرتے وقت میں خاص طور پر احتیاط سے کام لینا چاہتا ہوں ۔بعض ایسے راستوں ،اشخاص

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اور مقامات کا ذکر دانستہ طور پر اس لئے نہیں کروں گا کہ حریت پسندوں کے ہمدردوں کا علم بھارت کو نہ ہو جائے ۔ مجھے احساس تھا کہ جیل سے ہمارے فرار کو دشمن کی حفاظتی افواج اپنے لئے چیلنج تصور کریں گی ۔ ہمیں گرفتار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی ۔ لہٰذا ضروری تھا کہ آزاد کشمیر پہنچنے تک کے سفر کی منصوبہ بندی اس طرح کی جائے جو ہر طرح سے محفوظ ہو ۔ چنانچہ میں نے حسب ذیل پیش بندیاں کیں ۔ مقبوضہ کشمیر میں جن لوگوں سے ہماری رشتہ داریاں تھیں یا جن سے مسلح کاروائیوں کے دوران رابطہ ہوا تھا ، ان سے دور رہا جائے ، کیونکہ یہ بات واضح تھی کہ جیل سے ہمارے فرار کے بعد دشمن کی توجہ سب سے پہلے انہی لوگوں کی طرف ہوگی ۔ اپنے پیچھے اس قسم کا کوئی نشان نہ چھوڑا جائے جس سے دشمن کو ہمارے سفر کی سمت یا ہماری نقل و حرکت کے بارے میں کوئی اشارہ مل سکے ۔ اس قسم کا بھی کوئی نشان نہ چھوڑا جائے جس سے دشمن کو یہ پتہ چل سکے کہ ہمیں کسی بھی جانب سے کوئی بھی امداد ملی ہے ۔ عوام سے رابطے سے گریز کیا جائے اور بہت ہی مجبوری کی حالت میں کسی شخص سے رابطہ کرتے وقت حفاظتی انتظامات کو پیش نظر رکھا جائے ۔ ہمیں امید تھی کہ ہم پانچ میل فی گھنٹہ رفتار سے چل سکیں گے ۔ باوجود اس کے کہ طویل عرصے تک ایک ہی جگہ بیٹھے رہنے سے ایسا کرنا دشوار تھا ۔ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ فرار کے بعد ندی نالے اور جھیلیں عبور کرنے کی کوشش کی جائے تا کہ دشمن اگر تربیت یافتہ کتے استعمال کرے تو تعاقب کو غیر موثر بنایا جا سکے ۔ کیونکہ یہ کتے عام طور پر پانی کے قریب پہنچ کر اپنے شکار یا مفرور کی بو کھو بیٹھتے ہیں ۔ ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ ہمارا سفر دریائے جہلم کے شمالی علاقوں میں سے ہوگا یہ علاقے سرینگر ، گاندربل ، بانڈی پور ، تحصیلوں پر مشتمل ہیں ۔ اس علاقے سے میں ذاتی طور پر واقف تھا اور تمام راستوں کا علم بھی تھا ۔

کسی مفرور کو گرفتار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے گرد ناکہ بندی کی جائے ۔ اس میں عام سڑکوں ، راستوں ، گزرگاہوں ، دریائی گھاٹیوں پر مخصوص دائرے کے اندر حفاظتی اقدام کرنا شامل ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ حفاظتی دستے اس علاقے میں وسیع پیمانے پر مفرور کی تلاش میں کونہ کونہ چھان

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

مارتے ہیں۔اور گھر گھر تلاشی لی جاتی ہے۔اپنے معاملے میں مجھے یقین تھا کہ مقبوضہ کشمیر میں انٹیلی جنس کی تمام مشینری کو حرکت میں لایا جائے گا اور اس طرح سے ہماری گرفتاری کے لئے حفاظتی افواج سے پوری پوری مدد لی جائے گی۔بعد میں ملنے والی اطلاعات سے میری یہ بات سو فیصد درست ثابت ہوئی۔۹ دسمبر ۱۹۶۸ء کو اڑھائی بجے ہم سرینگر جیل سے باہر تھے اور یہ موقع تھا جب ہم طویل مدت کے بعد سرینگر کی کھلی فضا میں سانس لے رہے تھے۔جیل سے ملحق سبزیوں کے کھیت عبور کرنے کے بعد ہم نے کچی دیواریں پھاندتے ہوئے مغرب کی طرف مارچ کیا۔ہم جلدی ہری پربت کے دامن میں پہنچ گئے۔بادام واری کو عبور کرتے ہوئے جیل کو ہم بہت دور پیچھے چھوڑ آئے تھے۔تقریباً پندرہ منٹ بعد جھیل ڈل سے نکلی ہوئی ایک ندی عبور کر کے ہم سرینگر کی ایک مضافاتی بستی کے قریب پہنچ گئے۔بستی کے باسی گہری نیند سوئے ہوئے تھے ہم سرینگر کے قصبے سے ملانے والی سڑک پر پہنچ گئے۔ہماری دائیں جانب کا سلسلہ کوہ جو جھیل کے اس پار کچھ فاصلہ پر تھا رخ متعین کرنے میں ہماری مدد کرتا رہا۔ہم نے سڑک کو ترک کیا اور سیب کے باغات کے بیچ سے اپنا سفر جاری رکھا۔علاقہ چونکہ ناہموار تھا۔کہیں ڈھلوانیں،کہیں گھاٹیاں،کہیں خشک ندی نالے اور کہیں کٹی پھٹی سطح زمین تھی۔چنانچہ ہماری رفتار خاطر خواہ نہ ہو سکی۔تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم نے ایک ٹیلے پر تھوڑی دیر کے لئے آرام کیا۔ایک ایک انڈہ اور پراٹھے کا ایک ایک ٹکڑا کھایا۔چار بج چکے تھے اور ابھی تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔میرے اندازے کے مطابق زنان خانے کے گارڈز کی تبدیلی کا وقت ہو گیا تھا۔ہر دو گھنٹے بعد گارڈ تبدیل ہوتی تھی۔آنے والے گارڈز نے ہمارے سیل میں نظر ڈالی ہوگی اور ہماری غیر موجودگی کی وجہ سے جیل انتظامیہ میں کہرام مچ چکا ہوگا۔

ہم نے کپڑے تبدیل کیے۔میر افرن غلام یٰسین نے پہنا اور اس نے مجھے اپنا شکاری ٹانپ کورٹ دے دیا۔جس میں بڑے بڑے بکسوئے لگے ہوئے تھے اور جس کے ساتھ ٹوپی بھی منسلک تھی۔اس کے ساتھ میں نے ایک پتلون نما گرم پاجامہ پہنا۔کپڑے تبدیل کر کے ہم اس ٹیلے سے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

روانہ ہوئے اور طے شدہ سمت میں سفر جاری رکھا۔تقریباً ۴۵ منٹ بعد ہم تیل بل گاؤں میں پہنچے ۔ہم ایک ندی کے کنارے سفر کر رہے تھے جو ہمیں سیدھا گاؤں کے وسط میں لے گئی۔وہاں سے ایک معلق پل کے ذریعے ندی کو عبور کیا گیا۔گاؤں کی مسلمان آبادی سحری کھانے کے لئے بیدار ہو چکی تھی اور کچھ لوگ ہاتھ منہ دھونے کے لئے ندی کے کنارے آنا شروع ہو گئے تھے۔کشمیر میں عام رواج ہے کہ لوگ وضو کرتے ہوئے کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں۔ہم ندی عبور کر چکے تھے اور ندی کے دوسرے کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آگے کی سمت بڑھ رہے تھے۔ہم نے ایک آدمی کو وضو کرتے اور کلمہ شہادت دہراتے ہوئے دیکھا،لہذا ہمیں رکنا پڑا۔وہ شخص وضو سے فارغ ہو کر ہمارے قریب آیا اور اس نے ہمیں سلام کیا۔میں نے سلام کا جواب دیا۔اس نے سادگی سے سوال کیا کہ ہم کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔میں نے جواب دیا ہم پیچھے ایک گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں اور شال کوٹ جانا چاہتے ہیں،مجھے معلوم تھا کہ شال کوٹ کا گاؤں اسی راستے پر پہاڑی کے اس طرف واقع ہے۔بغیر توقف کیے میں نے مزید کہا ہم اس گاؤں میں پہنچ کر آگے کا راستہ بھول گئے ہیں۔کیا تم ہمیں گاؤں سے باہر کچی سڑک تک لے چلو گے؟"۔

وہ فوراً آمادہ ہو گیا۔چنانچہ ہم تینوں اسکے ساتھ روانہ ہو گئے۔چند منٹ کے اندر ہی ہم گاؤں کے باہر پہنچ گئے اور شال کوٹ جانے والے راستے پر گامزن ہو گئے۔ہمارے رہبر نے کھانے کی پیشکش کی لیکن میں نے جواب دیا کہ ہمیں جلد سے جلد منزل تک پہنچنا ہے۔ہم نے شمال کی طرف پیش قدمی جاری رکھی اور سلسلہ کوہ کے دامن میں پہنچ کر ہم مغرب کی سمت مڑ گئے۔اس وقت تک دن چڑھ آیا تھا لیکن انتہائی سرد موسم کی وجہ سے لوگ گھروں میں ابھی تک لحافوں میں دبکے ہوئے تھے۔ہم نے کچی سڑک پر آگے کی طرف سفر جاری رکھا۔یہاں تک کہ آٹھ بجے کا وقت ہو گیا۔گاؤں کے لوگ اپنے روزمرہ کاموں میں مصروف نظر آنے لگے۔راہ چلتے لوگوں کی نظر سے بچنے کے لئے ہم نے سڑک کو ایک بار پھر خیرباد کہہ دیا اور پہاڑوں کے دامن میں چلنے لگے۔چلتے چلتے ہم ایک اور نہر تک پہنچ گئے۔یہ نہر گاندربل پن بجلی گھر سے نکالی گئی تھی۔کچھ دیر تک ہم نے نہر کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کنارے اپنا سفر جاری رکھا۔اب پہاڑی سلسلہ ہمارے دائیں ہاتھ پر تھا اور بائیں ہاتھ نیچے کی طرف آبادی تھی۔نیز سورج بھی خاصا بلند ہو چکا تھا اسلئے مزید آگے بڑھنا خطرات سے خالی نہ تھا۔چنانچہ دن کو سفر عارضی طور پر موقوف کر دیا گیا۔لیکن چھپنے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش ہمارے لئے ایک مسئلہ بن گیا۔ہم نے نہر کا کنارہ چھوڑ دیا اور اپنے دائیں ہاتھ ایک پہاڑی راستے کی طرف چل دیئے جو ہمیں پہاڑ کی چوٹی تک لے گیا۔یہاں ایک برساتی نالے کے اندر موجود بڑی بڑی چٹانوں کے پیچھے کچھ دیر سستانے کی غرض سے ہم رکے۔اتنے میں ایک شخص جو شکل وصورت سے گجر معلوم ہوتا تھا ہماری طرف آتا دکھائی دیا۔وہ ہمیں دیکھ کر چپ چاپ گزر گیا۔میں نے غلام یٰسین سے کہا کہ اسے واپس بلا کر لاؤ۔یٰسین تیزی سے گیا اور اسے اپنے ساتھ لے آیا۔اس شخص نے سلام کیا اور میں نے سلام کا جواب دیا۔وہ مجھے خاص قسم کے شہری لباس میں دیکھ کر گھبرا گیا۔میں نے اس کا نام سکونت پوچھی۔اس نے اپنے نام نیک محمد بتایا۔اس کا گاؤں نزدیک ہی پہاڑی کے دامن میں تھا۔میں نے اسے تسلی دی کہ ہم کوئی خطرناک لوگ نہیں ہیں۔ہم شکار کی غرض سے اس طرف آئے ہیں۔ہم کچھ دیر آرام کرنا چاہتے ہیں اور کھانے کا کچھ بندوبست بھی۔اس نے بلا حجت اپنی خدمات پیش کر دیں اور ہمیں اپنے گھر لے گیا جو دفر لانگ کے فاصلے پر تھا۔ہم نے کچھ دیر آرام کیا، چائے اور پراٹھے بنوائے۔کھانے کے بعد وہ تقریباً دو گھنٹے تک ہمارے ساتھ گھر میں ہی رہا۔میں نے نیک محمد کو بتایا کہ ہم پہاڑی کو عبور کر کے دوسری طرف وادی میں جانا چاہتے ہیں۔اس نے جنگل کی ایک (پگڈنڈی) کی طرف اشارہ کیا جو ہمیں پہاڑ کی دوسری طرف پہنچائے گی۔اس کی بیوی تھوڑی قدامت پسند واقع ہوئی تھی اور وہ ہمیں رمضان میں کھاتے پیتے دیکھ کر برا مان گئی۔میں نے محسوس کیا وہ ہم سے چھٹکارا چاہتی ہے۔چنانچہ دن کے بارہ بجے ہم وہاں سے رخصت ہو گئے۔نیک محمد جنگل تک کچھ دیر ہمارے ساتھ رہا اور پھر واپس چلا گیا۔ہم نے ایک پہاڑی کی چڑھائی شروع کی۔دو سالہ اسیری کے بعد اس قسم کے تجربے سے دوچار ہوتے ہوئے ہمیں کچھ مشکلات بھی پیش آئیں۔سورج غروب ہونے تک ہم نے اپنا سفر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

جاری رکھا ۔ایک بہت بڑی باہر کی طرف نکلی ہوئی چٹان کے سامنے شب بسری کے لئے پڑاؤ ڈالا گیا ۔شام ہوچکی تھی ،ہم نے کچھ لکڑیاں جمع کیں اور آگ جلا کر اسکے گرد بیٹھ گئے ۔آسمان پر بادل گر آئے تھے ۔کچھ دیر بعد بوندا باندی بھی ہونے لگی تھی لیکن ہم بہت تھک چکے تھے لہذا بے سدھ ہوکر سو رہے ۔۱۰ر دسمبر ۱۹۶۸ء کو رات کے دو بجے میں نیند سے بیدار ہوا اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ برف کی چھ انچ موٹی تہہ ساری زمین کو ڈھانپ چکی ہے ۔اور ابھی برفباری جاری ہے ۔میں نے اپنے ساتھیوں کو بیدار کیا۔ کچھ دیر ہم نے انتظار کیا پھر چائے بنا کر پینے کے بعد دوبارہ چڑھائی شروع کردی گئی ۔برف پر سفر کرنے کے لئے ہمارے پاس مناسب سامان موجود نہ تھا۔برف سے ہمارے پاؤں جلنے لگے اور اوپر چڑھتے ہوئے ہم راستے سے بھٹک گئے ۔چونکہ برف کی چادر نے ہر ایک مقام کو لپیٹ رکھا تھا لہذا ہر جگہ ایک جیسی معلوم ہورہی تھی ۔بہر حال دو گھنٹے کی سخت مشقت کے بعد ہم آخری چوٹی تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ۔ابھی صبح طلوع نہ ہوئی تھی اور شمال کی برفانی ہوا نے ہمیں منجمد کر کے رکھ دیا تھا۔ راستے کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔ اور نہ ہی دور دور تک کسی آبادی یا بستی کے آثار نظر آرہے تھے ۔ہم یہاں کسی صورت میں رک بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ اس طرح ہمارے پاؤں ہمیشہ کے لئے ضائع ہوجاتے (برف سے متاثرہ پاؤں ہمیشہ کے لئے بیکار ہوجایا کرتے ہیں)۔بسیار تلاش کے بعد میں نے ایک غار نما جگہ تلاش کی جو دو متصل چٹانوں کے سرے سے مل جانے کی وجہ سے بن گئی تھی ۔اپنے آپ کو یخ بستہ ہواؤں سے بچانے کے لئے ہم اس غار کے اندر چلے گئے ۔غار میں رکنے کے باوجود پاؤں کو خراب ہونے سے بچانے کے لئے ہم نائم ضائع کرتے رہے اور صبح ہونے کا انتظار کیا جاتا رہا۔ صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ فی الحال آگے بڑھنا بیکار ہے ۔آگے پیش قدمی کی صورت میں ایک وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے جنگل میں بھٹک جانے کا ڈر تھا۔ دوسرے یہ کہ ہمارے پاس غذا بھی ختم ہوچکی تھی ۔چنانچہ ہم نے واپس نیچے کی طرف وادی میں جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اپنے ہی نقش قدم پر چلتے ہوئے ہم تقریباً تین گھنٹے میں اسی جگہ واپس لوٹ آئے جہاں ہم

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

نے آگ جلا کر اپنے جسموں کو حرارت بہم پہنچائی تھی ۔برف باری رک چکی تھی ۔ہم نے اترائی میں سفر جاری رکھا اور دوپہر تک برفانی علاقہ سے نکل آئے ۔ نیچے شفاف فضا میں وادی صاف نظر آرہی تھی ۔ پکی سڑکیں اور بہتی ہوئی ندیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں ۔ نیچے کے میدانوں میں رات کو بارش ہوچکی تھی ۔ہم نے ڈھلوان کی سمت اپنا سفر جاری رکھا اور سہ پہر تک ایک ترائی میں پہنچ گئے جہاں چند گھروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا کشمیری گاؤں نظر آرہا تھا۔ یہ ڈگنی بل تھا ۔میں نے گاؤں کے کنارے ایک الگ تھلگ مکان کو منتخب کیا اور اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا کہ آج ہماری منزل یہی ہوگی ۔ یہ ایک منزلہ گھر تھا جس کی مٹی کی چھت صاحب خانہ کی غربت کی غمازی کررہی تھی ۔ہم جھاڑیوں میں چھپ کر افطار کے وقت کا بے تابی سے انتظار کرنے لگے ۔شام ہوئی اور گاؤں کے لوگ روزہ افطار کرنے کے لئے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ۔ہم نیچے اترے اور غریب دہقان کا دروازہ کھٹکھٹایا ۔ایک شخص نے دروازہ کھولا اور ہم سے ہماری آمد کا مقصد پوچھا ۔میں نے اسے بتایا کہ ہم بہت دور سے پیدل چلے آرہے ہیں اور ابھی ابھی پہاڑ عبور کر کے اس کی طرف آئے ہیں ۔ہم لوگ بارش اور برفباری میں مسلسل سفر کی وجہ سے بہت تھک گئے ہیں کچھ دیر اسکے گھر میں آرام کرنا چاہتے ہیں ۔غریب دیہاتی ہمیں اپنی حیثیت کے لوگ سمجھ کر آتشدان کے قریب لے گیا ۔جب میں نے اس سے یہ بتایا کہ ہم شکاری ہیں تو اس نے ہمیں بغیر دودھ کے نمکین کشمیری چائے پیش کی ۔ہم آرام سے بیٹھ گئے اور گپ شپ شروع کی ۔اتفاق سے ہمارا میزبان چرواہا نکلا ۔اس نے مجھے بتایا کہ کل صبح سحری کے وقت اس نے اپنے پیر صاحب کو خواب میں دیکھا تھا۔پیر صاحب نے اسے ہدایت کی کہ دیکھو آج تمہارے گھر میں کچھ مہمان آرہے ہیں ان کا خاص خیال رکھنا۔بوڑھے چرواہے نے ہماری بڑی خاطر تواضع کی ۔گرم پانی سے ہمارے پاؤں دھلوائے ۔ (کشمیر میں گرم پانی سے مہمان کے پاؤں دھلوانا بہت بڑی عزت خیال کی جاتی ہے اس طرح سفر کی ساری تھکان دور ہوجاتی ہے) ۔اس نے گرمیوں میں خشک کی ہوئی ساگ کی ترکاری اور چاول ہمیں کھانے کے لئے دی ۔رات کو میر احمد اور غلام یٰسین گہری نیند سو گئے ۔لیکن میں اپنے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

میزبان بوڑھے چرواہے سے دیر تک باتیں کرتا رہا۔ وہ بیچارہ مجھے اپنی پریشانیوں کے بارے میں بتاتا رہا۔ تقریباً رات کے دو بجے ہم جاگ گئے۔ ہاتھ منہ دھویا، بوڑھے میزبان کے ساتھ سحری کھائی اور نماز ادا کی۔ مجھے اب اپنے اس عمر رسیدہ محسن کا نام یاد نہیں رہا۔ اتنا یاد ہے کہ وہ گاؤں قصبہ آلس ٹینگ سے شمال مشرق کی جانب چند فرلانگ کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے سرینگر شہر کے لئے پینے کا پانی سپلائی ہوتا ہے۔

۱۱ر دسمبر ۱۹۶۸ء کو ہم تاریکی کے پردے میں غریب چرواہے کی کٹیا سے روانہ ہوئے۔ وہ ہمیں اس راستے تک لے آیا جو سرینگر سے گاندربل جانے والی سڑک تک جاتا تھا۔ ہم نے جنوب کی طرف پیش قدمی جاری رکھی اور گاندربل سے نکلنے والی اپر لیول کینال تک پہنچ گئے۔ وہاں سے ہم دائیں ہاتھ مڑے اور نہر کے کنارے کنارے گاندربل پاور ہاؤس کی طرف چل پڑے۔ ہمارے دائیں ہاتھ سلسلۂ کوہ تھا اور نیچے دور گہرائی میں غریب کسانوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں تھی۔ ہمارے بائیں جانب مکئی کے کھیت تھے جو ان دنوں بالکل خشک تھے۔ اس کے علاوہ سیب کے باغات تھے۔ ہم نے پو پھٹنے تک سفر جاری رکھا۔ اب ہم جس علاقے کی طرف بڑھ رہے تھے اس علاقے میں سخت سرکاری حفاظتی اقدامات وسیع پیمانے پر ہونے کا احتمال تھا۔ گاندربل کا قصبہ پاور اسٹیشن ہونے کے علاوہ علاقے کی انتظامیہ کا مرکز بھی تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ہمارے فرار کے بعد اس علاقے میں سخت اقدامات کیے گئے ہوں گے۔ اس سے ہماری خوش قسمتی سمجھئے کہ اچانک بارش شروع ہوگئی اور سارے علاقے کو کہر کی گہری تہہ نے اس طرح چھپالیا کہ پچاس گز سے زیادہ آگے دیکھنا محال ہوگیا۔ یہ قدرت کی طرف سے ہمارے لیے ایک غیبی امداد تھی۔ ہم نے بارش اور کہر کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور سفر جاری رکھا۔ تقریباً دو گھنٹے مسلسل چلنے کے بعد سیبوں کے ایک باغ کے اندر چلے گئے۔ باغ کے چوکیدار کی جھونپڑی خالی پڑی تھی۔ ہم ایک کھڑکی سے اندر داخل ہوئے۔ اندر بڑی تعداد میں سیبوں کی خالی پیٹیاں موجود تھی کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ہم گاندربل کی طرف سفر دوبارہ شروع کیا۔ اسکے تھوڑی ہی دیر بعد موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ تقریباً دوپہر کے وقت ہم

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

گاندربل کے مضافات میں ملٹی باغ پہنچ گئے۔ یہاں ہم نے کچھ دیر قیام کیا۔ یہاں سیدھا آگے جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ ہمارے سامنے دو متبادل راستے تھے۔ ایک یہ کہ ہم پہاڑ پر چڑھائی شروع کرتے لیکن موسم خراب ہونے کی وجہ سے یہ بہت خطرناک تھا۔ علاوہ ازیں ہمارے پاس راشن ختم ہوگیا تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ہم کوئی پناہ گاہ تلاش کرتے جہاں رات کو روپوش رہا جاسکے۔ اگر ممکن ہو تو اس علاقے کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں تاکہ اس پرخطر علاقے کو رات کی تاریکی میں پار کرسکیں۔ میں نے دوسرے متبادل کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہماری بائیں طرف کے فاصلے پر ایک باغ تھا جسمیں ایک تین منزلہ مکان تھا۔ یہ جگہ گاؤں سے ۵ فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ میں نے اس مکان کو چھپنے کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں بائیں جانب خشک نالے کی گہرائی میں اترتے ہوئے پہنچا۔ اور اپنے ساتھیوں کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ چند لمحوں کے بعد نالے کو چھوڑ کر ایک اونچی ڈھلوان پر چڑھ آئے اور باغ میں داخل ہوگئے۔ ساتھیوں کو رک جانے کا اشارہ کیا اور خود مکان کے آنگن میں پہنچ کر ان کو آواز دی۔ چھوٹی چھوٹی سفید داڑھی والا ایک ساٹھ سالہ بوڑھا سامنے آیا اور کچھ پوچھے بغیر ہی بول اٹھا۔ ''یہ ہمارا رہائشی مکان نہیں ہے۔ ہم وہاں نیچے گاؤں میں رہتے ہیں۔ وہاں چلے جاؤ تمہیں کچھ نہ کچھ مل جائے گا''۔ بوڑھے آدمی نے مجھے کوئی پیشہ ور گداگر سمجھا تھا جو دیہاتی علاقوں میں عام ہوتے ہیں اور ''مسافر'' کہلواتے ہیں۔ یہ مسافر خاص طور پر خزاں کے موسم میں گاؤں گاؤں جاتے ہیں اور صوفی شعراء کا کلام سنا سنا کر خیرات طلب کرتے ہیں۔ یہ خیرات عام طور پر نقد کے بجائے جنس کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہ فن اب ایک پیشے کی صورت اختیار کرگیا ہے۔ جس سے ایک خاص قسم کا تقدس وابستہ ہوگیا ہے۔ جو عام بھکاریوں کے بارے میں بالکل نہیں پایا جاتا۔ کشمیر میں ایسے افراد کو بھی مسافر کے نام سے پکارا جاتا ہے جو دوران سفر موسم کی خرابی، راستوں کی عدم واقفیت یا کسی اور ناگہانی صورتحال سے دوچار ہوجانے کی وجہ سے راستہ بھٹک چکے ہوں۔ ایسے گم کردہ راہ افراد کی خوردنوش سے مدد کرنا اور انہیں پناہ دینا کشمیر کی لوک ریت ہے اور تہذیب کا ایک خاصہ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہے۔میں نے بآواز بلند اس بوڑھے آدمی کو جواب دیا کہ ہم مسافر نہیں ہیں۔اور ہمیں خیرات نہیں چاہیے۔آپ ذرا نیچے آئیں آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ مجھے ٹالنا چاہتا ہے۔یہ محسوس کر کے میں نے دوبارہ کہا'' آپ سوچ کیا رہے ہیں۔جلدی آیئے بہت ضروری معاملہ ہے'' کچھ پس وپیش کے بعد وہ بوڑھا (بعد میں مجھے پتہ چلا کہ اس کا نام احمد راتھر ہے)لوئی لپیٹے دروازہ کھولنے کے لئے نیچے آیا۔میں نے اپنے ساتھیوں کو نزدیک آنے کا اشارہ کیا۔بابا دروازے میں ہی کھڑے کھڑے بات کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے کہا کہ ہمیں کمرے میں لے چلو،اطمینان سے بات کریں گے۔وہ ہمیں کمرے میں لے گیا۔کمرے میں ایک عمر رسیدہ عورت چرخہ کات رہی تھی۔وہ اس کی بیوی تھی۔ہم لوگ دھان کی گھاس سے بنی ہوئی چٹائی (جسے کشمیری زبان میں''پت جی'' کہتے ہیں)پر بیٹھ گئے۔میں کھسک کر بوڑھے کے قریب چلا گیا۔اور بات شروع کی کہ ہم شکار کے سلسلے میں ادھر پہاڑ پر آئے تھے۔ہم نے آج صبح ہی پہاڑ کو واپسی پر عبور کیا ہے اور اب سرینگر جانا چاہتے ہیں۔ہم بارش کے تھمنے تک تمہارے گھر میں آرام کرنا چاہتے ہیں۔اتنی دیر میں ہمارے کپڑے بھی سوکھ جائیں گے۔ہم تمہیں کوئی تکلیف نہیں دیں گے۔ہمیں صرف کانگڑیاں دے دو اور ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔

بابا نے ایک نوجوان لڑکی سے جو قریب ہی کھڑی تھی،کانگڑیاں لانے کو کہا۔لڑکی تھوڑی دیر میں کانگڑیاں لے کر آ گئی۔بوڑھے آدمی کو ہمارے بارے میں کچھ تجسس ہو گیا۔اس نے ہم سے پوچھا کہ ہم لوگ کون ہیں اور کیا کام کرتے ہیں۔میں نے جواب دیا کہ میں ریذیڈنسی روڈ سرینگر میں کاروبار کرتا ہوں اور میری رہائش راج باغ سرینگر کی آفیسر کالونی میں ہے۔(راج باغ سرینگر کی ایک مضافاتی اور جدید بستی ہے)۔میں نے بوڑھے کو بتایا کہ میرے دونوں ساتھی میرے ملازم ہیں۔بوڑھا بظاہر مطمئن نظر آنے لگا لیکن تھوڑی دیر میں کہنے لگا۔'' گاؤں میں ہمارا زمین کی ملکیت کے بارے میں مقدمہ چل رہا ہے جو کہ سرینگر کی عدالت میں ہے۔کیا آپ اس سلسلے میں ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں۔''''کیوں نہیں''میں نے جواب دیا۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

''یہ کوئی اتنا بڑا کام تو نہیں شہر کے تقریباً سارے ہی مجسٹریٹ میرے دوست ہیں۔تم مجھے مقدمے کی نوعیت اور مجسٹریٹ کا نام بتاؤ میں تمہاری مدد کروں گا''

بابا بہت خوش ہوا اور کہنے لگا ''میں ابھی حبیب کو بلاتا ہوں وہ آپکو سب کچھ بتا دے گا''

حبیب راتھر اس کے بیٹے کا نام تھا اور وہی مقدمے کی پیروی بھی کر رہا تھا۔بوڑھے نے پوچھا کہ کیا ہم روزے سے ہیں۔میں نے جواب دیا ''ہم سفر میں تھے اس لئے روزہ نہیں رکھا''بوڑھے نے پوچھا ''آپ ٹیوٹھ (بغیر دودھ چائے) پیا پسند کریں گے؟''میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بوڑھے نے لڑکی سے کہا کہ سماوار میں ٹیوٹھ (نمکین قہوہ) گرم کرے۔تھوڑی دیر بعد ہم نے گرم گرم ٹیوٹھ کے پیالے پیے۔دراین اثنا بارش تھم چکی تھی، میں نے بوڑھے سے پوچھا کہ گاندربل سے سرینگر جانے والی بسوں کے اوقات کیا ہیں۔بابا نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا کہ ٹرانسپورٹ کا یہاں کوئی مسئلہ نہیں۔ہمیں کسی بھی وقت گاڑی مل سکتی ہے۔لیکن اس نے خواہش ظاہر کی کہ ہم اس کے بیٹے کی آمد تک انتظار کریں۔تا کہ ہمیں ان کے مقدمے کی تفصیلات معلوم ہوسکیں۔میں نے اسکے بیٹے کی واپسی تک رک جانے کی حامی بھر لی اور وقت گزاری کے لئے اس سے باتیں کرنے لگا۔میں نے بسوں کی آمد ورفت کے بارے میں سوال کیا۔اگرچہ بوڑھا ہم سے کچھ مانوس ہو چکا تھا لیکن پھر بھی کچھ محتاط لہجے میں کہنے لگا۔سرینگر کا سفر ان دنوں مصیبت بن گیا ہے۔فوج اور سی۔آر۔پی والوں نے جگہ جگہ چوکیاں قائم کر رکھیں ہیں۔ہر آنے جانے والے کی تلاشی لی جارہی ہے۔حتیٰ کہ برقع پوش خواتین کو بھی بخشا نہیں جاتا۔میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے پوچھا ''ابھی ایک ہفتہ پہلے ہم اِدھر آئے تھے تو کوئی چیکنگ نہ تھی، اب یہ لوگ عوام کو کیوں پریشان کر رہے ہیں''؟

میرے سوال پر بابا نے حیران ہوکر پوچھا ''کیا تمہیں معلوم نہیں''سری نگر جیل سے مجاہد بھاگ نکلے ہیں۔''ہمیں دراصل سرینگر سے نکلے ایک ہفتہ ہوگیا ہے''میں نے حیرانی اور دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے ان مجاہدین کے بارے میں بوڑھے سے سوالات پوچھے۔بوڑھا سنجیدگی سے بولا ''یہ مجاہد

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

بہت عرصے سے جیل میں قید تھے اور ان میں سے کچھ کو موت کی سزا ہو چکی تھی ۔انہوں نے جیل میں سرنگ نکالی اور بھاگ گئے ۔میرا بیٹا حبیب راتھر کل ہی سرینگر سے ہو کر آیا ہے، وہی یہ خبر لایا ہے ۔فوجیوں کے علاوہ سی ۔آئی ۔ڈی والے بھی ان کی تلاش میں ہیں ۔لیکن ابھی تک ان کا کوئی پتہ نہیں چلا ۔''

''بڑی عجیب بات ہے میں نے جواب دیا لیکن اگر یہ صحیح ہے تو وہ بہادر لوگ بڑے قابل تعریف ہیں''۔اس کے بعد ہم ۱۹۶۵ء کے مجاہدوں کے بارے میں باتیں کرنے لگے ۔میں نے یوں ظاہر کیا کہ ۱۹۶۵ء کے مجاہدوں کی میں نے بڑی مدد کی تھی ۔بوڑھا بہت متاثر ہوا۔ میں نے کہا ''سنا ہے کہ ۱۹۶۵ء میں اس علاقے میں کچھ مجاہد (کمانڈو) کاروائیاں کرتے رہے ہیں (حقیقت بھی یہی تھی)۔بابا نے ٹھنڈی سانس لی اور جواب دیا ہاں سنا ہے کچھ مجاہد اس علاقے میں بھی کاروائیاں کرتے رہے اور کچھ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے خود ان کو دیکھا ہے ۔لیکن میں نے کسی کو نہیں دیکھا ۔کاش میں نے ان میں سے کسی کا دیدار کیا ہوتا ''۔میں نے موضوع تبدیل کیا اور بوڑھے سے اس کی زندگی کے متعلق سوال کرنے لگا ۔بوڑھا متوسط طبقے کا ایک کسان تھا اور اپنی جوانی کے دنوں میں پیشہ ور مرکبان تھا ۔کشمیری زبان میں مرکبان ایسے اشخاص کو کہا جاتا ہے جنہوں نے باربرداری کے لئے گھوڑے اور خچر پالے ہوتے ہیں ۔ان کے ذریعے وہ دیہاتی علاقوں میں لوگوں کا سامان ادھر ادھر پہنچاتے ہیں ۔بوڑھا مجھے سرینگر سے گریز ، استور، پونچی اور گلگت تک اپنی باربرداری کی مہمات کی کہانیاں سناتا رہا۔ اس نے بڑے تاسف سے کہا کہ یہ سب گزرے دنوں کی باتیں ہیں ۔اب تو باؤنڈری لائن (سیزفائر لائن) نے ہمارے ملک کو دو حصوں میں بانٹ رکھا ہے ۔اب نہ ہم ادھر سے اُدھر جا سکتے ہیں اور نہ وہ اُدھر سے ادھر آ سکتے ہیں ۔تقریباً ایک گھنٹے کی گفتگو میں میں نے بوڑھے شخص کو اچھی طرح پرکھ لیا تھا ۔میں نے اس سے کہا کہ میں علیحدگی میں اس سے ایک بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں ۔معاملہ بہت اہم ہے ۔بابا رضامند ہو گیا ۔میں اس کو مکان کی تیسری منزل میں ایک کمرے میں لے گیا ۔ہم ایک

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

چٹائی پر بیٹھ گئے ۔میں نے اس سے دریافت کیا" کیا آپ باضو ہیں؟" اس نے اثبات میں جواب دیا۔میں نے جیب سے پنج سورہ نکالا اور اسے کھولا ۔اس نے پہچان لیا کہ قرآن شریف ہے۔اگر چہ وہ پڑھ نہیں سکتا تھا۔اسکے بعد میں نے کہا بابا قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ کہ میں جو کچھ کہوں گا کسی پر ظاہر نہیں کرو گے۔بوڑھے نے بلا حیل وحجت قسم کھائی ۔میں نے بوڑھے کو بتایا کہ جیل سے فرار ہونے والے مجاہد ہم ہی ہیں ۔یہ سنتے ہی اسکے چہرے پر اچانک چمک آئی اور میں نے محسوس کیا کہ اس کے رخسار سرخ ہو گئے ہیں ۔میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا کہ میں نے اس کے چہرے پر کیسے تاثرات دیکھے۔اس کے وجود میں ایک انقلاب آ گیا تھا۔خوشی سے اس کے آنسو چھلک پڑے۔اس نے میرے ہاتھوں کو چوما اور مجھے گلے لگا لیا۔اب ہم اس کے انتہائی معزز مہمان تھے ۔اس نے کھڑے ہوکر مجھے اپنے پیچھے آنے کو کہا اور تقریباً دوڑتا ہوا نیچے جا پہنچا۔ نیچے والی منزل میں پہنچ کر وہ ایک کمرے میں داخل ہوا۔چٹائی بچھائی ،الماری سے صاف ستھرے نئے بستر نکال کر اس پر بچھائے اور مجھے کہنے لگا اپنے ساتھیوں کو اس کمرے میں لے آؤ۔میں نے ایسا ہی کیا۔بوڑھا بڑا پُر جوش تھا۔اس نے اپنی بیوی سے بات کی ۔فوراً ایک مرغ ذبح کر کے ہماری دعوت کا اہتمام کیا گیا۔بغیر دودھ ،نمک والی چائے کے بجائے سماوار میں قہوہ تیار ہونے لگا۔ بوڑھی خاتون بہت مسرور تھی ۔لڑکی کو گاؤں بھیج دیا گیا تا کہ وہ بابا کے بڑے بیٹے حبیب کو بلائے۔ حبیب آیا اور اسکا مجھ سے تعارف کرایا گیا۔حبیب کو بھیج کر نیچے سے کھانا اوپر ہی کو منگوا لیا گیا۔بابا نے حبیب کو تاکید کی کہ کوئی اور اُوپر نہ آنے پائے ۔اس رات کا کھانا بوڑھی خاتون نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا۔مجاہدوں کے لئے کھانا تیار کرتے ہوئے اسے بڑا فخر محسوس ہوا۔رات کے کھانے پر صرف حبیب اور اسکے چھوٹے بھائی کو ساتھ بیٹھنے کی اجازت دی گئی۔عورتوں کو اس طرف آنے کی بالکل اجازت نہ تھی ۔کچھ دیر قبل کے اجنبی مسافر چشم زدن میں اہم ترین شخصیات کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ہمیں آرام پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔شام کو انتہائی پر تکلف کھانا کھلایا گیا۔ وقفے وقفے سے چائے اور قہوہ پیش کیا جاتا رہا۔بابا اور اسکے دونوں بیٹے دیر تک ہم سے گپ شپ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کرتے رہے۔آخر میں، میں نے انہیں کہا کہ آج رات کسی وقت ہمیں اپنی کسی نئی منزل کی طرف روانہ ہونا چاہئے۔حبیب نے پیشکش کی کہ وہ اس غیر محفوظ علاقے سے پار کسی بھی مقام تک ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہے۔اس کے بعد ہم آرام کی نیند سو گئے۔

۱۲دسمبر ۱۹۶۸ء کو رات کے تقریباً ایک بجے ہماری آنکھ کھلی۔بوڑھا بابا پہلے ہی بیدار ہو چکا تھا۔اس نے اپنے بیٹے کو بستر سے اٹھایا۔ہمارے لئے تازہ کھانا تیار کیا گیا۔بابا ہمارے لئے کچھ سیب لے کر آیا ایک تر کھ چاول (تر کھ تقریباً چھ سیر کا ہوتا ہے) اور کچھ پکی روٹیاں ساتھ لے جانے کے لئے ہمیں دی گئیں۔ہم نے کچھ پس وپیش کے بعد یہ تحائف قبول کر لئے۔چاند کی مدھم روشنی میں ہم اس گھر سے روانہ ہوئے۔بابا نے بوجھل دل کے ساتھ ہمیں الوداع کہا اور دعائیں دیں۔حبیب بطور رہبر ہمارے ساتھ چل پڑا۔اس کی مدد سے ہم سیکورٹی کے گھیرے کو نہایت آسانی سے عبور کرتے رہے۔سڑک پار کرنے کے بعد ہم پل سے شمال کی جانب کافی دور نکل گئے۔اندازاً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد حبیب ہمیں ایک ایسے راستے پر ڈال دیا جو ہماری تجویز کردہ اگلی منزل تک جاتا تھا۔شفیق بابا کے گھر سے روانگی سے قبل محاذ رائے شماری کے ایک لیڈر شیخ نذیر (جو کہ شیخ عبداللہ کے بھتیجے ہیں) کے نام ایک خط لکھ چھوڑا تھا جس میں جیل سے فرار میں اپنی کامیابی اور اب تک کے سفر بخیر کی روداد بیان کی گئی تھی۔خط کے آخر میں میں نے یہ گزارش بھی کی کہ وہ حبیب راتھر کی سرینگر والے زمین کے مقدمے میں حتی الامکان اسکی مدد کریں۔شیخ نذیر احمد سے میری ملاقات ایک ساتھی کے ذریعے سرینگر جیل میں ہوئی تھی۔جہاں اتفاق سے وہ بھی ان دنوں محبوس تھے۔سندھ نالے کو عبور کرنے کے بعد ہمارا رخ شمال مشرق میں ایک گھنے جنگل کی طرف تھا۔تاہم ایک گھنٹے کے سفر کے بعد ہم دور نہر تک پہنچ گئے۔یہ ہمارے لئے ایک غیبی امداد ثابت ہوئی۔ہم نے اپنی سمت تبدیل کی اور نہر کے کنارے کنارے روانہ ہو گئے۔کچھ دیر بعد ہم ایک گاؤں میں پہنچے جس کا نام اب یاد نہیں رہا۔نہر گاؤں کے بیچوں گزر کر اس کو دو حصوں میں تقسیم کرتی تھی۔گاؤں کے وسط میں نہر کے قریب ہی ہمیں ایک مسجد نظر آئی۔ہم آگے بڑھے اور مسجد کے حمام

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

میں داخل ہو گئے (کشمیر میں عام طور پر مسجدوں کے ساتھ گرم حمام کا انتظام ہوتا ہے) ہم نے حمام میں غسل کیا اور نفل ادا کئے۔ اس دوران گاؤں کے لوگ مسجد میں آنا شروع ہو گئے تھے۔ ہم نے اپنا سامان اٹھایا اور وہاں سے چل دیئے۔ جنگلات کے سلسلے کو دائیں ہاتھ رکھتے ہوئے ہم نہر کے کنارے کنارے آگے بڑھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد ہم ایک ''رکھ'' میں (جنگلی جانوروں کے لئے محفوظ علاقہ) پہنچ گئے جو موضع بارسو کے قرب وجوار میں تھی۔ رکھ کے بیچ میں سے گزر کر ہم ایک مقام سرینگر بانڈی پورہ روڑ پر پہنچ گئے۔ یہاں سے ہم نے سیدھے بانڈی پورہ کی طرف پیش قدمی کی۔ اور سنبل گاندربل روڑ اور بانڈی پورہ روڑ کے سنگم پر آ گئے۔ ہم سنبل روڑ پر چل پڑے۔ پو پھٹنے لگی تھی، کچھ فاصلہ مزید طے کرنے کے بعد ہم بارسو گاؤں میں پہنچ گئے۔ گاؤں کے آخری سرے پر ایک بغلی گلی سے ایک شخص نمودار ہوا۔ ہمیں دیکھتے ہی اس نے سلام کیا، میں نے سلام کا جواب دیا۔ وہ سحری کے بعد مسجد کی طرف نماز فجر کے لئے جا رہا تھا۔ اس نے پوچھا کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ میں قریبی علاقے کا فارسٹر ہوں اور ہم سنبل جا رہے ہیں۔ سنبل اس علاقے کی تحصیل کا صدر مقام ہے۔ کشمیر میں دیہاتی لوگوں کے لئے محکمہ مال اور محکمہ جنگلات سے تعلق رکھنے والے ملازم ایک کمزوری کی حیثیت رکھتے ہیں اور لوگ ان سے خواہ مخواہ تعلقات بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے ملاقاتی کا نام محمد آخون تھا۔ اس نے نیا نیا مکان بنایا تھا اور اس سے تجارتی لکڑی کی اشد ضرورت تھی۔ اس نے پیشکش کی کہ ہم اس کے گھر جا کر چائے پئیں اور کچھ دیر آرام کریں۔ چونکہ دن چڑھنے ہی والا تھا اور ہمیں یوں بھی کسی پناہ گاہ کی ضرورت تھی اس لئے ہم نے بلا حیل وحجت محمد آخون کی پیشکش قبول کر لی۔

وہ ہمیں اپنے ساتھ لے گیا۔ گلی میں چند قدم چلنے کے بعد ہی ہم اپنے میزبان کے نوتعمیر مکان میں پہنچ گئے۔ چونکہ تعمیر مکمل نہ ہوئی تھی اس لئے وہ ابھی اس میں منتقل نہیں ہوئے تھے۔ محمد آخون کا پرانا رہائشی مکان چند سو گز کے فاصلے پر موجود تھا۔ آخون نے ہمیں اپنا گھر دکھایا، میں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں اسی میں ٹھہرنا چاہئے۔ یہاں سارا گاؤں اور سڑک صاف نظر آتی تھی۔ وہ ہمیں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

دوسری منزل کے ایک کمرے میں لے گیا۔ ہمیں کمرے میں چھوڑ کر آخون اپنے گھر چلا گیا تقریباً نصف گھنٹہ بعد نمکین چائے سے بھرا ہوا سماوار اور چاول کے آٹے کی روٹیاں لے کر واپس آیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ اپنا سامان وغیرہ نہ کھولیں اور چلنے کے لئے تیار رہیں۔ ہم نے اپنے جوتے نہیں اتارے۔ اگر چہ یہ یہاں کے رواج کے مطابق بہت نازیبا حرکت تھی، میں خود کھڑکی کے قریب بیٹھ گیا تا کہ باہر نظر رکھ سکوں۔ جب آخون واپس آیا تو ہمارے اس رویے پر کچھ متعجب ہوا لیکن اس نے اظہار نہیں کیا۔ میں نے چائے پیتے ہوئے اپنے جوتے نہیں کھولے۔ آخر آخون سے رہا نہ گیا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ میں آرام سے کیوں نہیں بیٹھ جاتا۔ جوتے کیوں نہیں اتارتا۔ میں نے اسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ ہم سے غیر ضروری بات نہ کرے کیونکہ ہم تھوڑی ہی دیر میں یہاں سے جانا چاہتے ہیں۔ آخون نے اس بات کو کچھ محسوس کیا اور کہا ''میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا بلکہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ میرے گھر مہمان ہیں، آرام سے بیٹھیں، ورنہ جیسے آپ کی مرضی''۔ میں نے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ سامان کھول دیں اور جوتے اُتار کر آرام سے لیٹ جائیں۔ میں نے جوتے اتارتے ہوئے آخون سے مخاطب ہوا ''اگر تمہیں ہماری خدمت کا اتنا شوق ہے تو ہمیں تمہارا شکر گزار ہونا چاہئے اور تمہاری خواہش کا احترام کرنا چاہئے۔''

آخون بڑا خوش ہوا اور ہم بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ میں نے اس کے خاندان کے بارے میں پوچھا۔ اس کے خاندان میں اس کی بیوی کے علاوہ اسکی ایک جوان بیٹی تھی جسکی حال ہی میں شادی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ مکان کی تعمیر کے لئے اسے کچھ لکڑی لا دوں گا۔ اب دن نکل آیا تھا۔ میں نے آخون سے کہا تھا کہ ہم گاؤں میں کسی بس کا انتظار کریں گے اور یہاں سے سنبل تک بس میں جائیں گے۔ میری نظر ایک سلائی مشین پر پڑی۔ پتہ چلا محمد آخون فالتو وقت میں درزی کا کام کرتا ہے۔ بنیادی طور پر وہ ایک کاشتکار تھا۔ میں نے اس سے سلائی مشین اور قینچی طلب کی۔ قینچی سے میں نے اپنے جیل کے ایک کمبل سے دستانہ کاٹا اور مشین پر اس کی سلائی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کر ڈالی۔ آخون سے دوران گفتگو میں نے معلومات حاصل کیں۔ گاندربل کے بابا احمد راتھر سے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں محمد اخون سے اس کے علاوہ علاقے میں موجود سیکورٹی کی چوکیوں اور گشتی دستوں کے بارے میں بھی پتہ چلا۔ وہ سب اس علاقے میں مفرور مجاہدوں کی تلاش کے لئے پھیلے ہوئے تھے، ہر طرف انہی کا چرچا تھا۔ میں نے محمد آخون کا رویہ ہمدردانہ پایا اور مجاہدوں کے بارے میں اس کے جذبات کا اندازہ کرلیا۔ پھر میں نے اپنے مخصوص طریقہ کے مطابق قرآن شریف پر اس سے حلف لیا اور اس پر اصل حقیقت کھول دی۔ محمد آخون کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ گھر جا کر ہمارے کھانے پینے کا کچھ بندوبست کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے روک دیا۔ میں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اب چونکہ اس پر ہماری اصل حقیقت آشکار ہوچکی ہے اس لئے وہ اس گھر سے باہر نہیں جاسکتا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ ہمارا اصول ہے اور اس بات پر اسے ناراض نہیں ہونا چاہئے۔ تم نے جو چائے پلائی ہے وہی کافی ہے۔ آخون مطمئن تھا اور سارا دن ہمارے ساتھ رُکا رہا۔

اس کا نوجوان داماد صبح ہم سے ملنے آیا۔ آخون نے اسے گھر جا کر ہمارے لئے کھانا وغیرہ پکوانے کے لئے کہا۔ اس نے اپنے داماد کو یہ بھی بتایا کہ وہ سارا دن مہمانوں کے ساتھ ہی رہے گا۔ اس لئے وہ گھر کا خیال رکھے۔ دن بھر ہم اس سے گپ شپ کرتے رہے اور باری باری آرام کرتے رہے۔ آخون نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں کم سے کم اس کی بیٹی کو جو اس کی اکلوتی اولاد ہے، اپنا یعنی مجاہدوں کا دیدار کرنے کی اجازت دوں۔ پہلے میں ٹالتا رہا لیکن جب اس نے زور دیا تو مجھے ماننا پڑا۔ چنانچہ طے یہ ہوا کہ افطار کے وقت وہ کھانا لیکر آئے گی اور ہمیں دیکھے گی۔ میری فرمائش پر آخون اس بات پر راضی ہوگیا کہ وہ سنبل تک ہماری راہنمائی کیلئے ہمارے ساتھ کوئی گائیڈ بھیجے گا۔ مجوزہ گائیڈ ایک ۲۵ سالہ نوجوان تھا جو آخون کا بااعتماد رشتہ دار تھا اور گاؤں میں دکانداری کرتا تھا۔ افطاری سے کچھ دیر قبل آخون مجھ سے اجازت لیکر چلا گیا اور چند منٹ کے بعد ہی وہ اپنے داماد اور بیٹی کے ہمراہ کھانے کے لوازمات اٹھائے واپس آ گیا۔ ہم نے کھانا کھا کر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

انہیں رخصت کیا۔دونوں میاں بیوی ہمیں دیکھ کر انتہائی مسرور ہو رہے تھے۔ وہ اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے لئے ہمارے لئے کچھ فروٹ بھی لے کر آئے تھے۔شام کے وقت آخون گائیڈ کو لیکر آ گیا۔گائیڈ ہم سب سے بغل گیر ہوا۔اسے اس بات کی بہت خوشی تھی کہ وہ ہمارے کسی کام آ رہا ہے۔وہ اپنے ساتھ کچھ سبز چائے،کھانڈ،سگریٹ اور کلچے لایا تھا تا کہ سفر میں ہمارے کام آسکیں۔شام کے سات بجے رات کی تاریکی میں ہم آخون کے گھر سے گائیڈ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔آخون نے گائیڈ کو راستے کے بارے میں کچھ ہدایات بھی دیں۔ہم سُمبل کی طرف جانے والی سڑک پر کچھ دیر چلتے رہے۔پھر سڑک چھوڑ کر مکئی اور دھان کے کھیتوں میں چلنا شروع کر دیا گیا،تاریکی کے باوجود ہم بجلی کے قمقموں کی وجہ سے گاؤں کی پہچان کر سکتے تھے۔تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد میں نے اپنے گائیڈ کو واپس بھیج دیا۔اس نے سُمبل تک ہمارا ساتھ دینے پر اصرار کیا لیکن چونکہ سُمبل قصبہ صاف نظر آ رہا تھا اسی لئے اس کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ تھی۔علاوہ ازیں رات کو دیر تک گھر سے غیر حاضر رہنے کی وجہ سے اس کے گھر والوں کو پریشانی بھی ہوتی۔چنانچہ بادل ناخواستہ وہ واپس لوٹا۔چند منٹ بعد ہم نے اپنی سمت تبدیل کی۔دراصل ہمارا سُمبل جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔یہاں سے ہم نے مغربی سمت ہر سینگر بانڈی پورہ روڑ کے متوازی کھیتوں کے بیچوں بیچ پیش قدمی شروع کی۔ہم گھنٹوں چلتے رہے اور مختلف دیہات کی روشنیوں سے اس بات کا اندازہ کرتے رہے کہ ہم سُمبل سے کافی دور نکل چکے ہیں۔بغیر رکے نصف شب تک چلنے کے بعد ہم مانس بل جھیل کے قریب پہنچے۔دراصل یہ علاقہ دلدلوں اور چھوٹی چھوٹی جھیلوں پر مشتمل ہے۔اور مرغابیوں کے شکاریوں کے لئے جنت کی حیثیت رکھتا ہے۔تقریباً ایک گھنٹے تک ہم جھیل کے پشتوں میں سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈتے رہے لیکن کامیابی نہ ہوئی،ہماری بائیں جانب ایک خاصا بڑا گاؤں نظر آ رہا تھا جیسا کہ دور تک پھیلی ہوئی روشنیوں سے اندازہ ہوتا تھا۔

جب ہم جھیل عبور کرنے میں ناکام رہے تو ہم نے گاؤں کے اندر جا کر کوئی رہبر تلاش کرنے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ہم نے آبادی سے الگ تھلگ دو گھروں کا انتخاب کر لیا، لیکن بدقسمتی سے دونوں گھر غیر آباد تھے۔ کچھ دیر رک کر ہم سوچتے رہے کہ کیا کیا جائے۔ اس دوران اچانک برقی رو فیل ہو جانے سے سارا علاقہ تاریکی میں ڈوب گیا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ گاؤں کے اندر جا کر کوئی گائیڈ تلاش کیا جائے۔ ہم احتیاط سے گاؤں میں داخل ہو گئے اور کتوں سے بچتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ کسی گھر میں آواز دینا بھی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ کیوں کہ اس طرح سارے محلے میں شور مچ جانے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھیں تا کہ پتہ چل سکے کہ کس گھر کے لوگ جاگ رہے ہیں۔ ہم ابھی پہلی گلی میں جا رہے تھے کہ ہم نے ایک کمہار کی دوسری منزل میں سے کسی کی کھانسی کی آواز سنی (کمہار کچی لکڑی کے تختوں سے بنا ہوا گودام ہوتا ہے جس میں کسان سال بھر کا غلہ جمع رکھتے ہیں۔ بعض خوشحال کسان کمہار کے اوپر مہمانوں کے استعمال کے لئے ایک کمرہ بھی بنا لیتے ہیں۔ کمہار رہائشی مکان کے قریب ہی بنایا جاتا ہے اور دونوں کا آنگن ایک ہی ہوتا ہے) میں نے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور چھڑی سے گلی میں کھلنے والی کھڑکی کو کھٹکھٹایا۔ پہلی بار کوئی جواب نہ ملا لیکن دوبارہ کھٹکھٹانے پر اندر سے آواز آئی ''کون ہو؟ اور اس وقت رات گئے کیا چاہتے ہو؟'' شاید وہ ہمیں غیر پسندیدہ لوگ سمجھ رہا تھا۔ میں نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ بھلے آدمی ہم کوئی غیر نہیں ذرا کھڑکی کھولو اور ہماری بات سنو۔ اس نے کھڑکی کھولی اور پوچھا کیا چاہیے۔ میں نے جواب میں نہایت نرمی سے کہا کہ ہم مسافر ہیں، سُمبل سے آئے ہیں اور آگے ایک گاؤں میں جانا ہے، تھکے ہوئے ہیں، کچھ آرام کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے ایک مکان کی طرف اشارہ کیا اور بولا ''وہ گاؤں کی مسجد ہے جاؤ اور جتنی دیر چاہو آرام کر لو''۔ میں نے کہا ''دوست بات یہ ہے کہ ہم مسجد میں جا کر آرام نہیں کر سکتے اگر ایسا ممکن ہوتا تو ہم اتنی رات گئے تمہیں تکلیف نہیں دیتے۔ اس لئے تم نیچے آ کر ہم سے مل لو یا ہمیں اوپر آ کر بات کرنے دو''۔ وہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان تھا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے صحن کی ڈیوڑھی اور کمہار کی سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ ہم صحن میں داخل

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہو گئے اور وہاں سے لکڑی کی سیڑھیاں چڑھ کر کٹہار کے اوپر پہنچ گئے۔نوجوان نے دروازہ کھول کر ہمیں اندر بلالیا۔اس نے لیمپ روشن کر کے ہمیں غور سے دیکھا، اس کے چہرے پر اچانک مسرت کی چمک پیدا ہوئی اور بولا ''اچھا تو یہ آپ لوگ ہیں مجھے آپ کے آنے کی بہت خوشی ہوئی ہے۔میری سمجھ میں اب یہ بات آئی ہے کہ آپ مسجد میں کیوں نہیں جانا چاہتے۔میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ ہی وہ مجاہد ہیں جو جیل سے بھاگے ہیں۔''

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''ہم تمہاری خوش خلقی کے بہت شکر گذار ہیں۔تمہیں کوئی تکلیف نہیں دی جاتی لیکن ہم ایک ایسی مشکل میں پھنس گئے ہیں جو تمہاری مدد کے بغیر حل نہیں ہوسکتی۔ہم جھیل کے اس پار جانا چاہتے ہیں۔کیا تم ہماری مدد کرسکتے ہو؟''اس نے جواب دیا ۔''کیوں نہیں یہ تو بڑی معمولی بات ہے۔اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے لئے اور بھی بہت کچھ کرسکتا ہوں''۔اس کا لہجہ پُر جوش تھا۔اس نے بات جاری رکھی۔''جناب ہم مجاہدوں کے لئے کوئی بھی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں۔لیکن آپ ذرا آرام تو کریں''۔

نوجوان کے کہنے پر ہم بیٹھ گئے۔اس نے روشنی گل کردی، لیکن ہم سے گفتگو جاری رکھی۔وہ مجاہدوں اور ان کی تحریک کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔اس نے ہمیں چھوٹے بھائی کے متعلق بتایا جو کسی کالج میں زیر تعلیم تھا اور جسے ہم سے ملنے کا بہت شوق تھا۔میں نے اس سے کہا کہ وہ تیار ہوجائے کیونکہ وقت تیزی کے ساتھ گزر رہا ہے۔لیکن وہ نہ مانا اور کہنے لگا ''میں آپ کو ایسے کس طرح جانے دوں۔آپ کو تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔سحری قریب ہے آپ سحری میرے ساتھ کھائیں گے۔پھر میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔مجھے اس کی بات ماننی پڑی۔کوئی آدھ گھنٹے بعد وہ اٹھا اور ہمیں رہائشی مکان میں لے گیا۔وہاں اس نے ہمارا تعارف اپنے بھائی سے کروایا۔اس کا بھائی ہم سے مل کر بہت خوش ہوا۔ہم نے گرم پانی سے ہاتھ منہ دھویا سحری میں ہمیں ٹھنڈے چاول اور چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کا سالن کھلایا گیا۔(چھوٹی مچھلیوں کو کشمیری زبان میں گرن کہا جاتا ہے) سحری کے بعد ہم نے سرینگر ریڈیو سے سحری کا پروگرام بھی سنا۔اس کے بعد وہ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

دونوں بھائی ہمارے ساتھ چل پڑے اور ہمیں جھیل کے اس پار پہنچا دیا۔ وہ ہمارے ساتھ مبل بانڈی پورہ روڑ تک آئے۔ میں نے ان سے کہا ''یہاں سے ہم بانڈی پورہ چلے جائیں گے''۔ وہ اس سے آگے تک ہمارا ساتھ دینا چاہتے تھے لیکن میرے اصرار پر واپس مڑ گئے۔ مجھے ان دونوں بھائیوں کے نام یاد نہیں رہے لیکن وہ وگے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

۱۳/دسمبر ۱۹۶۸ء کو ہم تقریباً دو گھنٹے تک ناک کی سیدھ میں چلتے رہے۔ یہاں تک کہ موضع سدرہ کوٹ تک پہنچ گئے۔ اس گاؤں کے لوگ کشمیر کی افسانوی تاریخ میں سادہ لوحی اور کم فہمی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ سویرا ہو چکا تھا۔ مسجدوں میں سے لوگوں کے درود وسلام اور وظیفہ خوانی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

عورتوں کی قطاریں سروں پر گھڑے اٹھائے ہوئے چشموں سے پانی بھرنے کے لئے جا رہی تھیں۔ ہم سدرہ کوٹ سے تیزی سے نکل گئے اور دن کے قیام کے لئے جگہ تلاش کرنے لگے۔ ابھی ہم اسی تلاش میں تھے کہ سورج طلوع ہو گیا۔ سدرہ کوٹ سے میل بھر آگے ہمیں تین چار گھروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی بستی نظر آئی (ایسی جگہ تکیہ کہلاتی ہے)۔ یہ جگہ بانڈی پورہ روڑ کے شمال میں ایک بے آب و گیاہ ٹیلے کے دامن میں واقع تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں یا تو اس بستی میں اپنی پناہ گاہ ٹیلے کے دامن میں واقع کرنی چاہیے یا اس ٹیلے پر کوئی جگہ ڈھونڈنی چاہئے۔ ہم ایک نالے کے بیچ میں سے گزر کر بستی کے آخری مکان تک پہنچے۔ صحن میں داخل ہو کر گھر والوں کو آواز دی۔ ایک نوجوان لڑکا باہر آیا۔ میں نے باقی گھر والوں کے بارے میں استفسار کیا۔ لڑکے نے جواب دیا۔ ''ابا جی ابھی مسجد سے نہیں آئے بس آتے ہی ہونگے''۔ میں نے کہا ہم تمہارے مہمان ہیں۔ اور تمہارے ابا سے ملنا چاہتے ہیں۔ کچھ دیر تمہارے گھر ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ لڑکا بلا تامل ہمیں گھر کے اندر لے گیا۔ میں نے لڑکے کا نام اور اس کے باقی گھر والوں کے بارے میں پوچھا۔ اس کا نام غلام رسول تھا اور وہ طالب علم کی حیثیت سے ابھی پڑھ رہا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد لڑکے کا باپ جس کی عمر چالیس اور پچاس کے بیچ میں تھی مسجد سے واپس آیا۔ آتے ہی لڑکے نے اسے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اجنبی مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ کمرے میں آیا۔ علیک سلیک کے بعد میرے قریب بیٹھ گیا۔ مجھ سے پوچھنے لگا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے اسے بتایا ''ہم شکاری ہیں۔ پہاڑ کی دوسری طرف شکار کھیلنے کے لئے جارہے ہیں۔ فی الوقت ہم اپنے ان ساتھیوں کا انتظار کررہے ہیں جو بندوقیں لے کر پیچھے آرہے ہیں۔'' میرے جواب سے وہ مطمئن ہوگیا اور ہم ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ اس دوران ہم نے شیو بنائی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں سکول ماسٹر ہوں۔ یہ سن کر اس نے مجھے فرمائش کی کہ میں اس کے بیٹے کا امتحان لوں۔ بے چارہ خود تو ان پڑھ تھا لیکن اپنے بیٹے کو بڑے شوق سے تعلیم دلوا رہا تھا۔ میں نے لڑکے کو قریب بلایا اور اس سے کچھ سوالات کئے۔ لڑکا نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ قریب گھنٹہ بھر اس کا امتحان لینے کے بعد میں نے اس کے باپ کو بتایا کہ لڑکا پڑھائی میں کمزور نہیں ہے اور انشاءاللہ امتحان میں کامیاب ہوجائے گا۔ اب اس نے مجھ سے ایک اور فرمائش کر ڈالی کہ اس کی دس سالہ بچی کا بھی امتحان لیا جائے جو ایک مکتب کی طالبہ تھی۔ بچی قرآن شریف لے آئی اور مخصوص کشمیری لہجے میں تلاوت شروع کرنے لگی۔ وہ پڑھائی میں کچھ کمزور تھی اور مجھے بار بار اس کی غلطیوں کی اصلاح کرنی پڑ رہی تھی۔ میری تلاوت پر اس دہقان کو کچھ اچنبھا ہوا۔ اس نے مجھ سے اچانک سوال کیا '' آپ نے یہ قرآت کہاں سیکھی ہے؟'' میں اسکے سوال میں پنہاں اشارے کو سمجھ تو گیا لیکن پھر بھی میں نے اس سے سوال کیا ''تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے؟''۔ اس نے جواب دیا '' آپ کی تلاوت مجھے پرانے وقتوں کی یاد دلاتی ہے جب میں تقسیم سے پہلے نوجوان تھا اور محنت مزدوری کے لئے پنجاب جایا کرتا تھا۔ وہاں کے مولویوں کو میں نے اسی انداز سے قرآن شریف کی تلاوت کرتے سنا تھا۔'' میں نے اسے مطلع کیا کہ مذہبی تعلیم میں نے پنجاب ہی میں حاصل کی ہے۔ پھر میں نے اس کے ماضی کے بارے میں سوالات کیے تو وہ مسرت آمیز لہجے میں پنجاب میں اپنے قیام کے دوران کے تجربات سناتا رہا۔ اس طرح ہماری گفتگو بڑھتے بڑھتے سیاسی معاملات اور آخر کار کشمیر کے اندر مجاہدوں کی سرگرمیوں تک پہنچ گئی۔ اپنے میزبان کی اچھی جانچ پرکھ کے بعد میں نے اپنی حقیقت

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ظاہر کردی ۔ اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور ہماری خدمت میں وہ جو کچھ کرسکتا تھا ، اس نے کیا۔میرے ساتھیوں میں سے باری باری ایک آدمی باہر پہرہ دیتا رہا۔اپنے میزبان سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ بانڈی پورہ کے علاقے میں سخت ناکہ بندی کردی گئی ہے اور ہماری گرفتاری کے لئے ہرطرف چھاپے مارے جارہے ہیں ۔ یہ اطلاعات اتنی پریشان کن تھیں کہ بانڈی پورہ کی طرف جانا ہمیں خطرناک محسوس ہوا۔لہٰذا راستہ تبدیل کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا ۔شام کے وقت میں نے اپنے میزبان سے کسی ایسے گائیڈ کا بندوبست کرنے کے لئے کہا جو ہمیں دریائے جہلم پر کسی ایسے مقام تک راہنمائی کرسکے جہاں سے دریا پار کرکے سوناواری تحصیل میں داخل ہوسکیں ۔اس نے اپنے بیٹے کے ذریعے پڑوس کے گھروں سے تین آدمیوں کو بلایا۔ یہ سب اس کے رشتہ دار اور قابل اعتماد لوگ تھے۔ہماری موجودگی میں اس نے ہمیں درپیش مشکلات سے انہیں آگاہ کیا اور اس سلسلے میں ہماری مدد کرنے کو کہا۔تھوڑی دیر کے بحث وتمہید کے بعد طے پایا کہ موضع چندرگیر تک ہماری رہنمائی کی جائے اور یہاں سے سوناواری کے علاقے میں داخل ہونے کے لئے کچھ بندوبست کیا جائے ۔چندرگیر سے آگے جانے کا بندوبست بھی ہمارے میزبان کے رشتہ داروں کو کرنا تھا۔ ان تینوں میں سے ایک نے جس کا نام غلام محمد خان تھا، ہمارے ساتھ رضاکارانہ طور چلنے کی پیش کش کی ۔رات کا کھانا کھانے کے بعد تقریباً نو بجے ہم روانہ ہوئے ۔کھیتوں کے بیچ میں سے جنوب کی جانب تین گھنٹے کے سفر کے بعد ہم چندرگیر پہنچ گئے ۔غلام محمد خان ہمیں اپنے داماد کے گھر لے گیا اور دو اشخاص سے متعارف کرایا۔ایک کا نام سلام تھا اور دوسرے کا ثناءاللہ شیخ ۔دونوں ہم سے بڑی گرمجوشی سے ملے اور ہماری بڑی خاطر مدارت کی ۔دریا عبور کرنے کی تجویز ملتوی کردی گئی ۔کیونکہ ہمیں بتایا گیا کہ سادہ کپڑوں میں سی ۔آئی ۔ڈی کے کارندے دریا کے گھاٹ پر متعین کیے گئے ہیں ۔ہمیں بتایا گیا کہ دریا پار کرنے کے لئے وقت بھی درکار ہوگا اور مناسب منصوبہ بندی بھی ۔پورے علاقے میں سیکورٹی کے انتظامات بہت سخت تھے، تاہم ہمارے میزبانوں نے ہمیں یقین دلایا کہ اگلی صبح تک کوئی بندوبست ہوجائے گا ۔چنانچہ ان کے مشورے سے ہم نے رات

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کو اسی گھر میں قیام کرنے کا فیصلہ کیا۔ بہر حال میں نے باتوں باتوں میں ان پر واضح کر دیا کہ اگر ہمیں کسی قسم کی شرارت کا شبہ ہوا تو گھر کے مکینوں سمیت گھر کو آگ لگا کر بھسم کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد رات کا باقی حصہ ہم نے باری باری سو کر گزارا۔ ہم تینوں اور محمد خان ایک کمرے میں ٹھہرے اور دوسرے لوگ دوسرے کمرے میں۔ سحری کے وقت محمد خان ایک کمرے میں ٹھہرے اور دوسرے لوگ دوسرے کمرے میں۔ سحری کے وقت محمد خان نے ہم سے اجازت چاہی اور جاتے وقت وہ کہہ گیا کہ وہ کچھ معلومات حاصل کرنے کے بعد دوپہر کو واپس آجائے گا۔

۱۴ر دسمبر ۱۹۶۸ء کو ثناء اللہ نے ہمیں ایک ٹرانسسٹر لا کر دیا۔ ہم اپنی پسند کے پروگرام سنتے رہے۔ اس کا عمر رسیدہ باپ ہمارے پاس ٹھہرا رہا تا کہ ہمیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو پوری کی جائے۔ صبح کے سات بجے ثناء اللہ نے ہم سے اجازت مانگی۔ تا کہ وہ دفتر میں حاضری دے سکے، اس نے وعدہ کیا کہ جتنا جلد ہو سکا وہ واپس آئے گا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ اس علاقے میں دشمن کی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے ہمیں آگاہ کرے۔ سلام ایک دانشمند اور دلیر قسم کا نوجوان تھا۔ اس نے رضا کارانہ طور پر سوپور تک ہمارے سفر کا ذمہ لیا۔ دن کے دو بجے ثناء اللہ دفتر سے واپس آیا تو وہ اپنے ساتھ ایک اخبار ''روزنامہ آفتاب'' سرینگر سے لے آیا۔ اخبار میں ہمارے جیل سے فرار کے متعلق ایک خبر تھی اور جیل حکام کے خلاف کی گئی کاروائی کا ذکر تھا۔ تھوڑی دیر بعد غلام محمد خان اور سلام بھی آ گئے۔ غلام محمد خان نے علاقے میں ہماری گرفتاری کے لئے سیکورٹی کے انتظامات کی تفصیل بتائی۔ سلام نے ہمارے لئے دریا جہلم میں کشتی کے ذریعے کسی ایسے مقام تک سفر کے انتظامات کر لئے تھے جہاں سے ہم جنگل کے جنگلات سے گذر کر سوپور پہنچ سکیں۔ فیصلہ کیا گیا کہ یہ سفر شام کو شروع کیا جائے۔ جب سفر کے انتظامات مکمل ہو گئے تو میں نے غلام محمد خان کو گھر جانے کی اجازت دے دی۔ شام کے کھانے سے فارغ ہو کر ہم ثناء اللہ اور عبدالسلام کے ہمراہ چندر گیر سے روانہ ہو گئے۔ مغرب کی جانب کوئی میل بھر چلنے کے بعد ہم ایک ایسے گھر میں پہنچے جو بالکل الگ تھلگ تھا۔ اسمیں ایک ماہی گیر رہتا تھا۔ عبدالسلام کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

انتظامات کے مطابق ایک بیس سالہ نوجوان ہمارا منتظر تھا۔ گھر میں ایک عمر رسیدہ عورت نے ہمیں نمکین چائے پیش کی۔ گھر میں اور کوئی متنفس موجود نہ تھا۔ چائے پینے کے بعد ہم پانچوں گھر سے باہر نکل کر ماہی گیر کی رہنمائی میں تقریباً دوسو گز چل کر دریائے جہلم کے کنارے پہنچے۔ رات کو گھمبیر تاریکی میں دریا انتہائی پرسکون اور خاموش، اپنی منزل کی طرف رواں تھا۔ ماہی گیر کی کشتی گھاٹ پر بندھی ہوئی تھی۔ ہم اس میں سوار ہوئے اور لڑکے نے کشتی کھینچنا شروع کیا۔

کوئی میل بھر تک کشتی رانی کے بعد ہم ایک گاؤں کے گھاٹ پر رکے۔ کشتی کو ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ ہمارے سامنے سوناواری کا علاقہ پھیلا ہوا تھا۔ ماہی گیر لڑکے کو وہاں تک ہمارا ساتھ دینا تھا۔ سوناواری پہنچ کر ہم ثناء اللہ اور سلام کو واپس جانے کی اجازت دینے کی پوزیشن میں آجاتے۔ ہم ایک کچی سڑک پر ہو لئے۔ تقریباً تین میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کو تھوڑی دیر آرام کرنے کو کہا۔ آرام کے دوران ہی میں نے عبدالسلام کو نزدیک بلا کر اسے آگاہ کیا کہ میں نے پہلے سے تجویز کردہ راستہ ترک کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اب ہم خشکی کے بجائے جھیل وولر کو کسی مناسب مقام سے عبور کرنے کی کوشش کریں گے۔ جو ہمیں سوپور اور وولر کے درمیان کسی مقام تک پہنچا دے۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ فیصلہ سوپور کے علاقے میں دشمن کے سیکورٹی انتظامات سے بچنے کے لئے کیا ہے۔ کیونکہ سوپور قومی محاذ آزادی کے پلیٹ فارم سے میری کاروائیوں کا خصوصی مرکز رہا ہے۔ میری اس تجویز نے نئی مشکلیں پیدا کر دیں۔ ہم نے ماہی گیر لڑکے کو بلایا اور اس سے مدد چاہی۔ سوناواری سے بانڈی پورہ اور سوپور کی جانب جھیل وولر میں کشتی رانی کو کشمیری زبان میں ''ہارہ تار'' کہا جاتا ہے۔ اس بارے میں تفصیلی معلومات ہمیں ماہی گیر لڑکے سے معلوم ہوئیں۔ اس کے علاوہ ہمیں اس علاقے میں آباد مچھیروں کی بستیوں کے بارے میں پتہ چلا۔ صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد میں نے ''ہارہ تار'' کو نظر انداز کرنے اور کسی اور مقام سے جھیل عبور کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر ہم وہاں سے چل پڑے۔ سیلاب کی روک تھام کے پشتوں کے ساتھ ساتھ ہم آگے بڑھتے گئے۔ جھیل وولر کا کنارہ ہمارے دائیں ہاتھ متوازی چل

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

رہا تھا۔موسم سرما میں وولر کے پانی کی سطح گر جاتی ہے۔جس کے نتیجے میں اراضی کے کئی قطعات جوگرمیوں میں پانی میں ڈوبے رہتے ہیں،باہر نکل آتے ہیں۔پانی سے قریب تر رہنے کے لئے مچھیرے اس علاقے میں عارضی بستیاں قائم کر لیتے ہیں۔جو پانی کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ منتقل ہوتی رہتی ہیں۔رات کے تقریباً دو بجے ہم جھیل وولر کے کنارے ایسی ہی ایک بستی میں پہنچے جس کا نام ''مقدم پار'' تھا۔میں نے ایک منزلہ جھگی نما گھر پر دستک دی۔جھگی میں رہائش پذیر ماہی گیر نے ہمیں غالباً کوئی چور،ڈاکو سمجھ کر دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔بڑی ردوقد کے بعد ہم اسے یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے کہ ہمارے ارادے بالکل خطرناک نہیں ہیں۔چنانچہ دروازہ کھولا گیا اور ہمیں اندر آنے کی اجازت دے دی گئی۔ہم نے ماہی گیر کو اپنی آمد کا مقصد بتاتے ہوئے کہا کہ ہم جھیل کے اس پار جانا چاہتے ہیں۔اس نے کچھ پس وپیش کی۔مگر سلام نے منہ مانگی اُجرت دینے کی پیشکش کی تو وہ آمادہ ہو گیا۔پھر کہنے لگا دن چڑھنے سے پہلے وہ پار جانے کے لئے تیار نہیں۔اس نے ہمیں بتایا کہ جھیل کا پانی صرف صبح کے وقت پرسکون اور کشتی رانی کے قابل ہوتا ہے۔شب وروز کے بقایا اوقات میں جھیل خوفناک لہروں کی زد میں ہوتی ہے۔اس کا مجھے پہلے علم تھا،چنانچہ ہم نے صبح کا انتظار کیا۔ماہی گیر کی بیوی کو جواب تک محوِخواب تھی،بیدار کیا گیا اور اس سے چائے بنانے کے لئے کہا گیا۔اس نے تھوڑی دیر میں چائے بنا کر پیش کر دی۔چائے کی پتی اور چینی ہم نے اسے مہیا کی۔ہم نے چاول کے آٹے سے پکائی ہوئی روٹی کے ساتھ چائے پی لی۔یہ روٹیاں ہم اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ماہی گیر کی بیوی نفسیاتی مریضہ تھی۔اسے وہم تھا کہ اس پر جنوں اور بھوتوں کا سایہ ہے۔چنانچہ جب اسے دورہ پڑتا تو وہ عجیب وغریب حرکات کر کے اور چیخیں مار مار کر پریشان کن صورت حال پیدا کر دیتی۔میں نے قرآن شریف کی چند آیتیں پڑھ کر اس پر دم کیا۔اس کے علاوہ میں نے تھوڑا سا نمک لے کر اس پر آیت کریمہ پڑھ کر دم کیا اور ہدایت کی کہ اس نمک کو تھوڑا سا پانی یا چائے میں حل کر کے روزانہ استعمال کیا کرے۔خدا نے چاہا تو بہت جلد جنوں اور بھوتوں سے نجات مل جائے گی۔اس نے ہمارے آنے کو اپنے لئے خوش قسمتی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سمجھا اور دعائیں دینے لگی۔صبح کے چھ بجے تک ہم مچھیرے کے ساتھ ٹھہرے رہے۔سلام نے اسے اپنی گرہ سے کچھ رقم دی اور ہم کشتی میں سوار ہو گئے۔کشتی میں سوار ہونے سے قبل ہم نے اپنے تینوں ہمدرد ساتھیوں ثناء اللہ،عبدالسلام اور ماہی گیر لڑکے کو الوداع کہا۔ہمیں جھیل عبور کرنے میں تقریباً تین گھنٹے لگے۔اور تقریباً دس بجے ہم نے سنگر کے مقام پر جھیل کے ساحل کو چھولیا۔سنگر اس ٹیلے کا نام ہے جس پر بابا شکرالدین ولی کا مزار ہے۔اس مقام سے زینہ گیر اور سوا واری کا سارا علاقہ نظر آتا ہے۔اور یہیں سے پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جو سوپور اور بانڈی پورہ کی وادیوں کے درمیان دور تک چلا جاتا ہے۔سلسلہ کوہ کے دامن میں پہنچ کر ہم نے اپنا سفر نہر زینہ گیر کے کنارے کنارے جاری رکھا۔تقریباً چار گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم سیبوں کے ایک باغ میں پہنچے اور کچھ دیر آرام کیا۔ہم غروب آفتاب تک یہیں رکے رہے۔میر احمد کو ایک قریبی گاؤں میں بھیجا گیا۔یہاں عبدالرحمان میر نامی ایک ساتھی رہتا تھا،اس سے رابطہ ہوجانے کے بعد ہم تینوں اس کے گھر چلے گئے۔اور رات کا کھانا اس کے گھر کھایا۔یہاں ہم نے ایک سابقہ ساتھی محمد مقبول میر سے رابطہ کیا۔مقبول میر ایک خوشحال کسان تھا اور اس کا کپواڑہ میں کچھ کاروبار بھی تھا۔یہ رات ہم نے اس کے گھر گزاری۔اگلی صبح ہم نے آس پاس کے علاقے سے سیکورٹی کے انتظامات کے بارے میں معلومات کے لئے مقبول میر کو بھیجا۔اس کے علاوہ ہمیں کچھ چائے،چینی اور سگریٹوں کی بھی ضرورت تھی،مقبول میر شام کو مذکورہ اشیاء کے علاوہ ضروری معلومات لے کر واپس آگیا۔عبدالرحمان میر کے ذمے یہاں سے آگے کے سفر کے انتظامات تھے۔یہ ہمارے سفر میں وادی کے اندر آبادی والا آخری علاقہ تھا۔اور یہاں سے سیدھا متارکہ جنگ کے اس پار پہنچا جاسکتا تھا۔چناچہ حالات کے مطابق عبدالرحمان کو پکے ہوئے اور خشک خوردنوش جس میں چاول،آٹا،ستو،کھانڈ،نمک،روٹیاں،آچار اور دیگر اشیاء شامل تھیں کا انتظام کرنا تھا۔ہم نے اس کے علاوہ ایک کلہاڑی،کھانے پکانے کے چند برتن،ایک ٹارچ اور سفر کے لئے گھاس کی چند پولیں حاصل کرلیں۔عبدالرحمان نے ہمیں کچھ گرم پٹیاں اور بھیڑ کی کچھ گرم کھالیں بھی مہیا کیں۔تاکہ برفانی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سفر کے دوران پیروں اور ٹانگوں کو سردی سے محفوظ رکھا جا سکے۔ برفانی علاقوں میں عام جوتے اور جرابیں کام نہیں دیتے۔ چنانچہ دیہاتی لوگ اپنے پاؤں کو اُونی کپڑوں یا بھیڑ کی کھال میں لپیٹ لیتے ہیں اور پھر اس پر گھاس کی پولیں کس لی جاتی ہیں۔ ٹانگوں کو گھٹنوں تک تقریباً چار انچ چوڑی اونی پٹی سے لپیٹ کر رکھا جاتا ہے۔ اس طرح پاؤں برف پر پھسلنے سے محفوظ رہتے ہیں اور برف کے اثرات سے بھی بڑی حد تک بچاؤ ممکن ہو جاتا ہے۔ دن بھر مکمل آرام کرنے کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ عبدالرحمان کے علاوہ دو اور اشخاص نے کچھ فاصلے تک ہمارا ساتھ دیا اور ان کی مدد سے ہم نے دریائے پورو کو ایک کشتی کے ذریعے عبور کیا۔ یہاں سے ہم ایک کچی سڑک پر چلتے ہوئے رفیع آباد کے علاقے سے گزر کر بارہ مولہ شہر کی شمالی جانب پٹزلہ کی حدود میں واقع ایک جنگل کے دامن میں پہنچ گئے۔ عبدالرحمان اور اس کے دوسرے دو ساتھیوں کو دریائے پورو عبور کرنے کے بعد ہم نے واپس بھیج دیا تھا۔ ہم نے طے کر لیا کہ حدمتارکہ جنگ کو قاضی ناگ کے علاقے سے پار کیا جائے۔ اگرچہ راستہ بہت کٹھن تھا لیکن اس کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار بھی تو نہ تھا۔ غلام یٰسین کو اس علاقے اور یہاں کے جنگلات سے کچھ واقفیت تھی۔ وہ ۱۹۶۵ء کی کمانڈو کارروائیوں کے دوران اسی علاقے سے آزاد کشمیر میں داخل ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اس علاقے میں فلک بوس چوٹیاں جن کی اونچائی بعض مقامات پر ۱۴۰۰۰ فٹ تک پہنچتی ہے، عام لوگوں کے لئے دشوار گزار تھیں۔ چنانچہ اس علاقے میں دشمن کی موجودگی کا امکان کم تھا۔ ہمیں یہ بھی معلوم تھا کہ حدمتارکہ جنگ سے ملحق آبادیوں میں ہماری گرفتاری کے لئے بھارتی فوج کے دستے بڑے پیمانے پر گھر گھر چھاپے مار رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ریاستی سی۔ آئی۔ ڈی نے بھارت نواز عناصر خاص طور پر نمبرداروں اور چوکیداروں کو چوکنا کر دیا تھا کہ اگر انہیں خوراک یا پناہ کی تلاش میں کوئی اجنبی سرگرداں ملے فوراً پولیس کو اطلاع دی جائے۔ ریاستی پولیس نے ہماری تصویروں والے بڑے بڑے پوسٹر جگہ جگہ چسپاں کرا دیئے تھے جن میں کسی بھی جگہ ہماری موجودگی کے بارے میں اطلاع دینے والے کیلئے دس ہزار روپے انعام کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ لوگوں کو متنبہ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کیا گیا تھا کہ ہماری کسی بھی قسم کی مدد کرنے والے کو سات سال سزائے قید دی جائے گی ۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۶۸ء کو پنزلہ کے جنگل سے ہم لوگ شمال کی جانب نوگام کی طرف روانہ ہوئے ۔ چونکہ یہاں سے دن کی روشنی میں ہمیں سفر کرنا تھا اسلئے ہم نے حتی الامکان گھنے جنگل کے بیچ میں سے پیش قدمی جاری رکھی ۔ اس پورے سفر کے دوران ہم آبادیوں سے دور دور رہے ۔ ہماری رفتار بہت سست تھی اور ہمیں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑ رہا تھا کہ کسی کی نظر میں نہ آجائیں ۔ ایک دو مقامات پر ہمارا آمنا سامنا کسی راہ رو سے ہوا تو ہم نے فوراً کسی نزدیکی گاؤں کا پتہ پوچھ کر اس سے پیچھا چھڑا دیا ۔ چار بجے کے قریب ہم دودھ کول پہنچے ۔ یہ جگہ نوگام اور حمام مرکوٹ کی وادی کے درمیان ہے ۔ ہم جنگل کی ٹیکری پر چڑھ گئے ۔ ہمارے دائیں جانب نوگام کا نالہ تھا اور بائیں جانب حمام مرکوٹ ۔ نالہ کی چڑھائی آسان تھی اور ہم نے اسے بغیر کسی دقت کے طے کر لیا ۔ ٹیکری کے ساتھ ہم نے سفر جاری رکھا ۔ یہاں تک کہ ہم برفانی علاقے میں داخل ہو گئے ۔ شام پڑتے ہی چیڑھ کے گھنے جنگل میں ہم نے شب بسری کے لئے ایک مقام کا انتخاب کیا ۔ آگ جلائی اور کچھ کھانے کا بندوبست کیا اور رات باری باری سو کر کاٹی ۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۶۸ء کی صبح ہم نے قاضی ناگ گلی کی طرف سفر شروع کیا ۔ یہاں ہم نے اپنے بوٹ اتار لئے اور ان کے بدلے گرم پٹیاں ، بھیڑ کی کھالیں اور پولیں کس لیں ۔ ان کے علاوہ پاؤں کو برف کے اندر دھنسنے سے بچانے کے لئے پولوں کے ساتھ لکڑی کی پٹیاں بھی باندھ لیں ۔ اب ہمارا سفر بہت دشوار مرحلے میں داخل ہو گیا تھا ۔ ہم پہلے جیسی رفتار کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے ۔ برف سب سے بڑی رکاوٹ تھی ، کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں پولو سے باندھی ہوئی چپٹیاں اتارنی پڑیں ۔ تاہم یاسین نے اپنی چپٹیاں بندھی رہنے دیں کیونکہ اسے انکے ساتھ چلنے کا خاصا تجربہ تھا ۔ دو بجے سہ پہر ہم قاضی ناگ گلی کے دامن میں پہنچ گئے ۔ اس جگہ پر پہنچ کر ہم نے اپنا رخ مغرب کی جانب کیا اور گلی کی چڑھائی سے پہلے ہم نے بہک کے ایک کوٹھے میں کچھ آرام کیا (پہاڑی علاقوں میں بکروال گرمیوں کے موسم میں اپنے مویشیوں کو اونچی جگہ پر لے جاتے ہیں ۔ یہ چراگاہیں بہک کہلاتی ہیں اور ان میں عارضی رہائش

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کے لئے کوٹھے تعمیر کیے جاتے ہیں جو سردیوں میں خالی پڑے رہتے ہیں)۔ہم نے یہاں کھانا کھایا اور اس کے بعد گلی پر چڑھنا شروع کیا۔چڑھائی بہت خطرناک تھی کہیں کہیں کمر تک برف میں دھنس جاتے تھے۔اس وجہ سے ہماری رفتار بہت سُست تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ موسم بہت صاف تھا اور سورج پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ہم نے چڑھائی شام تک جاری رکھی۔یہ پہاڑ جنگلات سے بھرا پڑا تھا۔ ہماری اگلی منزل ڈبری ناپ تھی۔دن ڈھلنے کے بعد میرے ساتھی ستانا چاہتے تھے لیکن میں نے ان کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا کیونکہ ہم نے ابھی بہت ہی کم فاصلہ طے کیا تھا اور ہمارے پاس راشن کی مقدار بھی کم ہوتی جارہی تھی۔چنانچہ میں نے اندازہ لگایا کہ اوسطاً زیادہ فاصلہ طے کیے بغیر ہم منزل پر نہیں پہنچ سکیں گے اور راستے ہی میں مرکھپ جائیں گے۔ہم اپنے ساتھ صرف چار دن کیلئے خورد ونوش کا سامان لیکر چلے تھے۔چار میں سے دو دن کی خوراک ختم ہوچکی تھی۔چنانچہ برف پر ستاروں کی کرنوں سے پیدا ہونے والی روشنی میں ہم نے چوٹی کی جانب اپنا سفر جاری رکھا۔تقریباً دو بجے ہم سب ڈبری ناپ سے ایک گز کے فاصلے پر رہ گئے۔یہاں پر ایک چھوٹا سا میدان تھا جس میں کوئی درخت وغیرہ نہ تھا۔خوش قسمتی سے یہاں بھی ہمیں برف میں بنا ہوا ایک کوٹھا مل گیا،ہم اسی میں داخل ہوئے کھانا پکایا اور کھانے کے بعد آرام کی غرض سے سو گئے۔

۱۹/دسمبر ۱۹۶۸ء کی صبح پہلی کرن کے ساتھ ہی ہم نے اپنا سامان اٹھایا۔کوٹھے کو خیرباد کہا اور بلندی کی طرف دوبارہ سفر شروع کردیا۔ہم ڈبری ناپ پر پہنچے تو سورج چمک رہا تھا۔سامنے دور دور تک پھیلی ہوئی برف پوش چوٹیاں چاند کی طرح چمک رہی تھیں۔ڈبری ناپ عبور کرنے کے بعد ہم ایک سطح مرتفع میں آ گئے۔ایسی جگہ کو کشمیری زبان میں ''سنگر مائی'' کہتے ہیں۔صبح دس بجے کا وقت تھا۔ہم ایسے مقام پر تھے جہاں سے تھوڑی دور اور جانے کے بعد وادی ہماری نظروں سے اوجھل ہوجاتی۔ہم تھوڑی دیر کے لئے رک گئے۔میں نے وادی پر آخری نگاہ ڈالی۔سورج ہمارے سر پر تھا۔لیکن جب میں نے وادی پر نگاہ دوڑائی تو مجھے وہاں کچھ نظر نہیں آیا۔کیونکہ اس مقام سے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہزاروں فٹ نیچے گہرے بادلوں نے سارے علاقے کو ڈھانپ رکھا تھا۔ان کی وجہ سے میں اس دلفریب اور حسین وادی کو نہ دیکھ سکا جس کی آزادی کے لئے میں نے اپنی جان کو جوکھم میں ڈال رکھا تھا۔ہم سطح مرتفع سے آگے روانہ ہوئے ۔اب جو سفر درپیش تھا اس میں کہیں ڈھلوانیں تھیں کہیں چھوٹی موٹی چوٹیاں اور کہیں چٹانوں پر سے گزرنا تھا۔خوش قسمتی سے یہ سارا علاقہ دھوپ کی براہ راست زد میں تھا۔موسم صاف ہونے کی وجہ سے رات کی خشکی نے برف کی بالائی سطح کو سخت کر دیا تھا۔اس طرح اب ہمارے لئے برف میں دھنسنے کا خطرہ کم ہو گیا تھا۔دن دو بجے کے قریب ہم سطح مرتفع کے کنارے ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے آزاد کشمیر کی جانب پہاڑی چوٹیوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔اس سطح مرتفع کی بلندی ۱۴۰۰۰ فٹ ہے ۔یہاں سے قاضی ناگ کے کوہستان کے کئی سلسلے اطراف میں پھیلتے ہیں ۔اور ان میں کئی نالے پھوٹ کر دریائے جہلم ،کشن گنگا (نیلم) اور دریائے پورو میں جا گرتے ہیں ۔ان نالوں کی تعداد سات یا نو ہے ۔سطح مرتفع کے آس پاس کا علاقہ جنگلات سے بالکل خالی تھا۔اور ہمارے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اس گنجے پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے شام پڑنے سے پہلے کسی جنگل میں پہنچنا تھا تا کہ رات گزارنے کا کوئی مناسب بندوبست ہو سکے ۔میں نے نیچے نگاہ دوڑائی تو بائیں ہاتھ ایک جنگل قریب تر نظر آیا ہم نے اسکی طرف بڑھنا مناسب سمجھا۔اترائی بہت تیکھی ہونے کی وجہ سے انتہائی دشوار تھی ۔ہم نے سیدھا نیچے جانے کے بجائے قدم جما کر ترچھی سمت میں اترنا شروع کیا۔ہم نے ایک دوسرے کے مابین پندرہ سے بیس گز کا فاصلہ رکھا۔ایک جگہ میر احمد اپنا توازن کھو بیٹھا اور پھسل کر دور تک برف کی سطح پر لڑھکتا چلا گیا۔مجھے وہ منظر اب تک یاد ہے ۔میں اپنی بھاری بھرکم لاٹھی کو برف کے اندر دبا کر اس کے سہارے خود ایک چٹان کی طرح کھڑا ہو گیا تا کہ میر احمد کو سہارا دے سکوں ۔جو کہ میرے پیچھے لڑھکتا چلا آرہا تھا۔بڑی مشکل سے اس خطرناک اترائی کو عبور کر کے ہم ایسے علاقے میں پہنچ گئے جہاں سے ایک نالہ پھوٹ کر گہرائیوں میں جا گرتا تھا۔نالے کے کنارے کنارے ہم تیز رفتاری سے جنگل کی طرف بڑھنے لگے ۔کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم نے ایک کوٹھا تلاش کر لیا۔شام

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

پڑ چکی تھی ۔ جب ہم قریب پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ یہ کوٹھا اصل میں ایک سرحدی چوکی ہے جو ان دنوں موسم سرما کی وجہ سے خالی چھوڑی گئی ہے ۔ہم نے چوکی کی تلاشی لی ۔اس میں سے ہندی میں لکھے ہوئے چند خطوط اور ڈالڈا گھی کے خالی ڈبوں کے سوا کچھ نہیں ملا ۔تاہم ہمیں اندازہ ہو گیا کہ یہ بھارتی فوج کی چوکی ہے اور اب ہم حدمتارکہ جنگ کے قریب آ چکے ہیں ۔جس نالے کے کنارے ہم سفر کر رہے تھے وہ نیچے جا کر مقبوضہ کشمیر کے علاقے اوڑی میں جا گرتا تھا۔ یہاں کچھ کھانا تیار کرنے کے بعد ہم نے آرام کیا تا کہ اگلے دن تازہ دم ہو کر سفر جاری رکھ سکیں ۔

۲۰ دسمبر یعنی صبح ہم نے نالے کو چھوڑ کر مغرب کی جانب پہاڑ کی تیکھی ڈھلوان پر چڑھنا شروع کیا۔ یہ چڑھائی بھی مشقت طلب تھی ۔ایک ایک قدم جما کر برف میں راستہ بنانا پڑتا تھا اور یہ کام باری باری آگے ہو کر کرتے رہے ۔سارے دن کی محنت شاقہ کے باوجود ہم اس روز پہاڑ کی چوٹی پر نہ پہنچ سکے ۔ پہاڑی سفر میں بارہا ایسے ہوتا ہے کہ آپ تھکا دینے والے سفر کے بعد ایک چوٹی پر پہنچ جاتے ہیں تو آگے ایک اور چوٹی سر نکالے کھڑی ہوتی ہے اور یوں یکے بعد دیگرے کئی چوٹیاں آخری سمجھ کر سر کرنی پڑتی ہیں ۔ہم نے پہاڑ کے جنگلات پر مشتمل حصہ غروب آفتاب تک طے کر لیا۔ اور ایک چوٹی پر بڑی سی چٹان کے سائے میں رک کر آرام کرنے لگے ۔ہم نے بھوج پتر کا ایک پودا کاٹا اور آگ جلانے کا بندوبست کیا۔ بھوج پتر کی چھال ہلکے بھورے رنگ کے بہت ہی عمدہ اور کاغذ کی صاف تہوں جیسی ہوتی ہے ۔ہمارے پاس راشن قریب الاختتام تھا ۔چنانچہ ہم نے بچے کھچے چاول ،ستو اور چائے کی پتی کو ایک ساتھ پیس کر ملغوبہ سا تیار کر لیا جو ہمارے سفر کی تھکان کے بعد نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا۔ اگر چہ ہم نے آگ جلا رکھی تھی لیکن شدید سردی کی وجہ سے سو نہ سکے ۔ہم اگر اپنا رخ آگ کی طرف کرتے تو جسم کی پیٹھ کا حصہ یخ بستہ ٹھنڈی ہواؤں سے اکڑنے لگتا اور اگر پیٹھ آگ کی طرف کرتے تو سامنے کا حصہ یخ ٹھنڈی ہواؤں سے سن ہو جاتا ۔بہر حال آگ نے ہمیں اتنا فائدہ ضرور پہنچایا کہ اتنی بلندی پر کھلے آسمان کے نیچے یخ بستہ ہواؤں میں اپنے ہاتھ اور پیر شل ہونے سے بچ گئے ۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

دوسرے دن علی الصبح سورج نکلنے کے بعد ہم نے سفر شروع کیا۔ دوپہر تک ہم سیدھی چڑھائی چڑھتے رہے۔ اسکے بعد شمال مغرب کی طرف رخ موڑ لیا۔ یہاں سے ہمیں ایک گلی کے راستے اس پہاڑ کو عبور کرنا تھا۔ بسا اوقات ہمیں سیدھی ایستادہ چٹانوں پر چڑھنا پڑھتا۔ دو بجے سہ پہر ہم گلی کے دامن میں پہنچ گئے۔ ہم اس سے کہیں پہلے یہاں پہنچ چکے ہوتے اگر راستے میں چھوٹا سا حادثہ پیش نہ آتا۔ دوران سفر ایک جگہ میرا پاؤں پھسل گیا اور میں لڑھکتا ہوا نیچے نالے میں گر پڑا۔ میرے ساتھی افتاں وخیزاں مجھ تک پہنچے اور بڑی مشکل سے مجھے واپس اوپر لے آئے۔ اس حادثے میں میرا ایک ہاتھ چٹان سے لگ کر زخمی ہوگیا۔ لیکن چونکہ یہاں کا درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی کم تھا اس لئے زیادہ خون نہیں بہا۔ ہم نے بلندی کا سفر جاری رکھا حتیٰ کہ ہم اس ٹیکری تک پہنچ گئے جس کو ''ست سری'' کہا جاتا ہے۔ یہاں سے سات نالے پھوٹتے ہیں جو بعد میں پھیل کر کچھ تو آزاد کشمیر میں چلے جاتے ہیں اور کچھ مقبوضہ کشمیر میں۔ ٹیکری پر پہنچ کر ہمیں ایک اور سطح مرتفع کو عبور کرنا پڑا۔ اب ہمیں ایک ڈھلوان درپیش تھی جسے آزاد کشمیر میں چھمب نالہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ نالہ قاضی ناگ کے دھانے سے پھوٹ کر جنوب مغرب کی سمت بہتا ہے۔ اگرچہ اس علاقے سے پہلے کچھ واقفیت نہ تھی۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ ہم آزاد کشمیر کے علاقے میں پہنچ چکے ہیں۔ شام ہونے تک ہم نے نالے کا بے شجر گنجا علاقہ طے کرلیا اور جنگل میں داخل ہو گئے۔ پرتل کے ایک درخت کے نیچے ڈیرہ ڈال کر ہم نے آگ جلائی۔ لیکن ہمارے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ تھا، سوائے سبز چائے کی تھوڑی سی پتی کے۔ ہم نے نمکین چائے تیار کی اور بغیر دودھ کے ایک ایک پیالہ پی کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ تھکے ماندے اور خالی پیٹ ہونے کے باوجود ہم سو گئے۔

۲۲ دسمبر ۱۹۶۸ء کو چھمب نالے کے ساتھ ساتھ ہمارا سفر دوبارہ شروع ہوگیا۔ دوپہر تک ہم نے برفانی علاقہ طے کرلیا اور اطمینان کا سانس لیا۔ ہمارا سفر جنگل کے بیچ چھمب نالے کے کنارے جاری رہا۔ شام ہونے پر نالے کے کنارے ہی ایک سرفلک چٹان کے سائے میں ہم آرام کے لئے ٹھہر گئے۔ برفانی علاقے کو عبور کرنے کے بعد یخ بستہ پولوں کے اندر کچھ حرارت پیدا ہوجانے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کی وجہ سے ہمیں اپنے پاؤں میں شدید درد محسوس ہونے لگا۔ ہمارے پاؤں برف سے جل گئے تھے۔ اور پولوں کی رسیوں نے ہمارے پاؤں اور ٹخنوں میں زخم ڈال دیئے تھے۔ تاہم میں نے پولوں کو اس ڈر سے بندھا رہنے دیا کہ کہیں ہمارے زخم ننگے ہو کر خراب نہ ہو جائیں اور ہمیں چلنے پھرنے سے معذور نہ کر دیں۔ درد شدید تھا اور آگ پر پاؤں گرم کرنے کی وجہ سے اس کی شدت میں اضافہ ہونے کا احتمال تھا۔ اس لئے ہم نے اپنے پاؤں آگ کی گرمی سے دُور رکھے۔ میر احمد کے پاؤں کی حالت بہت ہی بری تھی۔ وہ درد کی شدت سے رات بھر ایک لمحہ بھی نہیں سو سکا اور ہم بیٹھے اسے تسلیاں دیتے رہے۔

۲۳ر دسمبر ۱۹۶۸ء کی صبح ناشتے کے ساتھ ساتھ اس امید پر ہم نے سفر جاری رکھا کہ ہم جلد ہی کسی بستی میں پہنچ جائیں گے۔ ایک دو مقامات پر ہم بہکوں سے گزرے۔ بہک اس چیز کی علامت تھی کہ اب آبادی والا علاقہ زیادہ دور نہیں ہے۔ سفر کے ساتھ ساتھ ہمارے پاؤں کے درد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ دوپہر کے قریب جب ایک مقام پر تھوڑی دیر ستانے کے بعد ہمیں دوبارہ سفر شروع کرنا پڑا تو میر احمد نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ وہ شدت درد سے بلبلا رہا تھا۔ اس نے ہم سے کہا کہ ہم سفر جاری رکھیں اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ وہ درد کی وجہ سے ایک قدم بھی آگے بڑھانے سے معذور ہو گیا تھا۔ جب ہم کسی طرح اسے چلنے پر آمادہ نہ کر سکے تو میں نے اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس سے اس کا سارا سامان لے لیا اور اسے اپنی بغل میں لے کر ساتھ چلنے پر مجبور کیا۔ کہیں تھوڑی بہت چڑھائی آئی تو ہم اسے اٹھا کر اوپر لے جاتے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو سرینگر جیل کی پھانسی کی کوٹھری سے بچ نکلنے کے بعد یہاں کے برفانی پہاڑوں پر اس کی موت یقینی تھی۔ سہ پہر کو ہم گھنے جنگل کو عبور کر کے ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے موضع چھمب صاف نظر آ رہا تھا۔ اترائی اترتے وقت چند سو گز نیچے ہمیں ایک آدمی نظر آیا۔ اسے آواز دی، اسنے ہمیں نیچے آنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم اس مقام پر پہنچ گئے۔ غلام یٰسین نے اس سے بات کی اور پوچھا کہ اس کے گاؤں کا کیا نام ہے؟ کیا یہ حد متارکہ جنگ ہے؟ اور کیا یہ پاکستان کی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

جانب ہے؟ اس بات کا اطمینان ہو جانے کے بعد ہم نے اس سے درخواست کی کہ وہ ہمیں اپنے گھر لے چلے۔ ہم نے اسے بتایا کہ ہم سرینگر جیل سے بھاگ کر آئے ہیں۔ یہ عید کا دوسرا دن تھا۔ ہماری عید جہاں گزری، جس طرح گزری وہ سنا چکا ہوں۔ ہم عید اس روز منائیں گے جس روز کشمیر آزاد ہوگا۔ اس شخص نے اپنا نام شاہ محمد بتایا۔ اس کے گھر پہنچے تو ہم نے اس سے کہا کہ ہم گزشتہ تین روز سے بھوکے ہیں۔ ہمیں کچھ کھانے کو دو۔ اس نے جلدی جلدی چاول پکوائے۔ آلو کا سالن تیار کروایا اور ہمیں کھلایا۔ ہم نے یہاں کچھ آرام کیا اور پولیں اُتار دیں۔ ہمارے پاؤں گل چکے تھے اور ہمارے زخموں سے خون رس رہا تھا۔ شاہ محمد کے گھر ہماری ملاقات اس کے دوست محمد یعقوب سے بھی ہوئی۔ جو گاؤں میں دکانداری کرتا تھا اور اس روز شاہ محمد کے گھر والوں کو عید مبارک کہنے آیا تھا۔ گھر میں جگہ کی تنگی کے باعث طے پایا کہ غلام یٰسین اور میں محمد یعقوب کے ساتھ جا کر اس کے ساتھ رات گزاریں اور میر احمد، شاہ محمد کے گھر آرام کرے۔ میر احمد درد کے مارے کراہ رہا تھا۔ ہم نے سوچا کہ شب بھر کے آرام کے بعد اس کی حالت بہتر ہو جائے گی اور ہم سفر جاری رکھ سکیں گے۔ چنانچہ ہم دونوں محمد یعقوب کے ساتھ اس کے گھر روانہ ہوئے اور شاہ محمد کو ہدایت کر گئے کہ وہ اگلی صبح میر احمد کو یعقوب کے گھر پہنچا دے۔ یعقوب کے گھر ہماری بہت خاطر تواضع ہوئی اور ہمارے برف سے جلے ہوئے پاؤں کے لئے کچھ مقامی علاج بھی کیا گیا۔ یعقوب کے گھر کچھ اور مقامی لوگ بھی جمع ہو گئے، انہوں نے ہمیں مبارکباد دی اور بتایا کہ آزاد کشمیر فوج کی ایک چوکی یہاں سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔ طے پایا کہ ہماری آمد کی اطلاع چوکی پر دی جائے۔ اس کام کے لئے ایک مقامی مجاہد کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جس نے صبح سویرے یہ کام سرانجام دینے کا وعدہ کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ایک طویل، صبر آزما، حوصلہ شکن اور کٹھن سفر کے بعد ہم ایک گھر کے اندر گرم کمرے میں آرام کی نیند سو رہے تھے۔

۲۴ دسمبر ۱۹۶۸ء کو شاہ محمد، میر احمد کو ساتھ لیکر طے شدہ پروگرام کے مطابق علی الصبح یعقوب کے گھر پہنچا۔ ہماری آمد کی خبر آس پاس کے لوگوں میں پھیل گئی تھی۔ چنانچہ صبح کے وقت کچھ لوگ ہمیں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

مبارک باد دینے آنے لگے۔ کچھ دیر بعد مقامی مجاہد آزاد کشمیر فوج کی چھمب چوکی سے ایک سپاہی کو ساتھ لے کر واپس آیا۔ ہم نے ناشتہ کیا۔ ہم اپنے پاؤں پر چلنے سے بالکل معذور تھے اس لئے مقامی لوگوں نے ہمیں پیٹھوں پر اٹھایا اور تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد ہم چوکی پر پہنچے۔ یہاں ایک صوبیدار نے ہمارا استقبال کیا۔ اس نے گاؤں والوں کو رخصت کرنے کے بعد ہمیں چائے پلائی اور کھانا کھلایا۔ ہماری آمد کی اطلاع سینئر افسران کو دی گئی۔ میں نے ذاتی طور پر فورس کمانڈر سے بات کی جو کسی اور چوکی پر موجود تھا۔ کمانڈر نے ہمیں بتایا کہ وہ ہماری آمد کی رپورٹ افسران بالا کو کر دے گا۔ اور جوں ہی کوئی فیصلہ ہوا ہمیں اطلاع کر دی جائے گی۔ میں صوبیدار کے ساتھ دو گھنٹے بات چیت کرتا رہا۔ میر احمد اور غلام یٰسین سپاہیوں کے ساتھ دوسرے بنکر میں گپ شپ کرتے رہے۔ ہمیں چناری کے علاقے میں بٹالین ہیڈ کوارٹر پہنچانے کا بندوبست کیا گیا۔ غلام یٰسین کے لئے بھی قلیوں کا بندوبست کیا گیا تھا لیکن اس نے پیدل چلنے کو ترجیح دی کیونکہ اس کے پاؤں برف کی وجہ سے زیادہ نہیں جلے تھے۔

اس روز موسم ابر آلود تھا۔ صبح جب ہم چوکی پر پہنچے تو برف باری شروع ہوئی تھی اور جس وقت ہم چوکی سے ساون کچھ کے لئے روانہ ہوئے تو کوئی نو انچ برف گر چکی تھی اور برفباری ابھی جاری تھی۔ میں نے خداوند قدوس کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہم پر بڑا رحم و کرم کیا ہے۔ اگر وادی سے چھمب تک کے سفر کے دوران کسی روز برف باری ہوتی تو ہم دوران سفر کہیں مرکھپ گئے ہوتے اور کسی کو ہمارا نشان تک نہ ملتا۔ ساون کچھ کے بٹالین ہیڈ کوارٹر میں ہم رات کے وقت پہنچے۔ اگلے روز صبح سویرے ناشتے پر میس کے اندر آزاد کشمیر فوج کے افسروں سے میری بات چیت ہوئی۔ یہ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۸ء کی تاریخ تھی، ایف۔ ائی۔ یو کا ایک جے سی۔ او کیمپ میں آیا اور ہم سے سوالات پوچھے۔ فوجی ڈاکٹر نے ہمیں ابتدائی طبی امداد بہم پہنچائی۔ بہت دن بعد میں نے شیو بنائی اور گرم پانی سے منہ دھویا، کچھ عرصہ بعد ایف ائی یو کا متذکرہ جے سی۔ او ایک جیپ لیکر پھر واپس آیا اور ہمیں اپنے ساتھ مظفر آباد لے گیا۔ مظفر آباد پہنچ کر ہم سیدھے کوہرہ کے قلعے میں لے جایا گیا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

جسے عرف عام میں ''بلیک فورٹ'' یا ''قلعہ سیاہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر ہمیں پاکستان آرمی کی ۱۱۶ فیلڈ انوسٹی گیشن یونٹ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہمارا طویل ترین پیدل سفر اختتام کو پہنچا۔ جو ہمیں اپنے مقدم مشن کے سلسلے میں اختیار کرنا پڑا تھا۔ تکنیکی لحاظ سے یہ ایک ایسی چال تھی جس میں منصوبہ کا ہر مرحلہ اور ہر مرحلے کا ایک ایک قدم انتہائی احتیاط اور ہوش مندی کے ساتھ اٹھایا جاتا تھا۔ قدم قدم پر خطرات کا سامنا تھا جن کی پیش بندی اور پیش بینی ضروری تھی۔ آخر ہم کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ ایک ایسی کامیابی تھی جو ہم نے اپنے اس دشمن کے خلاف حاصل کی تھی جو ہم سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ اور جس کے وسائل لامحدود تھے اور جو ہر لحاظ سے چوکنا تھا۔ یہ ایک ایسی کامیابی ثابت ہوئی جس نے میرے اندر نئی امیدیں اور نئی امنگیں پیدا کر دیں۔ اس نے مادر وطن کی آزادی کے لئے میرے جذبے اور عزم کو مزید پختہ کر دیا تھا۔ اس عزم کا عہد میں نے قومی محاذ آزادی میں شمولیت کے وقت کیا تھا۔ اب میں اپنے آپ کو زیادہ پر امید اور زیادہ پر اعتماد محسوس کر رہا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکوں گا۔ مقصد کی صداقت اور اس کے حصول کے لئے صحیح خطوط پر جد وجہد پر میرا ایمان اور پختہ ہو گیا تھا۔ یہ ایک انتہائی مسرت اور انبساط کا موقع تھا اور میں بہت خوش تھا۔ آخر کار میں بخیر وعافیت اپنے گھر پہنچ گیا تھا۔ موت کے پنجوں میں جکڑے ہوئے ایک شخص کے لئے اس سے زیادہ خوشی کا مقام اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن میری یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی۔ جلد ہی بلیک فورٹ کے تجربے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا اور مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ سوچ کی نئی نئی راہیں اور دریچے کھلتے گئے۔ میرے لئے یہ سمجھنا دشوار ہو گیا کہ اپنا دشمن کون اور دوست کون ہے۔

رہائی کے بعد جدوجہد

مقبول بٹ شہید نے اپنے فرار کی روداد کے آخر میں جس کرب کا اظہار کیا ہے وہ واقعی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ایک المیہ ہے۔ وہ اور ان کے ساتھی یہ سمجھتے تھے کہ آزاد کشمیر پہنچنے پر اس کارنامے پر یقیناً ان کی عزت افزائی ہوگی اور اس طرح ان کی جدوجہد کو تسلیم کرلیا جائے گا۔ ان کو تحریک کو مزید منظم کرنے کا موقع ملے گا۔ ان کے لئے یہ آسان ہوگا کہ وہ اپنے تصورات کے مطابق محکوم وطن کی آزادی کے لئے قدم آگے بڑھا سکیں لیکن آزادی کے اس عظیم سرفروش کا المیہ دیکھئے کہ سرینگر کے مہتات باغ میں بھارت دشمنی اور جدوجہد آزادی کی پاداش میں اذیتیں برداشت کرنے والا کشمیر کا بہادر فرزند جب اپنی ہمت، دلیری اور ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جیل سے فرار ہوکر بدترین حالات میں آزاد خطے میں پہنچا تو یہاں بھی اس کا مقدر اذیت خانہ ہی ٹھہرا۔ مقبول بٹ اور ان کے رفقاء کو بلیک فورٹ جیل میں قید کر کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جنوری 1969ء سے مارچ 1969ء یعنی دو ماہ تک مقبول بٹ مادرِ وطن کے آزاد خطے میں آزادی کی خاطر جدوجہد کی پاداش میں اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ اس دوران ان کے رفقاء نے احتجاجی مظاہرے کئے جن کے نتیجے میں مقبول بٹ 8 مارچ کو رہا کر دیئے گئے۔ مقبول بٹ کی عملی جدوجہد خصوصاً موجودہ کارنامے کے بعد انہیں اپنے رفقاء کار میں بلند مقام حاصل ہوگیا۔ وہ آزادی کی خاطر خلوص سے جدوجہد کرنے والوں کی نظر میں معتبر ہو گئے۔ ہر شخص نے ان کے جذبے کی شدت کو محسوس کیا۔ دوسری طرف مقبول بٹ شدید ذہنی صدمات کے باوجود پُرعزم تھے بلکہ ان حادثات نے ان کے لئے تازیانے کا کام دیا اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ شدت سے اپنے راستے پر گامزن ہو گئے۔ قومی محاذ آزادی جو مقبول بٹ کی گرفتاری کے بعد ایک صدمے سے دوچار ہوئی تھی پھر منظم ہونا شروع ہوگئی۔ مقبول بٹ اور ان کے رفقاء نے مقبوضہ کشمیر میں منظم انداز میں گوریلا آپریشن کا پروگرام ترتیب دیا۔ اس دوران مقبول بٹ، امان اللہ خان اور میر عبدالقیوم کے ساتھ ڈاکٹر فاروق حیدر بھی شریک ہو گئے۔ میر عبدالمنان کسی حد تک غیر فعال رہے۔ میجر امان اللہ خان کو بعض معاملات کی وجہ سے الگ کر دیا گیا۔ اس طرح نیشنل لبریشن فرنٹ پھر سے سرگرم ہوگئی۔ مسلح جدوجہد کے لئے مختلف ذرائع سے روپیہ فراہم کیا گیا اور مقبوضہ کشمیر کے اندر باقاعدہ آپریشنز شروع کر دیے گئے۔ امان اللہ خان جو مقبول بٹ کے قریبی ساتھی اور

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

این۔ایل۔ایف کے اہم رکن تھے، نے اس دوران ''الفتح اور کشمیری نوجوان'' نامی ایک پمفلٹ تحریر کیا اس پمفلٹ میں کشمیری نوجوانوں کے جذبات کو الجزائر کے مجاہدین اور الفتح کے ذکر سے اُبھارنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ کتابچہ مقبوضہ کشمیر میں بھی وسیع پیمانے پر تقسیم کیا گیا۔قومی محاذ آزادی نے مقبوضہ کشمیر میں اپنی کاروائیاں مسلسل جاری رکھیں۔سوپور میں اسی جدوجہد کے سلسلے میں کشمیریوں اور پولیس کے درمیان تصادم بھی ہوا۔اس جدوجہد کی گونج کشمیر اسمبلی میں بھی سنائی دی۔ کانگریس کے رکن غلام رسول کار نے انکشاف کیا کہ کشمیری نوجوانوں کو گوریلا طرز پر منظم کیا جارہا ہے اور اس کا الزام انہوں نے قومی محاذ آزادی پر عائد کیا۔شیخ محمد عبداللہ نے بھی اس جدوجہد سے متاثر ہوکر بھارت کو وارننگ دی کہ کشمیری نوجوان اب پُرامن طریقوں کے پابند نہیں۔1969ء کے ان حالات سے واضح ہوتا ہے کہ مقبول بٹ اور ان کے رفقاء کی جدوجہد رائیگاں نہیں جارہی تھی بلکہ ان کے نقطہ نظر کو فروغ مل رہا تھا۔ادھر اواخر 1969ء میں محاذ رائے شماری کے کنونشن میں مقبول بٹ کو جماعت کا صدر منتخب کرلیا گیا۔محاذ رائے شماری میں شامل بعض لوگ مسلح جدوجہد کے حق میں نہیں تھے لیکن مقبول بٹ نے این ایل ایف کو محاذ کا عسکری ونگ قرار دیا۔بہرحال یہ سلسلہ چلتا رہا۔ مقبول بٹ دونوں پلیٹ فارمز سے مسلسل مصروف عمل رہے۔عسکری تحریک شروع کرنے کا فیصلہ شہید قائد نے اُس وقت کی دنیا میں عسکری تحاریک کی مقبولیت سے متاثر ہوکر اُٹھایا تھا۔الجیریا، فلسطین وغیرہ کی تحاریک نے شہید قائد کو اس سلسلے میں اُبھارا تھا۔سیاسی میدان میں محاذ کے پلیٹ فارم سے اور مسلح جدوجہد کے لئے این ایل ایف کے پلیٹ فارم سے۔مقبول بٹ نے محاذ رائے شماری کا صدر منتخب ہونے کے بعد مختلف مقامات کا دورہ کیا۔لاہور اور گوجرانوالہ میں پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ان کی پریس کانفرنسوں کے نتیجے میں صحافی برادری ان سے کافی متاثر ہوئی۔اس طرح مقبول بٹ کی قیادت میں محاذ سیاسی لحاظ سے کافی سرگرم رہا۔اگرچہ حکومت پاکستان نے اس دوران ان لوگوں کو مختلف ذرائع سے تنگ کرنے کی کوششیں کی۔محاذ کو وارننگ بھی دی گئی لیکن مقبول بٹ اور ان کے رفقاء مسلسل اپنے کام میں مصروف رہے۔1970ء میں حکومت پاکستان نے آزاد

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کشمیر ایکٹ جاری کیا۔محاذ رائے شماری نے اس ایکٹ کی شدید مخالفت کی اور اسے دستاویز غلامی قرار دیا اور اس ایکٹ کے تحت ہونے والے انتخابات کا بھی بائیکاٹ کیا گیا۔محاذ کی قیادت نے اس سلسلے میں سارے آزاد کشمیر کا دورہ کیا۔1970ء میں محاذ رائے شماری نے مقبول بٹ کی قیادت میں آزاد کشمیر ایکٹ 1970ء کے خلاف بھرپور مہم چلائی۔یہ مہم سراسر حق اور سچائی پر مبنی تھی۔درحقیقت پاکستان کے حکمرانوں نے آزاد علاقے کو کبھی وہ حیثیت نہیں دی جس کا وہ مستحق تھا۔یہ صورتحال تحریک آزادی کشمیر کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھی۔کشمیر کا آزاد علاقہ جسے مجاہدین نے خود قربانیاں دے کر آزاد کرایا تھا، وزارت امور کشمیر کے کارندوں کے ہاتھ دے دیا گیا۔آزاد کشمیر میں تو پھر بھی دکھاوے کی ٹوٹی پھوٹی کرسی موجود تھی لیکن گلگت بلتستان کے لوگ بے پناہ قربانیاں دے کر بھی اپنے علاقے میں بنیادی حقوق سے محروم تھے۔کچھ عرصہ قبل ہی حکومت پاکستان نے مسئلہ کشمیر کو مزید متاثر کرتے ہوئے گلگت بلتستان کو پاکستان کے ایک صوبے کی حیثیت دی ہے۔پاکستان کی حکومت کا یہ فیصلہ کسی بھی طور کشمیریوں کے مفاد میں نہیں ہے۔1970ء کے سال کے دوران محاذ کی اہم سیاسی سرگرمیاں آزاد کشمیر ایکٹ کے خلاف مہم اور گلگت بلتستان کے حقوق کے لئے جد وجہد ہے۔ اکتوبر 1970ء میں محاذ رائے شماری کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس گلگت میں بلایا گیا۔چونکہ محاذ آزاد کشمیر اور پاکستان میں آزاد کشمیر ایکٹ کے خلاف بھرپور مہم چلائے ہوئے تھا، اس لئے محاذ کی ورکنگ کمیٹی کے اراکین کو گلگت نہیں جانے دیا گیا۔انتظامیہ کو یہ خدشہ تھا کہ گلگت میں بھی بیداری کی لہر شروع ہوجائے گی۔اکثر ممبران گلگت نہ پہنچ سکے۔تاہم عبدالخالق انصاری، مقبول بٹ، میر عبدالمنان اور امان اللہ خان گلگت چلے گئے۔گلگت کے عوام نے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔محاذ کے ممبران نے اپنا لٹریچر بھی تقسیم کیا لیکن رات کو پولیس نے ان لوگوں کو دھوکے سے بلایا اور گلگت کی حدود سے باہر قبائلی علاقہ میں لے جا کر چھوڑ دیا۔یہ لوگ بڑی مشکل سے 36 گھنٹے مسلسل سفر کے بعد سوات پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور وہاں سے راولپنڈی روانہ ہوگئے۔اس تمام ''حسن سلوک'' کے باوجود یہ لوگ بدستور اپنی مہم جاری رکھے ہوئے تھے۔اگرچہ اس دوران حکومت پاکستان نے گلگت بلتستان کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

لئے کچھ مراعات کا بھی اعلان کیا لیکن یہ اصلاحات محاذ کے مطالبات کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھیں ۔مقبول بٹ نے 4 نومبر 1970ء کو راولپنڈی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ محاذ کی جد وجہد جاری رہے گی اور محاذ کے ارکان 5 نومبر کو دوبارہ گلگت جائیں گے۔لیکن اگلے دن محاذ کے ایک اہم رکن عبدالخالق انصاری کو ایبٹ آباد میں حکومت پر تنقید کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا جس کی وجہ سے گلگت جانے کا پروگرام منسوخ کرنا پڑا اور ایبٹ آباد میں مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا گیا ۔مجلس عاملہ کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ 15 تا 23 نومبر 1970ء کا ہفتہ ''ہفتہ گلگت بلتستان'' کے طور پر منایا جائے گا چنانچہ یہ ہفتہ پورے پاکستان اور آزاد کشمیر میں منایا گیا اور مختلف اہم مقامات پر محاذ کے لوگوں نے جلسے اور جلوسوں کا اہتمام کیا۔اسی ہفتہ کے دوران فیصلہ کیا گیا کہ محاذ کے ممبران پھر گلگت جائیں ۔چنانچہ 26 نومبر 1970ء کو گلگت میں جلسہ کرنے کا پروگرام ترتیب دیا گیا ۔یہ جلسہ منعقد کرنے کے لئے مقبول بٹ ،میر عبدالمنان ، امان اللہ خان ،جی ایم میر اور پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی گلگت پہنچ گئے ۔گلگت پہنچ کر جوں ہی ان لوگوں نے جلسے کا شہر میں اعلان کرنا شروع کیا،گلگت انتظامیہ نے دفعہ 144 نافذ کردی ۔ان لوگوں کو زبردستی راولپنڈی واپس بھیجنے کا فیصلہ کرلیا گیا ۔انہیں ائرپورٹ لے جایا گیا لیکن دیر ہوجانے کی وجہ سے جہاز ان کے ائرپورٹ پہنچنے سے پہلے ہی روانہ ہوگیا اور یہ لوگ گلگت میں رہ گئے ۔لوگوں کے ساتھ میل جول سے باز رکھنے کے لئے انہیں گرفتار کرلیا گیا۔اگلے دن امان اللہ خان کے سوا سب لوگوں کو زبردستی راولپنڈی بھیج دیا گیا ۔(اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کا تذکرہ امان اللہ صاحب نے اپنی کتاب ''جہد مسلسل'' میں تفصیل سے کیا ہے ۔)محاذ رائے شماری نے اس طرح مقبول بٹ کی ولولہ انگیز قیادت میں بھرپور انداز میں ان تمام مسائل پر ایک جاندار آواز اٹھائی ۔مقبول بٹ کبھی کسی مصلحت کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور ان کے دور صدارت میں محاذ رائے شماری بھرپور انداز میں سرگرم رہی ۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

گنگا کا اغواء اور گنگا عدالتی کیس

محاذ رائے شماری کا صدر منتخب ہونے کے بعد مقبول بٹ کی ذمہ داریوں میں بہت اضافہ ہوگیا تھا۔ چونکہ وہ محض سیاست میں حصہ لینے کے بجائے کشمیر کی آزادی کی باقاعدہ جنگ لڑنا چاہتے تھے، لہٰذا وہ اس سلسلے میں مسلسل مصروف عمل تھے۔ ایک طرف وہ محاذ رائے شماری کے پلیٹ فارم سے بھرپور انداز میں کشمیری عوام کے حقوق کی جنگ لڑ رہے تھے۔ گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کی حیثیت کے تعین کے لئے وہ سیاسی سطح پر غیر معمولی حد تک سرگرم تھے تو دوسری طرف وہ مقبوضہ کشمیر میں مسلح جدوجہد کے سلسلے میں برسرپیکار تھے۔ سرینگر جیل سے فرار اور آزاد کشمیر میں ان کی آمد کے بعد ان کی گوریلا تنظیم این ایل ایف مقبوضہ کشمیر میں بدستور مسلح جدوجہد میں مصروف تھی اور مقبول بٹ این ایل ایف کے آپریشنل ونگ کے انچارج تھے۔

یہ وہ دور تھا جب فلسطین کی تحریک آزادی عروج پر تھی۔ فلسطینی مجاہد گوریلا جنگ کے ساتھ ساتھ دنیا کی نظروں میں مسئلہ فلسطین کو نمایاں رکھنے کے لئے مختلف قسم کی کارروائیاں کرتے رہتے تھے۔ ان کارروائیوں میں سے ایک طیاروں کا اغواء بھی تھا۔ فلسطینی مجاہد اسرائیلی طیاروں کو اغوا کرنے کی کوشش کرتے اور اس طرح اپنے بعض مطالبات منوا لیتے تھے۔ مقبول بٹ فلسطین کی اس تحریک سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے اس تحریک کے ساتھ ساتھ دنیا کی تمام اہم تحاریک آزادی کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اور وہ چاہتے تھے کہ کشمیر کی تحریک کو بھی جمود سے نکال کر دوسری تحریکوں کی طرح دنیا کی نظروں میں نمایاں مقام دلایا جائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ان تحاریک کو مدنظر رکھتے ہوئے گوریلا جنگ اور دیگر کارروائیوں کا پروگرام ترتیب دیا تھا۔ این ایل ایف میں ان کے رفیق امان اللہ خان نے فلسطینی تحریک آزادی کی روشنی میں کشمیری نوجوانوں کو بیدار کرنے کے لئے ''الفتح اور کشمیری نوجوان'' نامی پمفلٹ تحریر کیا تھا جو مقبوضہ کشمیر میں تقسیم کیا گیا تھا۔ قومی محاذ آزادی میں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

شامل چند افراد جو مقبول بٹ کے نظریات کے مطابق دشمن کے خلاف ہر قسم کی کارروائی کو ضروری سمجھتے تھے اور اسے تحریک آزادی کا حصہ تصور کرتے تھے، نے 1970ء میں ایک طیارہ اغوا کرنے کا منصوبہ ترتیب دیا۔ اس مقصد کے لئے سرینگر سے پاکستان آئے ہوئے ایک نوجوان ہاشم قریشی کو مناسب اور ضروری تربیت دی گئی۔

ڈاکٹر فاروق حیدر جو این ایل ایف میں شامل تھے، کے برادر نسبتی جمشید منٹو نے انہیں تربیت دی۔ جمشید منٹو ہوابازی کا تجربہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ان سے تربیت حاصل کرنے کے بعد ہاشم قریشی واپس مقبوضہ کشمیر چلے گئے۔ ہاشم قریشی نے کنٹرول لائن عبور کی تو انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ اس وجہ سے فوری طور پر یہ مشن کامیاب نہ ہوسکا۔ یہ پروگرام اگست 1970ء میں دوبارہ ترتیب دیا گیا جس میں کچھ رکاوٹیں پیدا ہوگئیں تھیں۔ اگست 1970ء میں تو یہ مشن کامیاب نہ ہوسکا البتہ چند ماہ بعد 31 جنوری 1971ء کو ہاشم قریشی نے ایک اور نوجوان اشرف قریشی کے ساتھ مل کر بھارت کا مسافر طیارہ ''گنگا'' اغوا کرلیا اور اسے لاہور لے آئے۔ لاہور میں طیارہ اُتارنے کے بعد ان نوجوانوں نے اعلان کیا کہ طیارہ این ایل ایف نے اغوا کیا ہے۔ مقبول بٹ اس وقت راولپنڈی میں تھے۔ وہ ڈاکٹر فاروق حیدر کے ہمراہ فوراً لاہور پہنچے اور حکومتی اہلکاروں سے اس سلسلے میں بات چیت کی۔ چونکہ این ایل ایف پاکستان کے لئے زیادہ مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے ہاشم قریشی نے طیارے کے مسافروں کو رہا کردیا لیکن طیارہ بدستور اپنے قبضے میں رکھا۔ این ایل ایف کے ذمہ داران یہی چاہتے تھے کہ حکومت پاکستان ان کی تھوڑی بہت مدد کرے تاکہ وہ اس طیارے کے عوض مقبوضہ کشمیر میں قید اپنے کچھ ساتھیوں کو چھڑا سکیں۔ اس وقت پاکستان کی سیاسی صورتحال بہت پیچیدہ تھی۔ 1970ء کے انتخابات کے بعد مشرقی اور مغربی پاکستان واضح طور پر الگ الگ سیاسی دھڑوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل ہوئی تھی لیکن مجموعی طور پر شیخ مجیب کی عوامی لیگ کامیاب رہی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو اقتدار کے حصول کیلئے عجیب وغریب حرکات کررہے تھے۔ جب انہوں نے طیارے کے اغوا کے متعلق سنا تو انہوں نے اس بارے میں سخت

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

روّیہ اختیار کرلیا۔ اغوا کے ایک دن بعد لاہور پہنچے اور انہوں نے ہاشم قریشی اور اشرف قریشی سے ملاقات کی۔ انہیں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ دوسری طرف عوام کے جذبات بھڑکے ہوئے تھے۔ عوام ائرپورٹ پر جمع ہوجاتے اور طیارے کی طرف جانے کی کوشش کرتے لیکن پولیس انہیں روک لیتی۔ اس عجیب اور الجھی ہوئی صورتحال میں ہوائی جہاز نذرِ آتش کردیا گیا۔ ہاشم قریشی اور اشرف قریشی زخمی ہوگئے۔ این ایل ایف اپنے بڑے مقصد یعنی دنیا کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے میں تو کامیاب رہی لیکن بھارتی حکومت سے جہاز کے اغوا کے عوض کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا۔ اور اس کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ پاکستانی حکومت اور سیاستدانوں کا رویہ تھا۔ ''گنگا'' کو اغوا کرنے والے حریت پسند طیارے کو آگ لگانے کی وجہ سے زخمی ہوگئے تھے۔ صحت یابی کے بعد پورے ملک میں ان لوگوں کا بھرپور خیر مقدم کیا گیا۔ لاہور میں 13 فروری کو تمام سیاسی جماعتوں کی طرف سے ان کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔ مقبول بٹ نے اس موقع پر ایک انتہائی جذباتی تقریر کی۔ ان کے علاوہ پیپلز پارٹی کے ڈاکٹر مبشر حسن، شیخ رشید وغیرہ نے بھی تقریریں کیں۔ دوسرے دن جب مقبول بٹ دیگر حریت پسندوں کے ساتھ گوجرانوالہ پہنچے تو وہاں بھی ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اسی طرح راولپنڈی اور دیگر مقامات پر بھی ان لوگوں کا شاندار استقبال ہوا۔ این ایل ایف کے اس اقدام نے کشمیری قوم کے جذبات کو مہمیز کردیا۔ کشمیریوں کے سوئے ہوئے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ''گنگا'' کے اغوا نے کشمیریوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا کردیا کہ آزادی کی خاطر انہیں ہر راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ اسی جذبے کے تحت جب حریت پسندوں نے مقبول بٹ کی رفاقت میں مختلف علاقوں کا دورہ کیا تو ان کا بھرپور استقبال ہوا۔ اسے خوبی قسمت کہئے یا کچھ اور؟ ''گنگا'' کے اغوا کے وقت اور اس کے بعد تو ملک بھر میں این ایل ایف کے اس اقدام کو سراہا جاتا رہا۔ کچھ مفاد پرستوں نے تو یہ کارنامہ اپنے کھاتے میں ڈالنے کی سرتوڑ کوشش بھی کی۔ لیکن پاکستان کو سیاسی کشمکش اور انتشار میں مبتلا کرنے والے اُس وقت کے سیاست دانوں اور فوجی حکام نیز آزاد کشمیر میں اقتدار پر براجمان لوگوں نے حریت پسندوں کے کارنامے کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

شروع کر دیا۔ مارچ کے دوسرے ہفتے میں اغوا کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد وزارت خارجہ نے اچانک تحقیقات کا اعلان کر دیا۔ بظاہر تاثر یہ دیا گیا کہ تحقیقات محض حکومت پاکستان کی پوزیشن واضح کرنے اور شیخ مجیب الرحمٰن کو مطمئن کرنے کے لئے ہے۔ تحقیقات کے لئے کراچی ہائی کورٹ کے ایک جج نور العارفین کا تقرر کیا گیا۔ اس تاثر کے برعکس تحقیقاتی کارروائی محاذ رائے شماری، این ایل ایف اور حریت پسندوں کو کچلنے کے لئے شروع کی گئی۔ ابھی تحقیقاتی رپورٹ منظر عام پر ہی نہیں آئی تھی کہ 14 اپریل کو مری، راولپنڈی اور پشاور سے حریت پسندوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ابتدائی گرفتار شدگان میں ہاشم قریشی، اشرف قریشی، ڈاکٹر فاروق حیدر، جاوید ساغر، مقبول بٹ اور کچھ دیگر لوگ شامل تھے۔ 20 اپریل کو تحقیقاتی رپورٹ سامنے آئی جس میں اغوا کے اس واقعے کو "ہندوستانی سازش" قرار دیا گیا۔

اس رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے بعد 27 اپریل کو پورے ملک میں پکڑ دھکڑ اور گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حریت پسندوں کو بھارتی ایجنٹ قرار دینے کا پروپیگنڈہ عروج پر پہنچ گیا۔ تین ماہ پہلے کے قومی ہیرو مجرم اور غدار بن گئے۔ آزادی کے ان مجرموں کو ملک کے مختلف علاقوں سے گرفتار کر کے عقوبت خانوں میں پہنچا دیا گیا۔ زیادہ نمایاں کردار ادا کرنے والوں کو شاہی قلعہ لاہور کے بدنام زمانہ اذیت خانے میں لے جایا گیا اور اپریل 1971ء سے لے کر دسمبر 1971ء تک آزادی کے ان مسافروں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے جاتے رہے۔ یہ لوگ کوئی جرائم پیشہ، غدار یا لٹیرے نہیں تھے۔ معاشرے کے معزز افراد تھے۔ باوقار شہری تھے۔ اپنی محنت و مشقت سے ان لوگوں نے معاشرے میں اپنا مقام بنایا تھا۔ اکثر لوگ کاروبار سے منسلک تھے۔ معاشرے کے ان معزز اور باوقار افراد کے ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اقتدار کی کرسی پر فروکش حکمرانوں اور نوکر شاہی نے جو سلوک کیا وہ کشمیری قوم کی تاریخ کا المناک باب ہے۔ شاہی قلعہ لاہور کے در و دیوار محشر تک ان بے گناہوں پر ہونے والے انسانیت سوز ظلم کو محسوس کرتے رہیں گے۔ آٹھ ماہ تک جبر و تشدد اور اذیت کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ چنانچہ 1971ء میں حکومت پاکستان بین الاقوامی دباؤ کی وجہ سے ان

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

گرفتار شدگان پر عدالت میں مقدمہ چلانے پر مجبور ہوگئی۔ سپریم کورٹ کے جج جسٹس یعقوب علی اور سندھ ہائی کورٹ کے جج عبدالقادر پر مشتمل خصوصی عدالت قائم ہوئی۔ اس عدالت کے اختیارات بھی محدود تھے۔ ابتداء میں تقریباً ڈیڑھ سو افراد پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد اس تعداد میں کمی کر دی گئی اور چھ افراد ہاشم قریشی، اشرف قریشی، مقبول بٹ، غلام محمد لون، میر عبدالقیوم اور میر عبدالمنان پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا گیا، جبکہ باقی لوگوں کو بغیر مقدمے کے جیلوں میں محبوس رکھا گیا۔ رہا ہونے والے کچھ دوستوں نے ان حریت پسندوں کی قانونی مدد کے لئے کوششیں کیں۔ عبدالخالق انصاری، امان اللہ خان، میر ہدایت اللہ، پیرزادہ علوی، جی ایم میر، نسیم لون، غلام احمد بٹ، سعید شاہ نازکی اور بہت سے دوسرے لوگ اس سلسلے میں مصروف رہے۔ اعجاز بٹالوی، عابد حسن منٹو، دوست محمد اعوان اور ڈاکٹر عبدالباسط نے ان لوگوں کی طرف سے وکالت کی۔ اس موقع پر آزادی کے ان مسافروں نے ایثار اور قربانی کے جذبات سے معمور ہو کر ایک دوسرے کی امداد کی اور ظلم کا شکار اپنے رفقاء کی بھرپور مدد کی۔ مقبول بٹ کے وکیل کی فیس غلام محمد لون کے بھائی غلام نبی لون ادا کرتے رہے اور یہ فیس تقریباً چار سو روپے روزانہ تھی۔ اس مقدمے میں مقبول بٹ سب سے نمایاں ملزم کی حیثیت رکھتے تھے کیونکہ جہاز اغوا کرنے کی ذمہ داری این ایل ایف نے قبول کی تھی (این ایل ایف کی خفیہ تنظیم میں مقبول بٹ آپریشنل ونگ کے انچارج اور رابطے کے متعلق امور کے سربراہ تھے) محاذ رائے شماری کے صدر کے عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے بھی انہیں زیادہ نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اس وقت تک میجر امان اللہ خان این ایل ایف سے الگ ہو گئے تھے جبکہ این ایل ایف کے ایک اور اہم ممبر امان اللہ خان تقریباً دو ماہ پہلے گلگت میں گرفتار ہوئے تھے اور تا حال وہیں پر تھے۔ این ایل ایف کے دیگر ممبران ڈاکٹر فاروق حیدر، میر عبدالقیوم اور میر عبدالمنان کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ مقبول بٹ نے چونکہ جہاز کے اغوا کے فوراً بعد کی صورتحال میں خاصا کام کیا تھا۔ پریس اور حکومت سے گفتگو اور مذاکرات کا کام مقبول بٹ ہی کی سرکردگی میں ہوتا رہا۔ پھر عوامی رابطے کے دوران مقبول بٹ ہی زیادہ فعال رہے۔ ہائی جیکرز ہاشم اور اشرف کا پہلے سے مقبول بٹ سے تعلق قائم تھا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

جبکہ دیگر انہیں زیادہ نہیں جانتے تھے۔ اس لحاظ سے ''گنگا'' کے اغوا میں مقبول بٹ کا کردار کلیدی تھا اور مقدمے میں بھی انہیں نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ مقبول بٹ پر اس مقدمے میں تعزیرات ہند کی دفعہ 120 اور آئی ایکٹ مجریہ 1943ء کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ اس سے قبل 1966ء میں انہی دفعات کے تحت سرینگر میں بھارتی حکومت نے بھی مقبول بٹ پر مقدمہ چلایا تھا۔ اس طرح پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں نے مقبول بٹ پر انگریز کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت ایک جیسی دفعات میں مقدمے قائم کئے۔ فرق صرف یہ تھا کہ بھارتی حکومت نے مقبول بٹ کو سزائے موت دی لیکن پاکستان میں قائم عدالت نے مقبول بٹ کو اس الزام سے بری کر دیا۔ اس تاریخی مقدمے میں مقبول بٹ نے عدالت کے سامنے ایک تاریخی بیان دیا تھا۔ یہ بیان مقبول بٹ کے طرزِ فکر، ان کی جدوجہد اور مقدمے کو سمجھنے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

پاکستانی عدالت میں شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹ کا خطاب۔

''اسے سوئے اتفاق کہئے یا حالات کی ستم ظریفی مجھے اس خاص عدالت کے سامنے ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا ہے اور ایک خاص حکم کے تحت مجھ پر چند ایسے الزامات کے تحت مقدمہ چلایا جا رہا ہے جو نہ صرف بے بنیاد اور حقیقت سے بعید ہیں بلکہ اگر انہیں میرے وطن کی آزادی کے دشمنوں کے ذہن کی اختراع اور جموں کشمیر کے مصروف جدوجہد عوام کے ساتھ ایک ظالمانہ مذاق قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ملزموں کی صف میں کھڑا کرنے والے پاکستان کے حکمرانوں اور ان حالات وکوائف کے متعلق جن کے تحت یہ مقدمہ معرض وجود میں لایا گیا ہے تاریخ اپنا فیصلہ صادر کر چکی ہے۔ (اس وقت یحییٰ خان اور ایوب خان کی حکومتیں گر چکی تھیں)۔ تاریخ کا یہ فیصلہ اس قدر واضح ہے کہ اس پر مزید روشنی ڈالنے یا اس کی توضیح

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس بین فیصلے کی روشنی میں جب میں اس مقدمے اور اس کے تحت کی جانے والی کارروائی پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے یک گونہ خوشی محسوس ہوتی ہے اور اس تمام کارروائی کو میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے سعادت سمجھتا ہوں۔ تاریخ کے اس فیصلے نے ہمارے اور ہمارے مقابل گروہ منافقین کے درمیان واضح خط امتیاز کھینچ دیا ہے۔ آئندہ نسلوں کو ہمارے تشخص کے بارے میں اب کوئی غلط فہمی نہ ہوگی اور یوں اس گروہ منافقین کے بارے میں قرآن کا ارشاد پورا ہوگیا۔ " واذا لقوا الذین امنو قالو امنا واذا خلوا الی شیطینھم قالو انا معکم انما نحن مستھزءون ۃ" (جب یہ منافق ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں اور جب اپنے دوستوں کے پاس جاتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ ہم تو ان مومنوں سے مذاق کرتے ہیں)۔ اس گروہ نے مظلوم عوام کے ساتھ جو ظالمانہ مذاق روا رکھا تھا اس کی پاداش میں یہ کچھ ہونا چاہئے کہ وہ ایسی طغیانی میں گر جائیں جہاں ان کا فرار ناممکن ہو۔ میں نے یقیناً نہ تو خود کوئی سازش تیار کی اور نہ ہی سازشیوں کے کسی گروہ میں شامل رہا ہوں۔ میرا کردار ہمیشہ واضح اور غیر مبہم رہا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ میں فرسودگی، دولت پسندی، استحصال، ظلم، غلامی اور منافقت کے خلاف بغاوت کا مرتکب ہوا ہوں۔ استعماری نظام کا پروردہ پاکستانی حکمران طبقہ جس کی نمائندگی اس ملک کی نوکر شاہی اور فوجی آمریت کرتی رہی ہے اگر اسے سازش قرار دے تو مجھے یہ الزام درست تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں۔ میرے نزدیک یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ تاریخ کے ہر دور میں استحصال اور غلامی کے خلاف جب کوئی تحریک شروع کی گئی تو اسے دبانے کے لئے اقتدار و اختیار پر قابض روایتی حکمرانوں نے ہمیشہ قانون کی لغت کے اس لفظ جسے سازش کے نام سے پکارا جاتا ہے، کا سہارا لیا ہے۔ مگر یہ حقیقت اپنی جگہ قائم و دائم ہے کہ ظالم و مظلوم کی اس جنگ میں مآل کار فتح مظلوم کی ہی ہوتی ہے اور ظلم کی عمارت مظلوم عوام کی انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں دھڑام سے زمین بوس ہوجاتی ہے۔ میں نے ہمیشہ خود کی ستائش سے نفرت کی ہے تاہم اب جبکہ میرے پاک کردار کو غلط رنگ دینے کی دانستہ کوشش کی جارہی ہے، مجھے یہ دعویٰ کرنے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

پر مجبور ہونا پڑا ہے کہ میں نے زندگی کے ہر موڑ پر حق و انصاف کا ساتھ دیا ہے اور ظلم و استحصال کے خلاف مصروفِ جنگ عوام کی نہ صرف حمایت کی ہے بلکہ اس جنگ میں مظلوم عوام کا نقیب و مدعی رہا ہوں۔ میں نے جان بوجھ کر اپنے لئے یہ رول متعین کیا ہے۔ اس لئے کہ میں اسے انبیاء علیہم السلام کی سنت اور انقلابیوں کا شیوہ تصور کرتا ہوں۔ مجھے اس رول میں کامیابی اور اس پر منتج ہونے والی انسان فتح پر ہمیشہ کامل یقین رہا ہے۔

میں معزز عدالت کے نوٹس میں لائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ گو اس مقدمے میں بظاہر چھ اشخاص کو ملوث کیا گیا ہے مگر اس تمام کارروائی کا مقصد ہماری تحریک حریت کو کچلنا ہے اور اس کے مدعیوں کے راستے میں شدید قسم کی رکاوٹیں کھڑا کر کے انہیں راہِ عمل ترک کرنے پر مجبور کرنا ہے۔ پاکستان کی نوکر شاہی کے مقدمہ ساز دماغوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس امر سے قطع نظر کہ اس مقدمے کے انجام کے طور پر میرا اور میرے ساتھیوں کا مقدر خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو جس اصل مقصد کو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اس میں سوائے رسوائی و ناکامی کے انہیں کچھ نہیں ملے گا۔ آزادی کی قومی تحریکوں کو اگر عدالتی فیصلوں کی مدد سے روکا جا سکتا تو دنیا میں شاید ہی کوئی قوم آزاد ہوتی۔ اگر انسانی تہذیب وتمدن اور جمہوریت و آزادی کے ارتقاء کو مروّجہ عدالتی یا انتظامی کارروائیوں سے ختم کرنا ممکن ہوتا تو آفرینش آدم سے اب تک دنیا میں جتنے انقلابات رونما ہوئے ہیں، تاریخ میں ان کا ذکر تک نہ ملتا۔ انسانی فلاح اور آزادی کی تحریکوں سے متعلق فیصلے مروّجہ عدالتوں میں نہیں بلکہ خود تاریخ کے ارتقائی عمل کی عدالت میں کئے جاتے ہیں۔ اس لئے مروجہ عدالتیں بجائے خود اس نظام کی مرہونِ منت ہوتی ہیں جسے بدلنے کے لئے یہ تحریکیں جنم لیتی ہیں اور پروان چڑھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نوع کے عدالتی فیصلے تاریخی عمل کی روشنی میں بسا اوقات ناکارہ اور متروک قرار دیئے جاتے ہیں۔

میرے وطن اور اس میں بسنے والے نصف کروڑ کے لگ بھگ عوام کی آزادی کے خلاف آج تک جو سازشیں ہوئی ہیں ان کا تفصیلی جائزہ اس مختصر سے بیان میں نہیں سما سکتا۔ بہر حال سازشوں کے اس پہلو کو نمایاں کرنا ضروری ہے جس کے نتیجے میں یہ مقدمہ عدم سے وجود میں لایا گیا۔ کشمیری عوام کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

خلاف سازش کا یہ پہلو ہمارے اعلانیہ دشمنوں نے نہیں بلکہ ان کوتاہ اندیش اور بدخواہ دوستوں نے ترتیب دیا ہے جنہوں نے اس بدقسمت ملک کی قیادت پر اوچھے طریقوں سے قبضہ کر کے نہ صرف اس میں بسنے والے تیرہ کروڑ انسانوں کو طویل عرصے تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھا بلکہ اپنی بساط اقتدار کو سہارا دینے کے سازشی عمل میں اس کے وجود کو بھی داؤ پر لگایا۔ ظاہر ہے ایسی قیادت جو خود اپنے عوام سے دشمنی اور غداری کی مرتکب ہوئی ہے ایک ایسی قوم کی دوست اور خیر خواہ کیونکر ثابت ہو سکتی ہے جو ہنوز غلامی سے چھٹکارا پانے کے لئے مصروف جنگ ہو۔ مجھے یہ بات کہنے سے کوئی نہیں روک سکتا کہ پاکستان کی برسر اقتدار قیادت نے گزشتہ پچیس برس کے دوران ہر مرحلے پر آزادی کشمیر کے مسئلے کو اپنی ہوس اقتدار کے لئے ایکسپلائٹ کیا ہے اور ملک کے کروڑوں عوام جنہیں کشمیر کی آزادی سے سچی لگن تھی اور اب بھی ہے، کے معصوم جذبات کا سہارا لے کر اپنی غیر مخلص قیادت کا سنگھاسن قائم رکھنے کے لئے اس مسئلے کو ناجائز طور پر استعمال کیا ہے۔ جب زمام اقتدار فوجی آمریت کے ہاتھوں میں آ گئی تو اس سازش نے مزید بھیانک روپ دھار لیا اور اس کے منطقی انجام کے طور پر نہ صرف پاکستان اپنا اصل وجود کھو بیٹھا بلکہ عملاً ہماری تحریک آزادی اگر صدیوں نہیں تو برسوں پیچھے چلی گئی ہے۔ یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ روزِ اوّل سے ہی ہماری تحریک اور اس ملک کی حکمران نوکر شاہی اور فوجی آمریت کے درمیان ایک قسم کا ٹکراؤ جاری رہا ہے۔ اس ٹکراؤ کا بنیادی سبب مقاصد اور طریق کار کا اختلاف ہے۔ ہم نے اپنے وطن کی آزادی کے لئے مسلح جدوجہد کا جو نظریہ پیش کیا، اس ملک کے فوجی حکمرانوں نے محض بدنیتی کے باعث اسے کبھی بھی پسند نہیں کیا۔ نہ صرف یہ کہ اس کو پسند نہیں کیا بلکہ اس نظریئے کی بنیاد پر کسی عملی تحریک کے اُبھرنے میں ہمیشہ رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔ یہ موضوع اس قدر طویل ہے کہ ان تمام واقعات کی روشنی میں ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ تاہم یہ نوبت ابھی نہیں آئی تھی کہ مقاصد اور طریق کار کے اس اختلاف کو بنیاد بنا کر ہمیں وطن دشمن قرار دیئے جانے کا فیصلہ کیا جاتا۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو وطن دشمن قرار دیئے جانے کا فیصلہ فوجی حکمرانوں نے عین اُس وقت کیا جب وہ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اپنے ناجائز اقتدار کو سہارا دینے اور اس ملک پر فوجی آمریت کی سیاہ رات کو طول دینے کی مجرمانہ کوشش کے سلسلے میں ایک سازشی ڈرامہ کا آخری سین تیار کر رہے تھے۔ یہ فروری 1971ء کا آخری ہفتہ تھا اور راولپنڈی کے ایوان صدر میں قابض فوجی آمروں کا ٹولہ پاکستان کے تیرہ کروڑ عوام کے منتخب نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی روکنے کیلئے اپنے منصوبے تیار کرنے میں مصروف تھے۔

اپنی تاسیس سے لے کر 24 فروری 1971ء تک این ایل ایف کے بارے میں حکمرانوں کے کسی بھی حلقے کی جانب سے نہ تو کسی قسم کے شکوک وشبہات کا اظہار کیا گیا تھا اور نہ ہی اس کی کارروائیوں جن میں گنگا ہائی جیکنگ کا واقعہ بھی شامل تھا کے متعلق یہ باور کرنے کی کوئی وجہ موجود تھی کہ ان کے پیچھے کوئی خفیہ مقصد کارفرما ہے۔ محولہ بالا سازش کی تکمیل کے لئے حکمران ٹولے نے این ایل ایف اور ہائی جیکنگ کو واقعہ کے اپنے عوام دشمن اور جمہوریت کش منصوبوں کا جواز پیدا کرنے کی خاطر چند غیر حقیقی اور بے بنیاد اسباب کے سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ 24 فروری 1971ء کو ہی ایوان صدر راولپنڈی سے اس سلسلے کی اوّلین ہدایات جاری کر دی گئیں۔ انٹر سروسز انٹیلیجنس بیورو کو حکم دیا گیا کہ وہ ہائی جیکنگ کے واقعہ کی تحقیق کرے، ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دی گئیں کہ حریت پسندوں کو عوام اور پریس سے دور رکھا جائے اور انہیں کسی خاموش مقام پر منتقل کیا جائے۔

جب ہم نے اس ہدایت کے پس منظر کے بارے میں دریافت کیا تو ہمیں بتایا گیا کہ ملک ایک نازک بحران سے گزر رہا ہے اور شیخ مجیب الرحمان کے ساتھ آئینی امور کے بارے میں جو آویزش چلی آرہی ہے، اسے حل کرنے کے لئے مغربی پاکستان میں سازگار ماحول پیدا کرنے کی غرض سے فی الحال کشمیر کے بارے میں عوام کے جذبات کو ٹھنڈا رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن چونکہ ہندوستان سے دوستی کے خواہشمند ہیں اس لئے وہ یہ بات پسند نہیں کرتے کہ کسی بھی معاملے میں فی الوقت ہندوستان کے ساتھ کشیدگی کو ہوا دی جائے۔ محض اس جذبے کے تحت مبادا ہماری تحریک کے باعث پاکستان کا آئینی بحران سنگین صورت اختیار نہ کر جائے اور یوں ہماری نیت کے بارے میں شکوک پیدا نہ ہو جائیں ہم نے اس سلسلے میں تعاون کیا اور حریت پسندوں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کو راولپنڈی سے ڈھاکہ ڈیم منتقل کئے جانے پر رضامند ہو گئے۔

چند ہی روز بعد ایوان صدر سے قومی اسمبلی کے مجوزہ اجلاس کے التواء کا اعلان کیا گیا اور یوں ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ملک کو درپیش آئینی بحران کی شدت میں اضافہ کیا گیا۔ سابق فوجی آمر کے اس اعلان کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں جو المناک واقعات پیش آئے انہیں برپا کرنے کا منصوبہ پہلے سے تیار کیا جا چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی شیخ مجیب الرحمٰن کو راولپنڈی آ کر سابق صدر کے ساتھ مذاکرات کی دعوت دی گئی اور جب اس نے دعوت قبول کرنے سے انکار کیا تو مارچ 1971ء کے دوسرے ہفتے میں ایوان صدر سے ایک اور اعلان جاری ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ سابق صدر شیخ مجیب سے مذاکرات کے لئے ڈھاکہ جانے والے ہیں۔ یحییٰ خان کے ڈھاکہ روانگی سے ایک روز قبل وزارت خارجہ کے ایک ترجمان نے اعلان کیا کہ ہائی جیکنگ کے واقعہ کی عدالتی تحقیقات کرائی جائے گی۔ عدالتی تحقیقات کے اس فیصلے کے بارے میں جب ہم نے حکومت پاکستان کے متعلقہ حکام سے وضاحت چاہی تو ہمیں بتایا گیا کہ یحییٰ، مجیب مذاکرات میں ہائی جیکنگ کے واقعہ کے بارے میں یقینی طور پر تبادلہ خیال ہوگا اور شیخ صاحب جہاز کے جلائے جانے کے بارے میں تحقیقات کا مطالبہ کر چکے ہیں۔ اس لئے اس اعلان سے ڈھاکہ مذاکرات میں تلخی کا ایک پہلو ختم ہو جائے گا۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا کہ بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے خلاف دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کا مقابلہ کرنے اور بین الاقوامی شہری ہوابازی کی تنظیم کا مطالبہ پورا کرنے کے لئے سرسری تحقیقات ضروری ہو گئی ہے۔ تاکہ عالمی سطح پر اس واقعہ میں پاکستان کے ملوث نہ ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا جا سکے۔ ہمیں یہاں تک بتایا گیا کہ اگر ضرورت محسوس کی گئی تو کمیشن قائم کیا جائے گا ورنہ شاید اس کی نوبت بھی نہ آئے۔

20 مارچ 1971ء کو عین اس وقت جبکہ ڈھاکہ میں یحییٰ، مجیب مذاکرات فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکے تھے اور فوجی حکمرانوں نے اپنی سازش کی بساط بچھا دی تھی اور صرف موزوں وقت کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ مرکزی حکومت نے کمیشن کے قیام کا اعلان کر دیا، کمیشن کی شرائط کو جان بوجھ کر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

خفیہ رکھا گیا اور متعلقہ حکام برابر یہی تاثر دیتے رہے کہ کمیشن ایک EyeWash ہے۔25 مارچ 1971ء کو یحییٰ خان کے اصل عزائم بے نقاب ہو کر سامنے آ گئے اور مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی شروع کر دی گئی۔ اس کے ٹھیک دو روز بعد 27 مارچ 1971ء کو تحقیقاتی کمیشن نے بھی کام شروع کر دیا۔ کمیشن میں شامل دو ارکان حکومت کے شعبہ ہائے سراغ رسانی سے تعلق رکھتے تھے جبکہ تیسرے رکن مسٹر راحت سعید چھتاری وزارت خارجہ کے نمائندے تھے۔ یہ وہی مسٹر چھتاری ہیں جن کو اس ملک کی پہلی عوامی حکومت نے شدید بدعنوانیوں میں ملوث ہونے کے الزام کی بناء پر ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔ واقعات کا تسلسل ظاہر کرتا ہے کہ مجھے اور میرے دوسرے ساتھیوں کے خلاف اس مقدمے کے سلسلے میں جو کارروائی کی گئی اس کے پیچھے ایک خاص مقصد کارفرما تھا، یہ مقصد سوائے اس کے کچھ اور نہیں تھا کہ حکمران ٹولے نے مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی کر کے ملک کو جس شدید خانہ جنگی سے دوچار کر دیا تھا اس کے لئے اپنی مرضی کے مطابق علاوہ دیگر اسباب کے ایک اور جواز پیدا کیا جائے۔ تحقیقاتی کمیشن نے حکمرانوں کی خواہش کے مطابق ایک رپورٹ مرتب کر کے یہ مقصد پورا کر دیا تھا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کمیشن کی رپورٹ صدر کو پیش کئے جانے سے چھ روز قبل یعنی 14 اپریل کو ہی مجھے اور میرے دیگر ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا اور کمیشن کی رپورٹ کے منظر عام پر لائے جانے کے بعد ہماری تحریک کو ختم کرنے کے لئے دار و گیر کا جو سلسلہ شروع کیا گیا اس کے تصور سے ہی وحشت ہوتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اقتدار کے نشے میں دُھت اور خود کو اس ملک کے سیاہ سفید کا مالک تصور کرنے والے حکمرانوں نے تاریخ کی اٹل حقیقتوں کو فراموش کر دیا تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ قدرت کی تعزیریں بڑی سخت ہوا کرتی ہیں۔ حق کے مقابلے میں باطل کی قوتیں بظاہر کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہوں آخر کار انہیں شکست ہوتی ہے اور سچائی اپنا وجود منوا کر ہی رہتی ہے۔ قدرت نے جلد ہی اپنا فیصلہ دے دیا اور وہ حکمران ٹولا جو اپنی سازشوں کی قربان گاہ پر ہمیں بھینٹ چڑھانے میں مصروف تھا، ہمارے مستقبل کو تاریک بنانے کی کوشش میں خود ہی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

حریت پسندی کا دعویٰ کرنا تو بڑا آسان ہے مگر اس راستے پر چل پڑنے کے لئے بڑے ہی دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس راستے کے مسافروں کو زندگی کے ہر موڑ پر آزمائشوں اور امتحانوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ بعض آزمائشیں ایسی سخت ہوتی ہیں کہ بیگانے تو کیا اپنے بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور بسا اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ جن سے دستگیری کی توقع ہوتی ہے وہ نہ صرف دست کش ہو جاتے ہیں بلکہ اپنے مفادات خصوصی کے پیش نظر رہزنوں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جد وجہد کا میدان یقیناً ایک کسوٹی ہے جو حق کے علمبرداروں اور باطل پرستوں کو ہی نہیں بلکہ منافقین کو بھی اپنے اپنے مقام پر لا کھڑا کرتی ہے۔ زندگی کے اس دور میں جو میں نے اپنے وطن کی آزادی کی خاطر ایک جنگ کی سی کیفیت میں گزارا ہے، نہایت ہی کٹھن اور صبر آزما امتحانوں سے گزرنا پڑا ہے۔ ایسے مراحل بھی آئے ہیں جب نہ صرف ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا بلکہ خود اپنی صلاحیتیں بھی جواب دیتی نظر آتی تھیں۔ ایسے موقعوں پر صرف ایمان کی قوت اور ارادے کی پختگی ہی مقاصد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں مددگار ثابت ہوئی ہے۔

یقیناً یہ بات حریت پسندوں کے شایان شان نہیں کہ وہ راہِ عمل میں پیش آنے والی مشکلات اور آزمائشوں کے بارے میں گلہ گذار ہوں۔ حق تو یہ ہے کہ آزمائشوں کے یہ ادوار حریت پسندانہ زندگی کا لازمہ ہوتے ہیں اور انہیں خندہ پیشانی سے گلے لگانا ہی انقلابیوں کا شیوہ ہونا چاہئے۔ آزمائشیں، اور صعوبتیں ان کٹھن لمحوں کا ایک حصہ ہوتی ہیں جن کا حریت پسندوں کو ہر وقت سامنا رہتا ہے۔ حریت پسندانہ سرگرمیوں کی پاداش میں ان ابتلاؤں کے علاوہ ایک اور کٹھن مرحلہ سے بھی واسطہ پڑتا ہے جسے عرف عام میں تشدد کہا جاتا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر تشدد کے تین ادوار سے گذرنا پڑا۔ یہ ادوار میری اسیری کے ان ایام پر مشتمل ہیں جن میں مجھے مقبوضہ کشمیر کے قابض حکام، آزاد کشمیر میں متعین ایف آئی یو کے گسٹاپو قسم کے فوجی افسروں اور آخر میں لاہور کے رسوائے زمانہ اور دور غلامی کی یادگار شاہی قلعہ کے پولیس افسروں کی پوچھ گچھ اور تحقیقات کے دوران واسطہ پڑا۔ تشدد کے ہر دور کی داستان اس قدر طویل ہے کہ ہر ایک کی تفصیل اس مختصر بیان میں ہرگز نہیں سما سکتی۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

البتہ ایک بنیادی حقیقت جس کا ذکر یہاں بے محل نہ ہوگا یہ ہے کہ تینوں مقامات پر مجھ پر کئے جانے والے تشدد کے مقاصد بالکل مختلف قسم کے تھے۔ مقبوضہ کشمیر میں مجھ پر اس لئے تشدد کیا گیا کہ قابض حکام میری ذات اور تحریک کے بارے میں حقائق کی تلاش میں تھے۔ مظفر آباد کے ایف آئی یو والوں کو حقائق کی تلاش تو نہ تھی البتہ وہ پہلے سے قائم کئے گئے مفروضات کے بارے میں مجھ سے تائید/شہادت حاصل کرنا چاہتے تھے اور شاہی قلعہ لاہور کے گماشتے مجھ سے صریحاً جھوٹ کہلوانا چاہتے تھے اور ایک طے شدہ سازشی منصوبے کی تکمیل کے لئے مجھ سے اپنی مرضی کے مطابق بیان دلوانا چاہتے تھے۔ یہ بات بھی اس ملک کے غاصب حکمران ٹولے کو ہی زیب دیتی تھی کہ اس کی انتظامی مشینری حقائق کو توڑ مروڑ کر خود ساختہ افسانوں کے لئے کردار گھڑنے کی مجرمانہ سعی میں بھی انسانیت سوز وحشت و بربریت کا مظاہرہ کرتی تھی۔ وہ ظلم و سفاکی کے اس عمل میں اس حد تک جا پہنچی جہاں انسان کو اس کے ضمیر سے ہی محروم کر دیا جاتا ہے۔ لاہور کے شاہی قلعہ میں مجھے اور میرے ساتھیوں کو جس بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا اس کی چند تفاصیل میرے دیگر ساتھیوں نے اپنے تحریری بیانات میں درج کی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی شاہی قلعے میں بہت کچھ ہوا اور درحقیقت بعض تفاصیل اس قدر شرمناک ہیں کہ انہیں ضبط تحریر میں لانا ہی ممکن نہیں ہے۔ شاہی قلعہ کے دو ماہ پر مشتمل دور تشدد و ظلم کا فیصلہ میں نے یوم حساب پر اٹھا رکھا ہے۔ مجھے اس امر کا بخوبی احساس ہے کہ یہ معزز عدالت اس مقدمہ کے سلسلے میں میرے متعلق خواہ کیسا ہی فیصلہ کیوں نہ دے، بہرحال میری ذات کے ساتھ انصاف نہیں ہوسکتا۔ میرے ان احساسات کی وجہ یہ نہیں کہ مجھے اس معزز عدالت کے ارکان کی دیانت کے بارے میں کوئی شبہ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ استغاثہ نے میرے خلاف اپنے من گھڑت الزامات ثابت کرنے کے لئے فرضی واقعات کا جو تانا بانا بُنا ہے ان کی حقیقت منظر عام پر لانے کے لئے میں موجودہ حالات میں کوئی کارروائی کرنے سے قاصر ہوں۔ فرضی واقعات کی یہ کہانی اگرچہ بجائے خود الف لیلوی داستانوں سے زیادہ افسانوی معلوم ہوتی ہے تاہم استغاثہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ میرے خلاف جو الزامات عائد کئے گئے ہیں ان کی حقیقت اس وقت تک منکشف

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

نہیں ہوسکتی جب تک میرا وطن جنگ بندی کی منحوس لکیر کے باعث دو ناقابل عبور حصوں میں منقسم رہے گا۔ تاہم مجھے کامل یقین ہے کہ میرے وطن کے اُفق پر آزادی کا حقیقی سورج طلوع ہوکر رہے گا اور ہمارے دلوں پر کھنچی یہ منحوس لکیر مٹ کر رہے گی۔ جس وقت یہ صورت حال پیدا ہوگی تو میرے کردار کے بارے میں اصل حقائق خود بخود منظر عام پر آجائیں گے۔ میرے ساتھ انصاف کشمیر کی تاریخ کی عدالت میں ہوگا۔ مجھ پر عائد کیا جانے والا ہندوستانی قابض حکام کا یہ الزام بھی غلط ثابت ہوگا کہ میں نے پاکستانی ایجنٹ بن کر مقبوضہ کشمیر میں حکومت کا تختہ الٹنے کی مجرمانہ سازش کی تکمیل کے لئے وہاں قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا ہے اور پاکستانی نوکر شاہی کا یہ الزام بھی بے بنیاد ہوگا کہ میں نے ہندوستانی ایجنٹ بن کر ہائی جیکنگ جیسا حریت پسندانہ آپریشن کرایا ہے۔ جو لوگ حریت پسندی کا شیوہ اختیار کرتے ہیں وہ انتہائی صبر آزما حالات میں بھی بے چین یا مضطرب نہیں ہوا کرتے۔ میں کامل سکون اور صبر و استقامت کے ساتھ اس معزز عدالت کے فیصلے کو سنوں گا۔ البتہ مجھے اس وقت کا انتظار رہے گا جب میں اپنا مقدمہ عوام کی عدالت میں پیش کروں گا۔ یہ عدالت انشاء اللہ آزادی کی فضاء میں میرے اپنے وطن میں لگائی جائے گی۔ اس عدالت میں وہ تمام ریکارڈ اور گواہ پیش کئے جائیں گے جو میرے کردار سے وابستہ رہے ہیں۔ عدالت میرے ساتھ ضرور انصاف کرے گی کیونکہ اس عدالت کے سامنے جو گواہ پیش کئے جائیں گے اور جو ریکارڈ پیش ہوگا اس کی تیاری میں نہ تو سرینگر کے ''مہتاب باغ'' کے تفتیشی مرکز کا ہاتھ ہوگا اور نہ ہی مظفر آباد کے دلائی کیمپ اور لاہور کے ''شاہی قلعہ'' کے حکام استغاثہ کی فرضی کہانیاں گھڑنے پر مامور ہوں گے۔ وہاں صرف اور صرف انصاف ہوگا اور بس۔ اس خصوصی عدالت نے استفسارات کے دوران مجھ سے ان احباب کے بارے میں وضاحت طلب کی تھی جن کی بناء پر ایف آئی یو سے میجر نصیر گل خٹک نے اپنی رپورٹ میں سرینگر جیل سے میرے فرار کو مشکوک قرار دیا تھا۔ عدالت میں دستاویزات کے معائنہ کے دوران ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل اس رپورٹ کا میں نے بغور مطالعہ کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ رپورٹ نہ صرف حقائق کے بالکل منافی ہے بلکہ اگر اسے ایک کم فہم اور متعصب

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

فوجی افسر کے متعصب ذہن کی پیداوار قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس رپورٹ کی بنیاد جن اسباب پر رکھی گئی ہے وہ تمام تر مفروضے ہیں اور ان کا اصل صورتحال سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ میں اس بیان میں اس اسباب پر مفصل بحث نہیں کرسکتا کیونکہ یہ کام میرے معزز وکیل صفائی کا ہے۔ تاہم ایک بات جس نے کم از کم مجھے حیران کیا ہے کہ فوج کے اس بزعم خویش ماہر سراغرساں افسر کو میرے فرار کی کہانی میں کچھ تضادات نظر آئے ہیں۔ فرار کی یہ کہانی اگرچہ ایک طویل داستان ہے تاہم میں نے اس کی تمام تر ضروری تفصیلات نہ صرف ایف آئی یو میں تحقیقات پر مامور حوالدار اور ایک صوبیدار کو بتائی تھیں بلکہ ایف آئی سی میں منتقل ہونے پر اس مرکز میں پوچھ گچھ کرنے والے افسروں کو لکھ دی تھیں۔ یہ ضرور ہے کہ ایف آئی یو کے حوالداروں کے پلے کچھ بھی نہ پڑا اور اپنی جان چھڑانے کے لئے پوچھ گچھ کے آخری روز انہوں نے ایک نائب صوبیدار کو میرے بیان کی تکمیل پر مامور کیا جس کو میں گھنٹوں اپنی کہانی Dictate کراتا رہا۔ ایف آئی سی میں البتہ میری کہانی سمجھنے اور جانچنے کی کوشش کی گئی۔ چھ ہفتوں کے طویل عرصے میں فرار کی منصوبہ بندی اور اس کی تکمیل کے بارے میں مجھ پر شدید اور مفصل جرح ہوئی اور اس کے نتیجے میں جو کچھ منظر عام پر آیا وہ ایف آئی سی اور ریویو بورڈ کی رپورٹوں کی صورتحال میں اس عدالت کے سامنے ہے۔ مجھے فرار کے متعلق ان واقعات کو ایک مرتبہ پھر ضبط تحریر میں لانا پڑا تا کہ میرے معزز وکیل صفائی استغاثہ کے ان گواہوں پر جرح کرسکیں جو میرے فرار کے متعلق اور پولیس کی فرضی کہانی کے مطابق بیان دینے اس عدالت میں حاضر ہوئے ہیں۔ یہ تحریر میں نے اپنے معزز وکیل صفائی جناب اعجاز حسین بٹالوی کے لئے بطور انسٹرکشن لکھی تھی۔ میں اسے من وعن عدالت کے سامنے توجہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔ مجھے اس میں وہ تضادات کہیں بھی نظر نہیں آئے ہیں جو میجر خٹک کی سراغرساں آنکھ کو دکھائی دیئے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کے فوجی سراغرساں اداروں کے ریکارڈ میں ہر اس شخص کو سیاہ (Black) قرار دیا جاتا ہے جو ملک پر مسلط فوجی آمروں کی پالیسیوں اور طرز عمل سے اختلاف جیسے جرم کا مرتکب ہوا ہو۔ بعینہٖ ہر وہ شخص غدار اور دشمن کا ایجنٹ قرار دیا جاتا رہا جو قومی معاملات میں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

حکمران ٹولے کی منشاء اور مرضی سے ہٹ کر کسی دوسرے لائحہ عمل پر چل پڑا۔ مجھے میجر خٹک اور اس قبیل کے دیگر فوجی افسران پر رحم آتا ہے۔ غلط نتائج اخذ کرنے میں ان کا اپنا قصور کم اور ان پر مسلط پالیسی ساز جرنیلوں اور اس روایتی تربیت کا اثر زیادہ ہے جو نوآبادیاتی حکمرانوں سے ہماری فوج کو ورثے میں ملی ہے۔ روایتی فوجوں کے جرنیل یوں بھی مسلح عوامی جدوجہد کے نظریئے سے بیر رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ نظریہ فوجی مقاصد کے حصول کے لئے اسلحہ کے استعمال پر فوجوں کی اجارہ داری ختم کرتا ہے۔ اور جنرل یحییٰ خان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ روایتی جرنیلوں کی حکومت نے حریت پسندوں کے مخالف عناصر سے ایسے گٹھ جوڑ کئے جو حریت پسندوں کے لئے مشکلات کا باعث بنے۔ یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ الجزائر، ویت نام، فلسطین اور افریقہ کی دوسری حریت پسند تنظیموں کو فوجی آمریت کے دور میں نہ صرف یہ کہ مناسب سرکاری پذیرائی حاصل نہ ہوئی بلکہ سرکاری پروپیگنڈہ مشینری تو انہیں ''چھاپہ مار'' تنظیموں کے نام سے عوام میں متعارف کراتی رہیں اور چھاپہ ماری کے تصور کو کچھ اس طرح پیش کیا گیا گویا یہ اچھے اور سلیقہ مند سپاہیوں کا شعار نہیں بلکہ Gangster اور Desparado قسم کے پیشہ وار ڈاکوؤں اور رہزنوں کا شیوہ ہے۔ اپنی مخصوص ذہنی پرداخت کے باعث روایتی فوجیوں کا مسلح عوامی کے نظریئے سے تطابق ممکن نہیں اور جب روایتی جرنیلوں کو سیاسی قیادت کے باعث مفادات خصوصی بھی حاصل ہوں تو ایسی صورتحال میں وہ انسانوں کی آزادی کے لئے چلائی جانے والی تحریکوں کو اپنا حریف اور دشمن تصور کرتی ہیں۔ پاکستان کا فوجی حکمران ٹولہ اپنے دور اقتدار میں کبھی بھی کشمیر میں عوامی طرز کی مسلح جدوجہد آزادی کا حامی نہیں رہا۔ اس ٹولے کو اس نظریئے سے اتنی ہی نفرت تھی جتنی قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو سور کے گوشت سے۔ یہی وجہ ہے کہ 1965ء کی جنگ اپنے مقاصد کے اعتبار سے محض ایک ناکام کوشش ثابت ہوئی اور کشمیری عوام کے لئے انجام کار اس دستاویز غلامی پر منتج ہوئی جسے عرف عام میں معاہدہ تاشقند کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو زیر عتاب لائے جانے کی اصل وجہ فوجی حکمرانوں کی یہی بنیادی مخاصمت ہے۔ استفسارات کے دوران میں مجھے ہدایت کی گئی کہ میں سروے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

آف پاکستان کے جاری کردہ کسی بھی مفصل اور کلاسیفائیڈ نقشے سے اس راستے کی وضاحت کروں جو میں نے سرینگر جیل سے فرار کے بعد آزاد کشمیر کی سرحد تک اختیار کیا۔ یہ نقشہ فراہم نہیں کیا جا سکا لہٰذا مجھے ایک Unrestrained نقشے پر ہی اس راستے کا تعین کرنا پڑا۔ چونکہ اس نقشے پر ان تمام مقامات کو نہیں دکھایا جا سکا ہے جن سے دوران سفر میرا گذر ہوا لہٰذا میں عدالت کی توجہ کے لئے از خود ایک نقشہ بنا کر پیش کرتا ہوں۔ اس میں درج تفصیلات اگر مقصود ہوں تو میری تجویز ہے کہ فوج کے محکمہ سراغرسانی سے مفصل قسم کا ممنوعہ نقشہ کشمیر منگوا کر اس کی تصدیق کرالی جائے۔ میں نے اس نقشے میں سفر کی تفصیلات تاریخ واریان کی ہیں۔ سولہ روز کا یہ سفر میری زندگی کا تاریخی سفر تھا۔ اس دوران مجھے جن تجربات ومشاہدات سے گذرنا پڑا، میں انہیں اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ تصور کرتا ہوں۔ جیل سے فرار کی تکمیل میں میرے ذہن کی کاوشوں کے ساتھ ساتھ تائید ایزدی کا دخل بھی تھا۔ مگر سولہ روزہ سفر نے میرے ایمان اور اعتقاد کو جو جلا بخشی، جس والہانہ عقیدت اور محبت سے میرے وطن کے محکوم عوام نے میرے مشن کی تکمیل میں مجھ سے تعاون کیا اور قدم قدم پر میری دستگیری کی، اس کے گہرے نقوش میں اپنے دل ودماغ سے کبھی بھی نہیں مٹا سکتا۔ خلوص اور نیک نیتی کے جو مظاہرے اس دوران میں نے دیکھے ان کی روشنی میں میرا یہ یقین تازہ ہوگیا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب آزادی کا سورج طلوع ہوکر رہے گا اور غلامی کے اندھیرے چھٹ جائیں گے۔ مجھے محبت اور تشکر کے وہ آنسو ہمیشہ یاد رہیں گے جو ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف روانہ ہوتے وقت مجھے اور میرے ساتھیوں کو رخصت کرنے والوں کے معصوم چہروں پر قطار اندر قطار گرتے نظر آئے۔ قدرت یقیناً اس قدر بے رحم نہیں ہے کہ دلوں کی گہرائیوں سے نکلنے والی آہوں اور دعاؤں کو شرف قبولیت نہ بخشے۔ میں وہ رقت آمیز مناظر کبھی نہیں بھول سکتا جب وادی کشمیر میں آباد اس آخری بستی سے میرے چند ہم وطنوں نے مجھے رخصت کیا۔ شام کے دھندلکے میں میرے مستقر پر موجود ان مقامی ساتھیوں اور دوستوں نے جس والہانہ عقیدت، آبدیدہ چہروں اور گلوگیر آوازوں کے ساتھ مجھے الوداع کہا میں اس کیفیت کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ انہیں دعاؤں کا اثر تھا کہ میں دسمبر کی خون منجمد کر دینے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

والی سردی میں 13 ہزار فٹ بلند نا قابل عبور برف پوش پہاڑوں کو بے سر وسامانی کی حالت میں پورے چھ روز مسلسل سفر کے دوران عبور کرتا ہوا اس عافیت گاہ میں پہنچ سکا جس کا نام ''آزاد کشمیر'' ہے ۔میرے ہم وطنوں نے لالچ اور سزا کے خوف سے بے نیاز ہو کر جس طرح مجھ سے تعاون کیا، ہماری قومی تحریک آزادی میں وہ روشنی کا مینار ثابت ہوگا اور آنے والی نسلیں اسے ایک قابل قدر نمونہ تصور کریں گی ۔ یہ اس تعاون کا کرشمہ تھا کہ ہماری آزادی کی دشمن طاقتیں مجھے دوبارہ گرفتار نہ کر سکیں اور یوں عوامی تعاون کی مدد سے ہمارے خلاف دشمن کی جوابی کارروائی ناکام ہوگئی ۔ استفسارات کے دوران مجھ سے نور العارفین کمیشن میں دیئے گئے میرے بیان کے بارے میں بھی دریافت کیا گیا تھا۔جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا یہ بنیادی طور پر درست ہے ۔میں نے یہ بیان پہلی مرتبہ اس عدالت میں پڑھا اور جن نکات پر وضاحت اور تشریح کی ضرورت ہے میں نے ان کو خط کشیدہ کیا ہے ۔ جب یہ بیان زیر بحث آئے گا، وضاحت پیش کر دی جائے گی ۔میں اب اس عدالت کا مزید وقت نہیں لینا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ خصوصی عدالت جلد از جلد وہ فرض پورا کرے جو اسے خصوصی حکم کے تحت تفویض کیا گیا ہے ۔میرے لئے سوائے اس کے فی الوقت کوئی راستہ نہیں ہے کہ خود کو وقت کے بے رحم ہاتھوں کے سپرد کر دوں اور اس موقع کا انتظار کروں کہ جب تعصب، بد نیتی، ظلم، استحصال اور مکر وفریب کے بادل چھٹ جائیں گے اور حق وانصاف کی روشنی عام ہو جائے گی ۔اس موقع پر میرا اصل مقدمہ اس وقت کی عدالت میں پیش ہوگا اور میں انصاف کے لئے اپنے دست دراز کروں گا''۔

اس مقدمہ کی سماعت دسمبر 1971ء میں شروع ہوئی ۔مقدمہ میں استغاثہ کی طرف سے 1984 گواہ پیش ہوئے جبکہ صفائی کے گواہوں کی تعداد 1942 تھی ۔مقدمہ تقریباً ڈیڑھ سال تک چلتا رہا۔ مئی 1973ء کو اس کو فیصلہ سنایا گیا ۔ فیصلے میں چار آدمیوں مقبول بٹ ، غلام محمد لون ،میر عبدالقیوم اور میر عبدالمنان کو باقی تمام الزامات سے بری کر دیا گیا البتہ بغیر لائسنس اسلحہ خریدنے اور مقبوضہ کشمیر بھیجنے کے جرم میں تا برخاست عدالت سزا سنائی گئی اور اسی دن رہا کر دیا گیا۔ اشرف قریشی کو بری کر دیا گیا ،صرف ایک ملزم ہاشم قریشی کو 14 سال کی سزا سنائی گئی ۔ ہاشم قریشی کی سزا کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی گئی ،اپیل کی سماعت کی باری آنے میں سات سال گزر گئے ،باری آنے پر سپریم کورٹ نے ہاشم قریشی کو رہا کر دیا۔ یوں کشمیری حریت پسندوں پر چلائے جانے والے اس مقدمے کا انجام ہوا۔ ''گنگا'' کا مقدمہ تو ختم ہو گیا اور این ایل ایف اور محاذ رائے شماری کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈے کی حقیقت بھی ظاہر ہوگئی ۔عدالت نے آزادی کے ان متوالوں کو تمام الزامات سے بری کر دیا لیکن ان لوگوں کے خلاف چلائی جانے والی مہم اور اس مقدمے نے گہرے گھاؤ لگائے ۔قومی محاذ آزادی ،جس نے ''گنگا'' کو اغوا کرنے کی ذمہ داری قبول کی تھی کو اس کے بعد بحران کا سامنا کرنا پڑا۔مقبول بٹ نے اسے محاذ رائے شماری کا عسکری ونگ قرار دیا تھا لیکن محاذ میں شامل لوگ مکمل طور پر اس کے حامی نہیں تھے ۔دوسری طرف مقبول بٹ کو1970ء میں محاذ کا صدر بھی بنالیا گیا تھا اس لئے یہ تنظیمیں الگ ہونے کے باوجود ایک ہی تنظیم کی صورت میں تھیں ۔ مقدمے کے بعد مقبول بٹ نے محاذ میں کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے زیادہ توجہ این ایل ایف کی طرف مبذول رکھی اور اسے دوبارہ منظم کیا۔ البتہ محاذ کے ساتھ بھی ان کا تعلق حسب سابق رہا۔ ان کی جگہ عبدالخالق انصاری کو دوبارہ صدر منتخب کرلیا گیا ۔اس دور میں مقبول بٹ این ایل ایف کو بھی منظم کرتے رہے اور محاذ کے ساتھ بھی تعلق قائم رکھا'' چنانچہ 1975ء کے انتخابات میں محاذ رائے شماری نے حصہ لینے کا فیصلہ کیا، اس وقت مقبول بٹ محاذ کے عہدیدار تو نہ تھے البتہ انہوں نے بھی محاذ کے ٹکٹ پر انتخاب لڑا۔ یہ انتخابات چونکہ آزاد کشمیر میں پیپلز پارٹی کو برسر اقتدار لانے کے لئے تھے اور پیپلز پارٹی نے اس میں بھرپور دھاندلی کی تھی اس لئے مجموعی طور پر یہی پارٹی کامیاب ہوئی ۔ محاذ رائے شماری کے تمام امیدوار بشمول مقبول بٹ ہار گئے ۔مقبول بٹ نے اگرچہ انتخابات میں حصہ لیا لیکن ان کی حقیقی توجہ این ایل ایف کو منظم کرنے پر تھی ۔ اواخر 1975ء میں انہوں نے دوبارہ مقبوضہ کشمیر جا کر تنظیم کو وہاں منظم کرنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ بعض ساتھیوں نے اس منصوبے کی مخالفت کی لیکن مقبول بٹ اپنے فیصلے پر اڑے رہے اور 1976ء میں وہ خفیہ طور مقبوضہ کشمیر چلے گئے اس دفعہ اس سفر میں ان کے ساتھ دو نوجوان عبدالحمید بٹ اور ریاض ڈار تھے ۔بدقسمتی سے چند ضمیر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

فروش ہمیشہ اس عظیم حریت پسند کے خلاف مصروف رہے۔1966ء میں بھی وہ ایک مخبر کی وجہ سے گرفتار ہوئے تھے اور اب بھی جب انہوں نے کشمیر کے سینے پر کھینچی ہوئی لکیر عبور کی تو بھارتی ایجنسیوں کو اس کی اطلاع پہنچادی گئی۔ چنانچہ وہ مقبوضہ کشمیر میں پہنچنے کے تھوڑے عرصے بعد گرفتار ہوگئے۔18/جون1976ءکو پاکستان میں مقبول بٹ کی گرفتاری کی خبر پہنچی، ان کے ساتھ حمید بٹ اور ریاض ڈار بھی گرفتار ہوگئے۔ بھارتی حکومت کو اپنا مفرور باغی دوبارہ مل گیا۔اب کی بار بھارتی حکومت نے انتہائی سخت انتظامات کر رکھے تھے۔انہیں جلد تہاڑ جیل دہلی منتقل کردیا گیا۔۔1978ء میں بھارتی سپریم کورٹ نے مقبول بٹ کی سابقہ سزائے موت بحال کردیا۔سپریم کورٹ نے تو سزائے موت بحال کردی تھی لیکن عوامی ردعمل کے ڈر سے بھارتی حکومت اس پر عمل درآمد نہیں کر رہی تھی۔اس معاملے میں بھارتی حکومت نے کشمیریوں سے رائے بھی لی۔بعض کشمیری لیڈروں نے سخت ردعمل کا عندیہ دیا جس کی وجہ سے حکومت مقبول بٹ کی سزا پر عمل سے گریز اں رہی اور اس سلسلے میں مناسب وقت کی منتظر رہی۔1981ء میں مقبول بٹ کو پھانسی کی کال کوٹھری میں منتقل کردیا گیا۔مقبول بٹ نے سزائے موت کے خلاف اپیل کی تھی لیکن بھارتی حکومت نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔حکومت حالات کا بغور جائزہ لیتی رہی۔چنانچہ جنوری1984ءتک اس ضمن میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا گیا تھا لیکن اس وقت بھارتی حکومت ہر قسم کے حالات کا بغور مشاہدہ کر چکی تھی اور مقبول بٹ کی پھانسی سے پیدا ہونے والے حالات سے نپٹنے کے لئے منصوبہ بندی بھی کر چکی تھی، چنانچہ جنوری1984ءمیں کابینہ کے ایک اجلاس میں مقبول بٹ کو پھانسی دینے کا حتمی فیصلہ کرلیا گیا۔ حکومت نے تو مقبول بٹ کو پھانسی دینے کا حتمی فیصلہ کرلیا تھا البتہ اس فیصلے پر عمل کے لئے آسانی ایک واقعے سے ہوگئی۔6فروری1984ءکو لندن میں ایک بھارتی سفارتکار مہاترے اغوا ہوگیا۔ اغوا کنندگان نے اپنا تعلق ''کشمیر لبریشن آرمی'' سے ظاہر کیا۔اس تنظیم کا نام پہلی بار سنا گیا تھا دراصل یہ تنظیم لبریشن فرنٹ کے کچھ ممبران نے اپنے طور پر قائم کی تھی۔بہرحال اغوا کنندگان نے 24 گھنٹوں کے اندر مقبول بٹ، حمید، ریاض اور بھارتی جیلوں میں قید دوسرے قیدیوں کی رہائی کا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

مطالبہ کیا اور دھمکی دی کہ ایسا نہ کیا گیا تو مہاترے کو قتل کر دیا جائے گا۔ بھارتی حکومت اس سلسلے میں کسی مثبت ردعمل کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی مہاترے کو رہا کرانے کے لئے کسی قسم کی بات چیت کی۔ کوئی مثبت جواب نہ ملنے اور 24 گھنٹے گذرنے کے بجائے 48 گھنٹے گزر گئے تو اغوا کنندہ نے مہاترے کو قتل کر دیا۔ مہاترے قتل کے بعد بھارتی حکومت نے اعلان کیا مقبول بٹ کو 11 فروری کو پھانسی دے دی جائے گی۔ اس اعلان کے بعد اگرچہ کچھ کوششیں اور اپیلیں کی گئیں کہ انہیں سزائے موت نہ دی جائے لیکن حکومت نے ایسی اپیلوں کو مسترد کر دیا۔ بھارتی سپریم کورٹ نے ایک منٹ کے اندر اندر مقبول بٹ کی پھانسی کے خلاف دائر اپیل کو خارج کر دیا اور یوں مقبول بٹ کے عدالتی قتل کا راستہ کھول دیا گیا۔ مہاترے کے اغواء کے فوراً بعد مقبول بٹ سے ان کا سارا سامان چھین لیا گیا، حتیٰ کہ قرآن پاک اور جائے نماز بھی چھین لی گئی تھی۔ اگرچہ مقبول بٹ نے یہ دونوں چیزیں آخر وقت تک پاس رکھنے کی درخواست کی تھی لیکن اسے منظور نہیں کیا گیا۔ 11 فروری 1984ء کو کشمیر کے اس عظیم فرزند نے کال کوٹھری میں اپنی آخری نماز، صبح کی اذان کے ساتھ ہی ادا کی اور بڑے عزم اور حوصلے سے خود چل کر تختۂ دار تک پہنچے اور ہمیشہ کیلئے باقی رہنے والی زندگی پائی۔

ولا تقولو لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتٌ۔ بل احیاءٌ ولا کن لا تشعرون

(اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو۔ بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور تم ہی شعور نہیں رکھتے)۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ایک کشمیری حریت پسند جناب خالق پرویز کی کتاب جلاءِ وطن سے ماخوذ اقتباس۔ایک پاکستانی آفیسر کے ساتھ شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹ کی تاریخی گفتگو۔

''محمد مقبول بٹ۔۔۔۔جو بعد میں شہید مقبول کے نام سے کشمیر کی تاریخ کا ایک نا قابل فراموش حصہ بن گیا ہے اصل میں ترہ گام کپوارہ کا رہنے والا تھا۔میں اس کو آٹھویں جماعت سے جانتا تھا۔اُس کے رشتہ دار بارہمولہ میں میرے ہمسایہ تھے جس کے باعث میرا اس کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔مقبول بٹ قد وقامت کے لحاظ سے ایک موزوں اور خوبصورت شکل وشمائیل کا نوجوان تھا۔تانبے کی طرح چمکنے والا اس کا گندم گوں چہرہ بڑا ہی پیارا اور معصوم تھا۔اس کی سنہری رنگت والی آنکھوں میں سمندر کی سی گہرائیاں تھیں۔اس کے قدرے سیاہ مائل سنہرے بال بڑے ملائم تھے جن کو وہ ہمیشہ مانگ نکالے بغیر اپنے سر کے پچھلے حصے کی طرف رکھا کرتا تھا۔متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے والا یہ نوجوان ہمیشہ صاف ستھرے کپڑے پہننے کا عادی تھا۔اس کی زندگی میں نہ کوئی تصنع تھا اور نہ بناوٹ۔عام لڑکوں جیسی بے ہنگم عادتیں بھی نہ تھیں۔اُسے علم وادب سے گہرا لگاؤ تھا۔وہ ہمیشہ یا تو مطالعہ کرتا رہتا تھا یا کسی موضوع پر بحث۔۔۔۔۔اُسے نصابی کتابوں سے زیادہ تاریخ ،اسلامیات، ادب اور صحافت سے دلچسپی تھی۔کھیل کود سے وہ دور ہی رہتا تھا۔وہ ہمیشہ ایسے لڑکوں سے دوستی کرنا پسند کرتا تھا جو اُسے ذہنی طور پر آسودہ کر سکتے یا ایسے لڑکے جو اس کے لئے تنہائیوں میں ذہنی غذا مہیا کرنے کا سبب بن سکتے تھے۔سینٹ جوزف بارہمولہ کے کالج کا پڑھا ہوا یہ لڑکا اپنے اُستادوں اور طلبہ میں ہر دلعزیز تھا۔مقبول بٹ عادات واطوار کے لحاظ سے بڑا ہی منفرد اور جداگانہ خصائل کا حامل تھا۔اپنی طبعی عمر سے زیادہ ذہین اور فہم وفراست کا مالک یہ وہ واحد لڑکا تھا، جسے نہ کبھی امتحان کی تیاریوں کی فکر رہتی اور نہ کبھی امتحانوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے کا غم۔۔۔۔وہ کچھ کلاس میں جو پڑھتا، اُسی کا توشہ لے کر امتحان دیتا۔وہ کسی طور بھی کتابی کیڑا نہ تھا۔بارہمولہ میں مقبول بٹ کو میں بہت ہی قریب سے جانتا تھا۔وہ اکثر میرے گھر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

آتا رہتا تھا اور گھنٹوں میرے پاس رہتا۔۔۔۔ ہماری دوستی ہائے ہیلو والی نہ تھی، بلکہ ہم دونوں ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے۔ہمارے درمیان ضرور کوئی قدر مشترک تھی، جس کے باعث نہ چاہتے ہوئے بھی ہم ایک دوسرے کے پاس رہنا پسند کرتے تھے۔وہ قدر مشترک کیا تھی جو ہمیں ایک دوسرے کے قریب لانے میں اپنا کردار نبھا رہی تھی۔۔۔۔۔ہمیں معلوم نہ تھا۔انسان کو اصل میں اپنے آئندہ آنے والے حالات کا کوئی علم نہیں ہوتا ہے۔مستقبل میں اُسے کن مرحلوں سے گزرنا ہے، کن رجحانات کو قبول کرنا ہے، کس قسم کے کام انجام دینے ہیں؟!۔حالات کے دھارے آہستہ آہستہ اُسے ان عوامل کی طرف لے جاتے ہیں ۔۔۔۔۔قدرت نے اُس کے مزاج کو دراصل اُسی طرز کا بنایا ہوتا ہے، جس پر وہ آگے چل کر کام کرتا ہے۔اس قسم کے مزاج، رجحانات اور رویّے کو قدرت کے اُس نوشتہ تقدیر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جو انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ہار کی طرح اس کے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ایک جیسی تقدیر پانے والے یہ لوگ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر مل جاتے ہیں۔خواہ شعوری طور پر، خواہ اتفاقات وحادثات کے نتیجے میں۔۔۔۔تجرباتی طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ کند ھم جنس با ھم جنس پرواز، کبوتر با کبوتر باز با باز۔۔۔۔ہم دونوں کو شاید قدرت نے سیاسی مزاج لے کر ہی دنیا میں بھیجا تھا۔یہ اور بات تھی کہ اس وقت ہمیں اپنے اس مزاج کا علم نہ تھا۔مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں کبھی اپنے وطن سے دُور ہوجاؤں گا۔نہ مقبول بٹ کو علم تھا کہ وہ اپنی چاچی اور بھتیجے کو لے کر پاکستان آئے گا۔ قدرت کا کھیل بھی نرالا ہے۔کوئی انسان اپنے مزاج کے مطابق دنیا میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔کوئی گمنائی کی زندگی میں رہ کر اپنے مزاج کو تسکین پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی حالات کی بھینٹ چڑھ کر موت کے مُنہ میں چلا جاتا ہے۔بارہمولہ میں میرے اور مقبول بٹ کے تعلقات اتنے گہرے تھے کہ پاکستان آکر مجھے تلاش کرنا اس کیلئے ضروری تھا، جس کے نتیجے میں وہ مئی کے آخری ایام میں مجھے ایبٹ آباد لے جانے کیلئے آیا تھا۔میں اس نئی صورت حال سے بڑا خوش تھا۔مجھے ایک تو گرمی کی تپش

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ستاری تھیں ۔دوسرے مقبول بٹ سے ملنے کا اشتیاق زور پکڑنے لگا ۔اس دوران جیلانی اور وانی بھی کمرے میں داخل ہوگے، میں نے خان کا ان سے تعارف کرالیا۔تینوں آپس میں خندہ پیشانی سے ملے ۔خان نے ان کو میرے ایبٹ آباد جانے کا معاملہ بتادیا ۔میرے ساتھیوں نے مجھے مبارکباد دی۔وانی نے کہا" تجھے تیرے چاہنے والے یہاں بھی ڈھونڈ نکالنے آئے ہیں"

ایبٹ آباد میں رہتے ہوئے اگر چہ مجھے کافی عرصہ ہوگیا تھا تاہم اس عرصے میں مقبول بٹ وہاں نہ آسکا۔اسے غم روزگار نے پشاور میں جکڑ رکھا تھا۔وہ مجھے اپنے خطوط میں ایبٹ آباد آنے کی زبردست خواہش کا اظہار تو کرتا تھا لیکن وہ اپنی اس خواہش کو عمل کا لباس نہ پہنا سکا۔میں خود بھی اس سے ملنے کے لئے بے تاب تھا۔میں اگست کے آخری ہفتے میں راولپنڈی کے تاج ہوٹل میں واپس آیا۔اب گرمی کا زور ٹوٹ چکا تھا۔میں نے پھر ریڈیو سٹیشن جانا شروع کیا۔آہستہ آہستہ میرے روز کے معمولات پھر ایک بار ماضی کی ڈگر پر واپس آ گئے۔مجھے پھر ان دوستوں سے رابطہ استوار ہوگیا جن کو میں ایبٹ آباد جاتے وقت راولپنڈی میں چھوڑ گیا تھا۔سلسلہ روز وشب اپنے مدار پر رواں دواں تھا ۔اس دوران ہم تین ساتھیوں نے تاج ہوٹل کی ایک کھڑکی کے اوپر "جموں وکشمیر پولیٹیکل کانفرنس شاخ پاکستان" کے نام سے ایک خوبصورت بورڈ بھی آویزاں کردیا۔اس طرح ہم نے پاکستان میں اپنے سیاسی کیریئر کو زندہ رکھنے کا سامان بھی پیدا کرلیا۔کبھی کبھی راولپنڈی کے اخبارات میں مسئلہ کشمیر سے متعلق اپنے پریس نوٹ بھی شائع کراتے رہتے تاہم اپنی تنظیم کو وہاں کے کشمیریوں میں فروغ دینے میں ہم نے کوئی دلچسپی نہیں دکھائی ۔ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں تھے کہ ہم پاکستان میں موجود کشمیریوں میں انضمام پاکستان کے مؤقف کے لئے کام کرتے یا ان کو اپنی تنظیم میں شامل کرانے کے لئے کوئی جدوجہد کرتے۔ہم محض پریس نوٹوں میں ہندوستان کے زیر انتظام کشمیر میں ہونے والے مظالم کو اُجاگر کرتے اوران کے ذریعے اپنے سیاست کار ہونے کا احساس دیتے ۔آزاد کشمیر اور پاکستان میں مسلم کانفرنس ہی وہ واحد سیاسی پارٹی تھی جو آزاد کشمیر میں حکومت سازی کی سیاست سے دلچسپی رکھتی تھی ، اس پارٹی کے قائدین بھی ہماری طرح کشمیر کی آزادی کے حق میں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

بیانات دے کر اپنی سیاست کو زندہ رکھے ہوئے تھے۔ مسلم کانفرنس کے ان قائدین میں اقتدار کی رسہ کشی پہلے سے ہی شروع ہوگئی تھی جس کے نتیجے میں اسپارٹی کے دو دھڑے بن گئے تھے۔ ایک گروپ کی قیادت سردار عبدالقیوم خان کر رہے تھے اور دوسرے حصے کی باگ ڈور سردار محمد ابراہیم خان کے ہاتھ میں تھی۔ اس صورتحال نے کشمیری مہاجروں کو بھی دو حصوں میں بانٹ دیا تھا۔ کچھ سردار عبدالقیوم خان کو اپنا پیشوا مان کر ان کے ہاتھ مضبوط کر رہے تھے، کچھ سردار محمد ابراہیم خان کے گرویدہ ہو کر ان کے ذریعے سیاسی فائدے حاصل میں کرنے میں مصروف تھے۔ ہمیں آزاد کشمیر اور پاکستان میں اس قسم کی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہم نے جموں و کشمیر کے دونوں طرف ایک جیسی سیاست کارفرما دیکھی۔ ہندوستان کے زیر انتظام کشمیر میں نیشنل کانفرنس ہندوستان کی بہی خواہ بن کر حکومت کرتی ہے، پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں مسلم کانفرنس پاکستان کی بہی خواہ بن کر اقتدار کا مزہ لوٹ رہی ہے۔ ہماری تنظیم کا ایسا کوئی وجود موجود نہ تھا، جو اپنے وجود کا احساس دلا کر حکومت سازی کی سیاست میں حصہ لیتی، پاکستان میں سیاسی طور پر ہماری حیثیت نہ ہونے کے برابر بھی.....البتہ حکومت پاکستان کی وزارت خارجہ اور امور داخلہ نے کشمیر پولیٹیکل کانفرنس کے نام سے مسئلہ کشمیر دُنیا کے سامنے اُجاگر کرنے کے لئے دو ایک بار ہم تین ساتھیوں کا سہارا لیا۔

نومبر کے آخری ایام تھے، راولپنڈی کے موسم میں عام لوگ اب سوئٹر اور کوٹ پتلون پہنتے تھے۔ میں ہوٹل کے کمرے میں ریڈیو کے لئے سکرپٹ لکھ رہا تھا کہ اچانک کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے آواز دی ''ہاں اندر آیئے''۔ جب دروازے کے دونوں پٹ کھل گئے، اُس وقت میری خوشی کی انتہاء نہ رہی، جب میں نے مقبول بٹ کو دروازے کی دہلیز پر مسکراتے ہوئے دیکھا۔ اس نے کوٹ پتلون پہن رکھا تھا۔ وہ آتے ہی مجھ سے بغلگیر ہوگیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو خوب بھینچا۔ میں نے اُس کہا ''دیکھئے تقدیر ہمیں کہاں سے کہاں لے آئی ہے''۔ اُس نے جواب دیا ''تجھے تو تقدیر نے یہاں بھیج دیا ہے، میں اپنا فرض نبھانے یہاں آیا ہوں''۔ میں نے پوچھا ''کون سا فرض؟'' جواب دیا ''میرا چچا بہت پہلے پاکستان چلا آیا ہے اور چچی کئی برسوں سے ایک بچے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کے ساتھ تر ہگام میں پڑی ہوئی تھی ۔ میں نے بارہمولہ سے گریجویشن مکمل کر کے چچی کو پاکستان لانے کا پروگرام بنالیا۔ اللہ کا شکر ہے ہم سرحد پار کر کے سلامتی سے یہاں پہنچ گئے ہیں ۔ اب میں اپنے چچا اور چچی کے ساتھ ہی رہتا ہوں ۔ میں نے تجھ سے ملنے کا بہت پروگرام بنائے ۔ محمد مقبول خان کو تمہیں آبیٹ آباد لانے کا مشورہ بھی دیا تا کہ پشاور سے ایبٹ آباد آ کر تم سے ملتا لیکن قدرت کو منظور نہ تھا کہ ہماری ملاقات نومبر سے پہلے ہوتی.....اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم کو جلا وطن کر دیا گیا تھا اُس وقت راستے میں تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آیا تھا؟''۔ میں نے جواب دیا.....جوگزری سوگزری.....البتہ اللہ کا کرم ہے اس نے ہمیں بچالیا۔ ہمیں قدم قدم پر موت کے مرحلوں سے گزرنا پڑا تھا۔ برف کے بڑے بڑے پہاڑ ہمیں عبور کرنے پڑتے تھے۔ اچھا! تم بتاؤ سرحد پر تمہارا سفر کیسا رہا۔ تمہیں بھی زبردست خطرات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا''۔ اُس نے جواب دیا ''نہیں ہم نے صرف ایک دن میں سرحد پار کر لی ۔ جب ہم تر ہگام سے نکلے، موسم نہ صرف موافق تھا بلکہ بڑا ہی خوشگوار بھی تھا۔ مجھے سرحد پار کرنے کے لئے اچھے موسم کا انتظار کرنا پڑا تھا کہ میرے ساتھ چچی اور اس کا پانچ سالہ بیٹا تھا''۔ اب بتاؤ کہ پشاور میں کیا کرتے ہو؟ روزگار کا کوئی بندوبست ہوگیا ہے یا میری طرح آوارہ گردی میں مصروف ہو''۔ اُس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''اللہ نے میرے مقدر میں جو کچھ لکھا ہے، مجھے ملے گا۔ میں اگر چہ اپنے چاچا کے ساتھ رہتا ہوں لیکن گزر اوقات کے لئے میں پشاور کے روزنامہ ''انجام'' میں سب ایڈیٹر کے طور پر کام کرتا ہوں ۔ اس کے علاوہ میں نے پشاور یونیورسٹی میں داخلہ بھی لیا ہے۔ دو اڑھائی بجے کے بعد وہاں سے لوٹتا ہوں اور دن کے چار بجے کے بعد اخبار میں کام کرتا ہوں۔ ان باتوں کے درمیان میں نے کپڑے تبدیل کر لئے اور پھر دونوں کچھ کھانے کے لئے دلبر ہوٹل چلے گئے ۔ مقبول کی وہاں بہت سے کشمیریوں کے ساتھ ملاقات ہوئی ۔ راولپنڈی میں قیام کے تیسرے روز ہم دونوں پشاور روانہ ہوئے ۔ راستے میں نوشہرہ اور اٹک جیسے اہم پڑاؤ آئے ۔ مقبول مجھے سفر کے دوران کومنٹری بھی سنا رہا تھا۔ جس سے مجھے صوبہ سرحد کے محل وقوع سے واقفیت بھی ہو رہی تھی ، ہم تیسرے پہر پشاور کے تاریخی شہر میں داخل ہو رہے تھے ۔ پشاور شہر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

صوبہ سرحد کا دارالخلافہ ہے اور تاریخ کے ہر دور میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس روز میں مقبول کے چچا سے ملا۔ وہ دبلے پتلے جسم کا ایک پچپن سالہ شخص تھا۔ اپنی طبیعت کے لحاظ سے ایسا نرم خو اور سادگی کا پیکر جس سے نہ کسی کو نقصان پہنچ سکتا تھا اور نہ کسی کو مدد ملنے کی توقع ہو سکتی تھی۔ وہ محض اپنے کام سے کام رکھنے والا تھا۔ مجھے دیکھ کر بس اتنا کہا "واپس پنڈی نہیں جانا۔ اپنے بھائی کے ساتھ پشاور میں ہی رہنا۔ دونوں یہاں رہ کر خوش رہو گے"۔ اس کے بولنے کا انداز ایسا تھا کہ میں نے اسے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ پشاور میں دوسرے روز مقبول نے مجھے چند کشمیریوں اور پشاور کے کچھ دوستوں سے ملایا۔ انہوں نے میری بڑی آؤ بھگت کی۔ سرینگر کے ایک تاجر نے ہم دونوں کو رات کے کھانے پر بلایا۔ اس نے وضع وضع کے کھانے تیار کرائے تھے۔ وہ رات ہم تینوں نے گپ شپ میں گزاری۔ اس رات سرحد کے لوگوں کا رہن سہن، ان کی روایات، ان کے کھانے پینے کے طور طریقے اور عادات واطوار زیر بحث رہے۔ برصغیر کے شب شہروں میں اگرچہ پٹن چائے پینے کا رواج ہے لیکن صوبہ سرحد میں تو قہوہ پینے کا چلن ہے۔ یہاں کے بازاروں میں جگہ جگہ قہوہ خانے ہیں۔ یہاں کے چھوٹے اپنے بڑوں کو احترام سے لالہ کہتے ہیں۔ میں حیران تھا کہ یہ لفظ کشمیر میں بھی بزرگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تیسرے روز مقبول مجھے پشاور یونیورسٹی لے گیا۔ وہاں بھی اُس نے مجھے اپنے دوستوں سے ملایا۔ اس دن کی شام کو وہ مجھے روزنامہ "انجام" کے دفتر پر لے گیا۔ وہاں کے سٹاف اور ایڈیٹر نے خوش مزاجی سے مجھے خوش آمدید کہا۔ مجھے اس وقت تک اخباروں میں کام کرنے کا طور طریقہ معلوم نہ تھا۔ میں نے قدرے دلچسپی سے اخبار کے سٹاف کے کام کو دیکھنا شروع کیا۔ کام کے دوران مقبول نے اچانک میری جانب قومی سطح کا ایک انگریزی اخبار بڑھا دیا۔ اس میں ایک خبر کو خط کشیدہ کر دیا گیا تھا۔ مقبول نے مجھے اس خبر کو اُردو میں ترجمہ کرنے کی فرمائش کی۔ میں نے کہا "بھائی مجھے اخبار کا کوئی تجربہ نہیں ہے"۔ اس نے جواب دیا "ریڈیو اور اخبار کے اسلوب میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے تم کوشش تو کرو"۔ میں نے ساری خبر کو پڑھ لیا اس کا سارا مفہوم اپنے ذہن میں سما دیا۔ لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنے کے بجائے اسے ایسے لکھا، جیسے وہ ترجمہ نہ لگے۔ میں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

نے خبر کو مقبول کی جانب بڑھادیا اور کہا کہ اب اس کی نوک پلک سیدھی کرلو۔ مقبول نے پوری خبر کو پڑھ لیا۔ قدرے توقف کے بعد کہا ''تم نے تو کمال کر دیا خبر کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ جیسے ترجمہ نہ ہو بلکہ اُردو میں ہی لکھا گیا کوئی واقعہ ہو''۔

دوسری صبح کو مقبول مجھے راولپنڈی جانے والی گاڑ میں الوداع کہہ رہا تھا۔ پاکستان میں مقبول اور میری ملاقات قدرت کی جانب سے ایسی سوغات تھی، جس پر ہم دونوں نازاں تھے۔ اب ہم مستقل طور پر ایک دوسرے سے اُسی طرح ملتے رہتے تھے جیسے کشمیر میں دو ایک ماہ کے بعد وہ ضرور بارہمولہ آتا اور مجھ سے ملے بغیر کبھی واپس نہیں جاتا تھا۔ ہم دونوں کی یہ ملاقاتیں محض دو دوستوں کی سی ہوتی تھی۔ اُس وقت تک ابھی مقبول کے سیاسی خیالات سامنے نہیں آئے تھے اور نہ ہی نظریات میں کوئی تبدیلی آئی تھی۔ ہم دونوں پاکستان میں عام کشمیری مہاجرین کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔

پاکستان میں ہمارے یوں ہی ماہ و سال گذر رہے تھے۔ مقبول اور میرا رابطہ تقریباً ایک سال سے ٹوٹا ہوا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ سیاسی طور پر اس کے نظریات میں تبدیلی آئی ہے۔ وہ الحاق پاکستان کے برعکس ایک آزاد اور خودمختار ریاست کو مسئلہ کشمیر کا صحیح حل تصور کرتا ہے، اُس نے اپنے اس موقف سے پاکستان میں رہنے والے آسودہ حال کشمیریوں کو اپنا ہم نوا بنانے کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں اُس نے پشاور سے مظفر آباد اور میر پور کے بھی کئی دورے کئے تھے۔ اپنے اس موقف کو ابھی اس نے کوئی سیاسی نام نہیں دیا تھا۔ مجھے اس نے اپنے ان نئے نظریات سے بے خبر رکھا تھا۔ وہ مجھے الحاق پاکستان کا زبردست حامی سمجھتا تھا اس لئے اس نے دوستی اور سیاست کو علیحدہ رکھا تھا۔ مارچ کی ایک شام کو مقبول اچانک میرے فلیٹ کی بیٹھک میں وارد ہوا، اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ ہم دونوں گلے ملے، میں نے بڑی مدت کے بعد ملنے کا گلہ کیا۔ جواب دیا کہ مصروفیت کی وجہ سے راولپنڈی آنا قدرے محال ہوگیا تھا۔ آج تو آیا ہوں، سال بھر کی باتیں آج کی رات کریں گے۔ مقبول نے باتوں باتوں میں اپنے موقف کو میرے سامنے اشارتاً ظاہر کرنے کا طریقہ اختیار کرلیا، جسے میں اُس وقت مجنوں کی بڑ سمجھ بیٹھا۔ دوسری صبح کو معمول کے خلاف بیٹھک کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

دروازے پر دستک ہوئی ۔میں سمجھا کوئی جان پہچان کا آدمی ہوگا۔ میں اُٹھا اور دروازہ کھول دیا۔ دروازے کے پاس میں نے ایک اجنبی کو دیکھا۔ میں نے حیرت سے اسے پوچھا ''آپ کس سے''.....میرا جملہ پورا کرنے سے پہلے اُس نے پوچھا '' بٹ صاحب اندر ہیں ۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں''۔نوارد چونکہ کسی طور کشمیری نہیں لگتا تھا، اس لئے میں نے پوچھا ''آپکی تعریف''؟ اُس نے جواب دیا ''مجھے رانا کہتے ہیں ۔ میں آئی بی کا آدمی ہوں ۔ بٹ صاحب کو پیغام دینا ہے''۔میں نے ان کو اندر لایا اور مقبول سے ملایا.....اُس نے پھر اپنا پورا تعارف کرایا اور آنے کا مقصد بھی بیان کیا۔ انٹیلیجنس کے اس اہلکار کے ذریعے معلوم ہوگیا کہ وزارت امور کشمیر کے ڈپٹی سیکریٹری میجر یوسف نے مقبول بٹ کو اپنے دفتر میں طلب کیا ہے ۔میجر یوسف قوم کے اعتبار سے پٹھان تھا۔ بڑا ہی خوش مزاج اور وسیع ذہن کا مالک تھا۔ میں ان سے کئی بار مل چکا تھا۔مقبول بٹ نے رانا کو بتایا کہ وہ میجر سے گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان ملنے آئے گا۔اپنے اس دوست کو بھی ساتھ لے آؤں گا۔ جی ۔ایم مفتی اور اشرف اس وقت فلیٹ پر موجود نہ تھے۔ وہ دونوں مظفر آباد گئے تھے۔ہم نے آئی بی کے اس اہلکار کو چائے پلا کر رخصت کر دیا۔گیارہ بجے ہم دونوں نے باہر جانے کے لئے کپڑے تبدیل کئے ۔ میں راستے میں مقبول سے کہا '' وزارت امور کشمیر کا یہ افسر تم سے کیا پوچھنے والا ہے.....وہ تو تم کو جانتا تک نہیں ہے۔تمہارا پشاور سے میرے پاس آ کر ٹھہرنا ۔صبح کو ہی آئی ڈی اہلکار کا تمہاری تلاش میں ٹھیک میرے فلیٹ میں آنا ..... یہ تو بڑا پُر اسرار لگتا ہے.....''۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔مقبول نے جواب دیا '' کیا چاہتا ہے وہ تجھ سے؟''میں نے پھر پوچھا ''یہ ایک ٹیڑھا معاملہ ہے،راستے میں اس پر بات کرنا کچھ اچھا نہیں ہے ۔واپس آ کر اطمینان سے بات کریں گے۔تمہیں خود سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔اس جملے کے بعد دھیرے سے اس کے لب یہ شعر گنگنائے ۔

بیڑیاں کس نے خیالات کو پہنائی ہیں کبھی نغمے بھی گرفتار ہوئے ہیں اے دوست

اس اثناء میں بس سٹاپ پر رُکی ۔ہم بس میں سوار ہو گئے ۔دس پندرہ منٹ کے بعد مقبول وزارت

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

امور کشمیر کے Receptionist کو اپنی آمد سے آگاہ کر رہا تھا۔ ریسپشنسٹ نے فون پر کسی سے رابطہ کیا۔ اسے مقبول اور میرے بارے میں اطلاع دی۔ کچھ وقفے کے بعد ہمیں اندر آنے کی اجازت دی گئی۔ ڈپٹی سیکریٹری مجھے مقبول کے ہمراہ دیکھ کر حیران سا رہ گیا۔ اس نے اپنی حیرانگی ظاہر کرنے سے پہلے مقبول بٹ کا والہانہ انداز میں خیر مقدم کیا۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھا مقبول سے مصافحہ کیا اور اسے کرسی پر بٹھایا۔ مقبول نے مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا اور آفس میں طلب کرنے کی وجہ پوچھی۔ میجر یوسف نے میز کے اوپر رکھی ہوئی ایک فائل کو اٹھایا۔ اس کی ورق گردانی شروع کی۔ فائل کو بند کر کے مقبول سے کہا ''آپ کو معلوم ہے اس فائل میں کیا ہے؟'' میں نہیں سمجھا، مقبول نے جواب دیا۔ ''اس فائل میں آپ کی ساری زندگی کا ریکارڈ درج ہے۔ مقبوضہ کشمیر سے پاکستان آنے تک کی آپ کی تمام مصروفیات، خیالات، عادات واطوار، کردار، رشتہ دار اور یار دوستوں کا سارا شمار ہے''۔ مقبول نے میجر سے پوچھا ''جناب! میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔ آپ مجھے کیا پیغام دینا چاہتے ہیں''۔ بٹ صاحب جہاں تک آپ کی فائل کا تعلق ہے اس میں اگر چہ آپ کی زندگی کا ہر گوشہ تحسین وآفرین کے قابل ہے تاہم آپ کا خود مختار کشمیر کا نظریہ حکومت پاکستان کے مؤقف کے خلاف ہے، جس نے آپ کی اس خوبصورت فائل کو ہماری نظروں میں گرد آلود کر دیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپ پاکستان اور آزاد کشمیر کے کشمیری مہاجرین کے بااثر شخصیات کو اپنے نئے سیاسی فعرے کے حق میں تیار کرنے میں مصروف ہو گئے ہیں۔ آپ کے اس نظریے سے جہاں سیکورٹی کونسل کی پاس شدہ قراردادوں پر اثر پڑ سکتا ہے، وہاں کشمیری عوام بھی انتشار کا شکار ہو کر ایک نئے بحران سے دوچار ہو جائیں گے۔ کشمیریوں کے مفاد میں ہے کہ آپ وہ نظریہ ترک کر دیں۔ میں آپ کو دراصل یہی پیغام دینا چاہتا ہوں..... ماشاء اللہ! ہمیں علم ہے کہ آپ ایک اچھے اور سچے مسلمان ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری بات سمجھ گئے ہوں۔ باقی رہا آپ کے روزگار کا مسئلہ، میں آپ کو گارنٹی دیتا ہوں کہ حکومت پاکستان وہ مسئلہ آپ کی خواہش کے مطابق حل کرے گی..... میں حیران ہوا کہ آپ کا دوست انضمام پاکستان تحریک چلانے کی پاداش میں جلاوطن کر دیا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

گیا ہے اور آپ ایک ایسے نظریے کو جنم دے رہے ہیں جس سے آپ کے دوست کے جذبات کو بھی ٹھیس پہنچ سکتی ہے۔

مقبول بٹ بڑی خاموشی سے میجر یوسف کی باتیں سن رہا تھا۔ اس دوران اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تاباں تھی اور ظاہر کر رہی تھی کہ اس کے اندر کا مقبول بٹ کسی قسم کا اثر لینے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ اس میٹنگ میں پہلی بار میجر یوسف نے مجھے مقبول بٹ کے دوست کے طور پر پہچان لیا تھا۔ اس طرح اُس نے خود ہی اپنی اُس حیرت کو دور کر دیا جو اس نے ہماری آمد کے موقع پر ظاہر کی تھی۔ اچانک اس عالیشان کمرے کے دائیں بغل سے ایک دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ مقبول او رمیری آنکھیں آواز کی جانب مرکوز ہوگئیں۔ دروازے کے اندر سے ایک ملازم نمودار ہوگیا، جس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ ٹرے کے اوپر کیتلی اور چند فنجان قسم کے پیالے تھے۔ اس نے ہمارے سامنے فنجان رکھ دیئے اور ان میں قہوہ انڈیل دیا..... میجر یوسف نے اصل میں اپنے آفس میں قہوہ کا انتظام کر رکھا تھا۔ اُس نے اپنے ملازم کو قہوہ لانے کا کب حکم دیا تھا ہمیں معلوم نہ ہو سکا۔ مقبول نے میجر یوسف کی تمام باتیں سن کر قہوے کی چسکی لیتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہنا شروع کیا ۔''ہمیں اپنی آزادی کی جنگ خود لڑنی ہوگی۔ یہی ایک صورت ہے جس کو عالمی سطح پر تسلیم کیا جائے گا۔ آپ اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ ہندوستان آپ کو 'وہ' کشمیر سونے کی تشتری میں پیش نہیں کرے گا اور آپ 'یہ' کشمیر ہندوستان کو تحفے میں نہیں دے سکتے۔ الحاق کی اصطلاح نے کشمیر کے مسئلے کو دونوں ملکوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ بنا دیا ہے۔ ایک اسے اپنے ملک کا تاج کہتا ہے، دوسرا اسے اپنی شہہ رگ قرار دیتا ہے، پھر آپ بتا دیجئے کہ مسئلہ کشمیر کیسے حل ہوگا..... برصغیر کی تقسیم دو قومی نظریہ کے تحت ہوئی تھی۔ سیاسیات کے جو کھیل کھیلے گئے، انہوں نے جو ناگڑھ کو دو قومی نظریے کے تحت پاکستان سے ملنے نہیں دیا اور نہ ریاست جموں وکشمیر کو ایک رہنے دیا۔ الحاق پاکستان یا الحاق ہندوستان کی رٹ لگانا ایسے حالات میں ایک سعی لاحاصل ہے، جس نے نہ صرف کشمیری عوام کے مسائل ومشکلات میں اضافہ کر دیا ہے بلکہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان زبردست محاذ آرائی کا خطرہ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

بھی کڑا کر دیا ہے''۔

''میرا مؤقف یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان آپس میں دو اچھے ہمسایوں کی طرح رہیں۔ایک دوسرے پر بھروسہ کریں۔دونوں ملک مسئلہ کشمیر کو اپنی انا اور غیرت کا مسئلہ نہیں بنائیں۔دونوں ریاست جموں وکشمیر سے دستبردار ہو جائیں.....دونوں ملک ریاست کی سالمیت اور خودمختار حیثیت کو تسلیم کریں۔دونوں ملک اس ریاست کو تحفظ دیں۔دونوں ملک کشمیر کو مغرب کا سوئزرلینڈ سمجھ کر اسے امن کا گہوارہ بنا دیں۔دونوں ملک ریاست جموں وکشمیر کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھیں اور دونوں ملک یہ باور کرنے میں مدد کریں کہ ہندوستان اسے مسلمان کا ملک نہ جان لے اور مسلمان اسے ہندوؤں کا ملک نہ سمجھ سکے۔یہی وہ معروضی حل ہے جو برصغیر میں امن وامان قائم کر سکتا ہے اور جس سے نفرتوں کی خلیج بھی پاٹی جا سکتی ہے''۔''میجر صاحب!میرا نظریہ کسی ایک ملک کے خلاف ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی میں یہ نظریہ اپنی کسی ضرورت کے پیش نظر اختیار کر چکا ہوں۔روزی اور روزگار تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔مجھے وہی ملے گا جو اُس نے میرے مقدر میں لکھا ہوگا۔باقی میرے بارے میں آپ کا حسنِ ظن میرے لئے باعث افتخار ہے۔اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں''۔مقبول بٹ نے میجر یوسف کے سامنے اپنے نظریے کی وضاحت ایک اچھے مقرر کے طور پر کی۔میجر یوسف اس دوران بڑی خاموشی سے مقبول کے اندرون کا جائزہ لے رہا تھا۔اسے یقین ہونے لگا کہ مقبول بٹ اپنے نظریے کی سچائی کا اتنا قائل ہے کہ اسے لالچ دینا یا ڈرانا دھمکانا لایعنی سی بات ہے۔میجر یوسف چونکہ ایک آزمودہ کار ریپور کریٹ تھا،اُس نے مقبول بٹ سے کہا ''آپ نے اپنا مسکن صوبہ سرحد میں رکھا ہے۔میں بھی صوبہ سرحد کا رہنے والا ہوں۔میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں اور اُمید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے اپنا دوست سمجھ کر ملتے رہیں گے''۔

میجر یوسف نے رُخصت ہونے سے پہلے مقبول بٹ کو اپنے گھر کا ایڈریس دے دیا اور جواب میں مقبول بٹ نے اسے اپنا پتہ لکھ کے دیا۔ہم دونوں نے میجر یوسف سے ہاتھ ملایا اور وہاں سے رُخصت ہوئے۔مقبول نے میجر کے سامنے جس طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا وہ ان خیالات سے بالکل مختلف تھے جن کا اظہار وہ کشمیر میں یا پاکستان آتے وقت کرتا تھا۔ہم دونوں کے سیاسی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

نظریات ایک جیسے تھے، آج جس طرح اُس نے مسئلہ کشمیر کو میجر یوسف کے سامنے پیش کیا تھا اُس نے مجھے حیران کر دیا۔ مقبول کے خیالات میں یہ تبدیلی کیسے رونما ہوئی۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ میں نے اپنے فلیٹ میں جب مقبول سے رانا کی آمد کی وجہ پوچھی تو، اس وقت نے کہا "چلو تمہیں خود معلوم ہو جائے گا"۔ آج مجھے پہلی بار ایک ایسا نظریہ متعارف ہو رہا تھا، جس کا اظہار آج تک ریاست کے کسی سیاستدان نے نہیں کیا تھا بلکہ میرے ایک دوست نے کیا تھا، جس کے کردار پر کسی طرح بھی شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ جس کے خیالات کو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی کسی لالچ کے عوض خرید نہیں سکتی تھی۔ جو کسی ردعمل کے نتیجے میں بھی اپنے مؤقف سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا..... پھر یہ سیاسی کروٹ کیسے ظہور میں آئی تھی، جس کو مقبول نے اقرار باللسان اور تصدیق القلب کے ساتھ میجر یوسف کے سامنے بیان کیا تھا۔ میجر یوسف کے دفتر سے نکلتے وقت ہم نے دوپہر کا کھانا ایک ہوٹل میں کھایا۔ مقبول کو کسی کام کے سلسلے میں میر پور جانا تھا۔ میں نے اگرچہ اس کے سیاسی نظریات کی وجہ پوچھی تھی، تاہم اُس نے کہا کہ مجھے پہلے کام کرنے دو۔ ابھی میں پاکستان اور آزاد کشمیر میں رہنے والے دانشوروں کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ابھی میں نے کوئی تنظیم نہیں بنائی ہے..... اور وہ دو بجے کی گاڑی سے میر پور کی جانب روانہ ہو رہا تھا۔

(جلاء وطن از خالق پرویز)

شہید بابائے قوم سے متعلق ان کے ایک جیل ساتھی بابا رنجیت سنگھ کا بیان۔

عظمت وہ کہ جس کا اعتراف اپنے ہی نہیں غیر بھی کریں۔۔۔۔۔

بابا رنجیت سنگھ امرتسر اکال تخت کے جتھے دار ہیں۔ وہ امرتسر کے ہی ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ 24 نومبر 1982ء کو گرفتار ہو کر وہ پہلی دسمبر کو دہلی کے تہاڑ جیل لائے گئے اور وہاں وارڈ نمبر ایک میں انہیں نظر بند کر دیا گیا جہاں پہلے سے ہی شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹ موجود تھے۔ بابا رنجیت

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سنگھ جوتا دمِ تحریر ایام اسیری کاٹ رہے ہیں، نے ایک ملاقات میں فرمایا۔ ''میرے یہاں (تہاڑ جیل میں) آنے کے پہلے ہی روز دوپہر کے وقت ایک ملازم (وارڈن) جس کا نام بلیشور تھا آیا اور کہا کہ آپ کو خان صاحب یاد فرما رہے ہیں۔ میں کافی تذبذب کا شکا ہوا اور ان کے پاس جانے کا قصد کیا۔ ذہن میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ چونکہ جیل میں پہلی دفعہ کسی اجنبی شخص سے ملاقات ہوئی تھی۔ ویسے فاصلہ کچھ نہیں تھا۔ مقبول بٹ صاحب نمبر ایک سیل میں مقیم تھے جبکہ میرے سیل کا نمبر چار تھا۔ جب میں ان کے روبرو حاضر ہوا تو یہ احساس ہوا کہ جیسے میں ان سے صدیوں سے واقف ہوں۔ عجیب پرکشش شخصیت تھی۔ باتوں میں خاص قسم کی کشش اور ملائمت تھی۔ کیا ہی حلیم اور سادہ لوح طبیعت پائی تھی۔ غرض کہ جو بھی ان سے ملتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور ہمیشہ کے لئے ان کا گرویدہ ہو کر رہ جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ مقبول بٹ کا نام ہر خاص و عام نہایت عزت و احترام سے لیتا تھا''۔ بابا رنجیت سنگھ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ مقبول بٹ شہید روحانی طاقت کے حامل تھے۔ بابا ان کی ذہانت اور دوراندیشی سے حد درجہ متاثر ہو کر ایک مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''ایک روز پنجاب تحریک پر بات ہو رہی تھی کہ مقبول بٹ صاحب نے یکا یک کہا کہ اگر آپ لوگ متفق نہ رہو گے اور باہم اتفاق نہ رکھو گے تو نفاق کا فائدہ اٹھا کر یہ ظالم حکومت اپنی فوج لے کر آپ کے گولڈن ٹیمپل پر یلغار کر دے گی۔ اس بات سے میں نے اتفاق نہیں کیا کیونکہ یہ بات میرے تو کیا کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی اور تصور سے بھی بالاتر تھی لیکن آئندہ پیش آنے والے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ شہید مقبول بٹ نے ایک حقیقی پیشین گوئی کی تھی۔ آج جب میں اپنی زندگی کے ان گزارے ہوئے لمحات پر نظر ثانی کرتا ہوں تو پاتا ہوں کہ وہ شخص تو ہر فن مولا تھا، جس کی باطنی شخصیت اتنی ہی سادہ تھی جتنا اس کا لباس، مگر وہ غیر معمولی شخصیت تھی اور ظاہری طور پر اس کا اندازہ بہت مشکل سے لگایا جا سکتا تھا، کیونکہ یہ شخصیت مستقبل میں جھانک کر دیکھنے کی صلاحیت رکھتی تھی''۔ بابا کہتے ہیں: ''کبھی کبھی مقبول بٹ صاحب کو دہلی ہائی کورٹ میں پیش کیا کرتے تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ انہیں کس مقدمہ میں پیش کرتے تھے۔ عدالت جاتے وقت بھی وہ ان ہی کپڑوں میں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہوتے تھے۔ مجھے ان کی سادگی بہت پسند تھی پھر بھی ان کے لئے میں نے چند کپڑے منگوائے تا کہ عدالت جاتے وقت وہ انہیں استعمال کرسکیں ۔ مجھے پتہ تھا کہ ان کی ملاقات شاذ و نادر ہی آتی تھی۔خبریں سننے کا ان کو خبط کی حد تک شوق تھا۔خصوصاً بی بی سی لندن، وائس آف امریکہ اور جرمن ریڈیو کی خبریں وہ بہت ہی انہماک سے سنا کرتے تھے۔روزانہ انڈین ایکسپریس اخبار پڑھتے تھے اور کافی وقت اس پر صرف کرتے تھے پھر آخر کار وہ دن بھی قریب آ گیا جب وہ اس جہان فانی کو خیر باد کہہ کر ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے ۔یہ کہتے ہوئے بابا کی آنکھیں پرنم ہوگئیں اور ان کا گلا رندھ گیا ۔ ایسا لگا جیسے وہ ماضی کے اندھے کنوئیں میں کھو گئے ہوں۔بولے:'' آج جب وہ گزرتے ہوئے دن یاد آتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے ۔8فروری 1984ء کی صبح ریڈیو پر خبر آئی کہ لندن میں ہندوستانی سفیر کو اغوا کرلیا گیا ۔ یہ خبر سنتے ہی مقبول بٹ صاحب بے چین ہو گئے اور خاموشی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے ۔کافی دیر کے بعد میرے پاس آئے اور بولے دیکھو رنجیت یا تو اس کو خالصتان والوں نے یا پھر کشمیریوں نے اٹھایا ہوگا۔سارے دن اسی موضوع پر بحث ہوتی رہی ۔ اگلے روز 9فروری 1984ء کو پورے جیل کا ماحول بدلا ہوا تھا۔صبح ہی صبح جیل لاکار ہمیں ''گڈ مارننگ'' کہنے آتے تھے۔اس دن صبح اخبار بھی ملنا بند ہوگیا۔ڈی اے پی (دہلی آرمڈ پولیس) کے افراد ہمارے ساتھ کھیلا کرتے تھے مگر اس دن وہ پولیس والے بھی ہمارے پاس نہ آئے ۔ڈی جے (دہلی جیل) والے بھی ہم سے دور الگ بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے۔غرض یہ کہ سارا ماحول ہی بدل گیا تھا۔ میں نے مقبول بٹ صاحب سے دریافت کیا! بٹ ، یہ کیا بات ہے ،سب کچھ بدل سا گیا ہے ۔انہوں نے جواب دیا۔کیا ہوا،جیل میں ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں ۔ چہار طرف خاموشی کی حکومت تھی۔تھوڑا وقت گزرنے کے بعد ایک سپاہی جس کا نام بلوان تھا اور جو کورٹ موقعے پر ڈیوٹی دیتا تھا اندر آیا او ہمارے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ہم نے اس سے رسماً دریافت کیا کہ بلوان ! آج یہ جیل کی حالت کیسے تبدیل ہوگئی ہے۔اس پر اس نے جواباً کہا کہ یہ کہتے ہوئے مجھے انتہائی افسوس ہو رہا ہے کہ مقبول بٹ صاحب کے لئے پھانسی کا حکم جاری ہوگیا ہے۔یہ خبر سنتے ہی میرے پاؤں تلے زمین

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کھسک گئی لیکن انتہائی تعجب کی بات یہ تھی کہ بٹ صاحب کے چہرے پر کوئی فرق نہیں پڑا۔تھوڑی دیر بعد مقبول بٹ صاحب اپنی سیل میں گئے اور نماز پڑھنے لگے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں ان کے پاس چلا گیا۔میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے سے نور برس رہا تھا اور لبوں پر مسکراہٹ چھائی تھی۔میں نے ان سے کہا ''بٹ صاحب! مجھے بتایئے کہ میں آپ کے کس کام آسکتا ہوں۔ اس وقت اگر تمہیں کوئی خبر پہنچانی ہو یا کوئی خبر کہیں سے منگوانی ہو تو بتائے''۔ان کا جواب تھا ''کہاں خبر بھیجوں گا اور کس سے خبر منگواؤں گا،مگر رنجیت مجھے اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ میں اپنے وطن عزیز کی خاطر کچھ نہ کرسکا۔جانے میری مظلوم قوم کا کیا ہوگا''۔پھر اسی شام کو ہمیں ایک دوسرے سے علیحدہ کردیا گیا۔مقبول بٹ صاحب کو وارڈ نمبر سولہ میں لے جایا گیا جہاں پھانسی کی کوٹھری واقع ہے ۔جیل حکام نے پہلے مقبول بٹ صاحب کا سارا سامان ضبط کرلیا۔اسی دن ان سے ان کی آخری خواہش دریافت کی گئی۔اس پر مقبول بٹ صاحب کے لبوں پر ہنسی آگئی۔وہ بولے ''آپ لوگ میری خواہش پوری تو نہیں کروگے پھر بھی میں آپ سے کہتا ہوں کہ مجھے اپنے وطن عزیز میں دفنایا جائے ''۔یہ غاصب حکومت ان کی آخری خواہش کو کہاں پورا کرتی۔بہر حال 9 اور 10 فروری کے درمیان انہوں نے وارڈ نمبر سولہ میں گزارے۔بالآخر کشمیر کا یہ سورج تہاڑ جیل کے تختہ دار پہ ہنستے ہنستے غروب ہوگیا مگر اپنے وطن عزیز کی خاطر شہید ہونے والا یہ آفتاب کشمیر کے آسمان پر ہمیشہ چمکتا رہے گا۔ شہید مقبول بٹ ہمیشہ کے لئے اپنی یادیں ہمارے دلوں میں چھوڑ گئے ہیں۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

شہید کی شخصیت اور طرز فکر پر ان کے رفیق کار جناب امان اللہ خان لکھتے ہیں۔

''میں جب مقبولؒ بٹ شہید کے ساتھ بیس سال سے زائد مدت پر پھیلی اپنی ذہنی اور سیاسی رفاقت کے دوران کے حالات وواقعات کی روشنی میں اسے انسانی عظمت کی ان انتہائی سخت کسوٹیوں پر پرکھتا ہوں، تو وہ میرے سامنے عظمت کا ایک اونچا مینار نظر آتا ہے۔ وہ یقیناً عظیم تھا۔ ۱۹۶۲ء میں ہونے والے آزاد کشمیر کے صدارتی انتخابات کے دوران صدارتی امیدوار کے۔ ایچ۔ خورشید کے حمایتی کی حیثیت سے مقبول بٹ کا نام اخبارات میں آتا رہا۔ اس کے بعد آزاد کشمیر اسٹیٹ کونسل کے لئے کراچی سے منتخب ہونے والے ممبر خواجہ غلام محمد لون پشاور سے ہوکر کراچی پہنچے تو انہوں نے مجھ سے اور دوسرے احباب سے مقبول بٹ، ان کی تعلیم اور ان کی صلاحیتوں کا ذکر کیا۔ کچھ مدت بعد میں پشاور گیا تو بٹ صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی۔ میں نے ان کی شخصیت میں ایک خاص کشش پائی۔ ایک ہی ملاقات کے بعد ہم ذہنی اور سیاسی طور پر ایک دوسرے کے بہت قریب ہوگئے۔ انہوں نے کراچی سے شائع ہونے والے میرے ماہنامہ ''وائس آف کشمیر'' کے لئے مضامین بھیجنے کا وعدہ کیا اور بھیجتے رہے۔ اپریل ۱۹۶۵ء میں سیالکوٹ میں ہونے والے محاذ رائے شماری کے پہلے کنونشن میں وہ اس کے مرکزی پبلسٹی سیکرٹری منتخب ہوگئے اور جب محاذ کے مرکزی عہدیداروں نے سوچ بیت گڑھ جاکر مقبوضہ کشمیر کی مٹی ہاتھ میں لیکر حصول آزادی کے لئے جان تک کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرنے کا حلف اٹھایا تو بجز مقبول بٹ سب جذبات سے مغلوب زار وقطار رو رہے تھے لیکن مقبولؒ بٹ کے چہرے پر جذباتیت کے بجائے سنجیدگی تھی۔ چیخ چیخ کر روتے ہوئے حلف اٹھانے والوں میں سے اکثر تو بعد میں اس عہد کو بھول گئے لیکن جذبات کی رو میں بہنے کے بجائے دل کی گہرائیوں سے اور انتہائی سنجیدگی سے حلف اٹھانے والے نے حلف کی لاج رکھی اور آخر میں حلف پر عمل کرتے ہوئے اپنی جان مادر وطن کی آزادی کی راہ پر قربانی کردی۔ یہ قول وفعل میں مکمل ہم آہنگی رکھنے والے عظیم انسانوں کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ حلف اٹھانا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کوئی مشکل کام نہیں اس پر طرح عمل کرنا عظیم انسانوں کا ہی حصہ ہے ۔۱۰ جنوری ۱۹۶۶ء کو اعلان تاشقند کے مندرجات ریڈیو پاکستان اور آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئے ۔اس روز بٹ صاحب کراچی میں میرے ہاں تھے ۔اعلان کے دوسرے ہی دن اس کے حق میں آزاد کشمیر کے لیڈروں کے بیانات اخبارات میں شائع ہوئے تو یہ بیانات پڑھ کر بٹ صاحب غصے سے لال پیلے ہو گئے اور کہنے لگے ۔" جس قوم کو اس قسم کے لیڈر ملے ہوں اُس کی قسمت میں غلامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ۔یہ لوگ ذاتی مفادات اور حاکم وقت کو خوش کرنے کے لئے غلامی کے طوق کو آزادی کا ہار گردانتے ہیں" ۔کچھ عملی مشکلات کی وجہ سے بٹ صاحب اور میجر امان اللہ کے مقبوضہ کشمیر جانے کے فیصلے پر چھ ماہ تک عمل نہ ہو سکا ۔مئی ۱۹۶۶ء میں بٹ صاحب کراچی آئے اور ان کے مقبوضہ کشمیر جانے کے پروگرام کو آخری شکل دی گئی اور فیصلہ ہوا کہ دونوں اوائل جون میں اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر مقبوضہ کشمیر جائیں ۔ اس دوران گلگت کا ایک نڈر نوجوان اورنگزیب اور مظفر آباد کے ریٹائرڈ صوبیدار کالا خان جو ۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی کے دوران بھارتی فوجوں کے لئے موت کا پیغام تصور کیے جاتے تھے بھی این ۔ایل ۔ایف میں شامل کئے گئے ۔بٹ صاحب کی کراچی سے روانگی کے دن میں انہیں الوداع کہنے کینٹ ریلوے اسٹیشن تک گیا ۔گاڑی کی روانگی میں ابھی کچھ دیر تھی ۔ہم دونوں پلیٹ فارم پر چہل قدمی کرتے ہوئے پروگرام کے مختلف پہلوؤں پر تبادلۂ خیال کرتے رہے ۔جوں جوں گاڑی کی روانگی کا وقت نزدیک ہو رہا تھا میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ مقبول بٹ کے ہاتھوں تحریک آزادی میں دُوبارہ جان پڑنے والی ہے ۔ساتھ ہی مجھے ان کی دو بیویوں اور تین بچوں (بیٹی لبنیٰ ان دنوں صرف نو ماہ کی تھی جبکہ جاوید اور شوکت غالباً چھ اور چار سال کے) کا خیال آیا ۔اچانک غیر ارادی طور پر میرے منہ سے نکلا ۔ مقبولؒ !تم موت کے منہ میں جا رہے ہو ۔اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو تمہارے بیوی بچوں کا کیا ہو گا ۔ ایسے موقعوں پر ایسے سوالات بڑے بڑوں کو متزلزل کر دیتے ہیں ۔لیکن بٹ صاحب کے چہرے پر اُن کی مخصوص مسکراہٹ اُمڈ آئی ۔آہستہ سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مجھے پلیٹ فارم کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کنارے لے گئے اور دُور سے آتی ہوئی گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔ ''وہ گاڑی آرہی ہے، عین ممکن ہے کہ اس کے ہمارے نزدیک پہنچتے ہی میں پلیٹ فارم سے پھسل کر پٹڑی پر گر جاؤں اور گاڑی میرے جسم کے ٹکڑے کرتے ہوئے آگے نکل جائے۔ یا ممکن ہے کہ کل کسی اور حادثے کا شکار ہو جاؤں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بیمار ہو کر ہسپتالوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤں۔ تینوں صورتوں میں بے مقصد موت مروں گا اور تینوں میں میرے بیوی بچوں کو کسی نہ کسی طرح زندگی بسر کرنی ہی ہوگی۔ اس لئے کیوں نہ کسی اعلیٰ مقصد کے لئے جاں دے دوں اور ہمارے لئے قومی آزادی سے بڑا کوئی اور مقصد نہیں ہوسکتا۔ اس قسم کے سوال کا ایسا جواب مقبولؒ جیسے عظیم انسانوں کی طرف سے ہی ہوسکتا ہے۔ کاش ایک کروڑ انسانوں پر مشتمل یہ قوم صرف چند ہزار مقبول بٹ پیدا کرتی۔ صدیوں سے اس کے پاؤں میں پڑی غلامی کی زنجیروں اور گلے میں پڑے غلامی کے طوقوں سے نجات صدیوں یا عشروں کی نہیں سالوں کی بات ہوتی۔ غالباً وسط ۱۹۶۹ء کا واقعہ ہے بٹ صاحب کراچی میں تھے۔ ایک شام میرے دفتر میں بیٹھے تھے۔ مجھے معلوم ہوا کہ میرے شبینہ کالج کے تاریخ و سیاسات کے لیکچررز غیر حاضر ہیں۔ میں نے مذاقاً بٹ صاحب سے کہا کہ وہ غیر حاضر لیکچررز کی کلاسیں لیں۔ بٹ صاحب اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ اٹھے۔ کلرک سے غیر حاضر لیکچررز کا ٹائم ٹیبل لیا اور کلاس میں چلے گئے۔ چھٹی کے بعد ہر اس کلاس کے طلباء کے وفد جسے بٹ صاحب نے پڑھایا تھا میرے دفتر آیا اور مجھ سے مطالبہ کرنے لگے کہ بٹؒ صاحب کو کالج میں مستقلاً لیکچرر مقرر کیا جائے۔ یہ بٹ صاحب کے اعلیٰ انداز تدریس اور ان کی شخصیت کی جاذبیت کا نتیجہ تھا۔ ان کی شخصیت میں بلا کی کشش تھی۔ پاکستان کے مشہور تاریخ دان ڈاکٹر صمد شاہین اور ان کی اہلیہ مرحومہ جو خود بھی پاکستان کی مشہور ادیب تھیں، بٹ صاحب کی دوسری اہلیہ کے بزرگوں میں سے ہیں اور بٹ صاحب کی بچی لبنیٰ کو انہوں نے ہی پالا ہے۔ غالباً یہ ۱۹۷۰ء کے وسط کا واقعہ ہے کہ بٹ صاحب نے راولپنڈی میں مجھ سے کہا کہ ڈاکٹر صمد شاہین سے ملنا چاہئے۔ ڈاکٹر صاحب ان دنوں پاکستان کی مرکزی وزارت اطلاعات میں غالباً جوائنٹ سیکرٹری تھے۔ ڈاکٹر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

صاحب کے ہاں برصغیر کی تاریخ کے حوالے سے بحث چلی۔ڈاکٹر صاحب کا مطالعہ اتنا وسیع تھا کہ ان کے تاریخی حوالے مجھے پہیلیاں دکھائی دینے لگیں ۔لیکن بٹ صاحب انتہائی گہرے تاریخی حوالوں سے ڈاکٹر صاحب کے استدلال کی تائید یا تردید کرتے رہے ۔تاریخ پر بٹؒ صاحب کی اتنی گہری نظر میرے لئے ایک بڑی خبر سے کم نہ تھی ۔۱۹۷۰ء میں ہم تحریک کے سلسلے میں گلگت گئے ۔ان دنوں گلگت میں غیر معمولی سردی تھی ۔صبح نیند سے جاگے تو دیکھا کہ بٹ صاحب غائب تھے ۔تھوڑی دیر کے بعد میرا ایک عزیز آیا اور مجھ سے کہنے لگا۔آپ کا دوست انسان ہے، یا جن، وہ اس وقت دریا میں یخ بستہ پانی سے نہا رہا ہے ۔بٹ صاحب کی صفائی پسندی انہیں خطرناک مہم پسندی تک لے جاتی تھی ۔بھارتی جہاز گنگا کی ہائی جیکنگ کے سلسلے میں سوا دوسال کی اسیری کے دوران جب بھی وہ اپنے دوسرے اسیر ساتھیوں غلام محمد لون ،میر عبدالقیوم ،میر عبدلمنان، ہاشم قریشی اور اشرف قریشی کے ساتھ عدالت میں پیش ہوتے وہاں ان کا طرز عمل نہایت باوقار ہوتا ۔اپنی نشست پر انتہائی وقار کے ساتھ بیٹھتے اور کوئی ایسی حرکت نہیں کرتے جس سے اُن کے مجاہدانہ وقار پر حرف آنے کا احتمال ہو ۔استغاثہ کے گواہوں کے بیانات کے دُوران (استغاثہ کے بہت سے گواہ بٹ صاحب کے قریبی چاہنے والے تھے)جب یہ کرائے کے گواہ بٹ صاحب اوران کے ساتھیوں پر انتہائی سنگین قسم کے بے بنیاد الزامات لگاتے تو بٹ صاحب کے چہرے پر غصے کی بجائے ایک معنی خیز مسکراہٹ ہوتی ۔انہوں نے نہ تو کبھی جیل میں سہولتوں کی بھیک مانگی نہ جیل حکام کے غلط رویوں کا رونا رویا ۔صاف معلوم ہوتا تھا کہ پاکستان کی سپریم کورٹ کے جج بھی بٹؒ صاحب کی باوقار شخصیت سے بہت متاثر تھے ۔مئی ۱۹۷۳ء میں بٹ صاحب اوران کے ساتھی گنگا کیس سے بری ہو گئے ۔البتہ ہاشم قریشی کو طویل سزا دی گئی تو میں اور بٹ صاحب ہاشم قریشی کی سزا کے خلاف اپیل دائر کرنے کے لئے لاہور میں ہی ٹھہرے ۔غالباً اسی دوران لاہور میں مقیم ہمارے ایک دوست خلیفہ عبدالمنان نے ہمیں اپنی ہٹ (hut) پر کھانے کیلئے مدعو کیا۔ہمارے وہاں پہنچتے ہی کچھ اور مقامی زعماء کے علاوہ پاکستان کے مشہور کالم نویس

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

م ش بھی آ گئے ۔ڈیڑھ گھنٹے مسئلہ کشمیر کے مختلف پہلوؤں پر تبادلہ خیال ہوا۔اس دوران م ش کی تجربہ کار نظروں نے مقبولؒ بٹ کی عقابی نظروں کے پیچھے آزادی کشمیر کے لئے پائے جانے والے عزم مصمم کو بھانپ لیا تھا۔تیسرے دن نوائے وقت کا کالم ''م ش کی ڈائری'' ہماری اس گفتگو کی تفصیلات اور اس کے تجزیے پر مشتمل تھا اور م ش نے آخری پیشین گوئی کی تھی کہ مقبولؒ بٹ کشمیر میں کوئی بڑا انقلاب لائے گا۔گہری نظروں کے لئے مقبولؒ بٹ کی انقلابی شخصیت کو پہچاننا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔بٹ صاحب بڑوں کے ساتھ بڑے اور بچوں کے ساتھ بچے بنتے تھے۔ ڈاکٹر فاروق حیدر کے بچوں عزا ومنیزہ اور سلطان حیدر کے ساتھ کھیل کود ان کا مشغلہ تھا۔البتہ اپنے بچوں کے ساتھ ان کا برتاؤ کچھ مختلف تھا۔اپنے بچوں جاوید،شوکت،اور لبنیٰ کے ساتھ ان کے برتاؤ میں شفقت پدری کے ساتھ شیر کی نظر بھی شامل ہوتی تھی۔وہ اپنے بچوں کو نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ذہنی طور پر آمادہ کرتے رہے۔غالباً انہیں آنے والے حالات کا پورا اندازہ تھا۔ستمبر ۱۹۶۶ء اور مئی ۱۹۷۶ء میں بھارتی مقبوضہ کشمیر میں،جنوری ۱۹۶۹ء میں سرینگر جیل سے فرار ہوکر آزاد کشمیر آنے پر کوہ قلعہ مظفر آباد میں اور اپریل ۱۹۷۱ء کے بعد کئی ماہ تک شاہی قلعہ لاہور میں بٹ صاحب جس بربریت کا نشانہ بنے اس کی تفصیلات دوسرے ذرائع سے جس شخص تک پہنچیں اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔لیکن خود بٹ صاحب کے منہ سے یا قلم سے اس بارے میں ایک بات بھی نہیں نکلی۔جب بھی کوئی پوچھتا کہ ان پر سری نگر،مظفر آباد اور لاہور میں کیا گزری،وہ اپنی روایتی مسکراہٹ کے ساتھ موضوع ہی بدل دیتے۔''سچ ہے عظیم انسان مقاصد کے لئے عظیم قربانیاں دے کر اور مصائب برداشت کر کے ان کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے۔مقبولؒ بٹ اس سلسلے میں بھی عظیم تھا۔۱۱/فروری ۱۹۸۴ء کو صبح سویرے جب بٹؒ صاحب کو تہاڑ جیل دہلی میں تختہ دار کی طرف لے جایا گیا تو وہ انتہائی سکون اور وقار کے ساتھ چل کر پھانسی کے پھندے تک پہنچے۔پھانسی کی رسی کو چوما اور مادر وطن کی آزادی پر اپنے آپ کو قربان کر کے شہید ہوگئے۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹؒ کے

خطبات پریس کانفرنسیں، انٹرویو اور اُفکار

مظفر آباد کنونشن محاذ رائے شماری ۱۹۶۹ء کے دوران شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹؒ کا مقبول عام خطاب۔

''ہمارا بنیادی فلسفہ جو ہے۔۔۔ہمارا بنیادی موقف جو ہے۔۔۔۔وہ یہ ہے کہ کوئی ہمیں اجازت دے یا نہ دے ہمیں اپنی آزادی کی جنگ خود ہی لڑنی ہوگی۔کوئی ہمیں اجازت دے نہ دے۔آپ اس کو ذہن نشین کر لیجئے کیونکہ ہم نے اپنے اوپر ایک بہت بڑی ذمہ داری لی ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی آزادی کی جنگ خود لڑیں۔اس کے لئے ہمیں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ہوسکتا ہے حکومت پاکستان ہمیں اجازت نہ دے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں جس وقت ہم میدان میں اپنے عمل سے یہ ثابت کریں گے کہ ہم لوگوں میں وہ CAPACITY ہے۔ہم لوگوں میں وہ استعداد ہے،ہم لوگوں میں وہ صلاحیت ہے کہ ہم اپنے وطن کی آزادی کی جنگ خود لڑ سکتے ہیں اور یہ جنگ لڑنے کا ہم نے مکمل اور مصمم ارادہ کیا ہے،میں نہیں سمجھتا ہوں کہ حکومت پاکستان اتنی بے وقوف ہوگی کہ ہمارے راستے میں رکاوٹ بنے گی۔حکومت پاکستان آپ کو۔۔۔آج تک یہ عام شکایت کی جاتی ہے کہ حکومت پاکستان کشمیریوں پر اعتماد نہیں کرتی۔میں سمجھتا ہوں اس کی وجہ جہاں یہ ہے کہ پاکستان کی حکومت کشمیر کے معاملے میں SINCERE نہیں ہے۔وہاں اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کشمیریوں نے من حیث القوم.....من حیث الجماعت.....بحیثیت ایک پارٹی کے اپنی صلاحیتوں کا اظہار نہیں کیا ہے۔ انہوں نے اس بات کا اپنے آپ کو آج تک اہل ہی ثابت نہیں کیا ہے کہ وہ اپنی آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے خود میدان میں مرنے مٹنے کے لئے تیار ہیں۔اس سلسلے میں آپ کو تین مثالیں دوں گا۔الجزائر میں جنگ آزادی شروع ہوگئی تو اس وقت تمام عرب ممالک میں اُن کی مخالفت

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

تھی۔اس لئے کہ یہ جنگ جو ہوتی ہے۔یہ ایک ایسا PROCESS ہے۔یہ ایک ایسا عمل ہے کہ جس کا گھر لٹ چکا ہو وہی جنگ پر آمادہ ہوتا ہے۔جس کا اپنا گھر امن سے قائم ہو وہ کبھی یہ نہیں چاہے گا کہ اس کے گھر میں گڑبڑ پیدا کی جائے۔یہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے۔اس لئے الجزائر کی جنگ جب شروع ہوئی تو خود عرب ملکوں نے ان کی حمایت نہیں کی۔ان کی مخالفت کی بلکہ یوں بعض عرب ایسے بھی تھے جنہوں نے فرانس کی حمایت کی، الجزائر کے خلاف.....لیکن جب الجزائری میدان عمل میں کود گئے۔انہوں نے اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ عراق ان کی مدد کرتا ہے یا نہیں کرتا ہے.....انہوں نے اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ مراکش کی حکومت انہیں پناہ دیتی ہے یا نہیں دیتی ہے۔انہوں نے کہا کہ ہم مرنے مارنے کے لئے آئے ہیں۔چاہے ہمیں گولی مارو ، ہمارے ساتھ دشمنی کرو، یا ہماری مدد کرو۔جب وہ میدان میں آ گئے تو وہی عرب جو ان کی مخالفت کرتے تھے، مجبور ہو گئے، اس بات پر کہ ان کی اطاعت کریں۔ان کی مدد کریں اور ان کے لئے اپنے بجٹ میں فنڈز مقرر کریں۔اس کے بعد تازہ مثال آپ کے سامنے الفتح کی ہے .....فلسطینیوں کی ہے۔آپ کو معلوم ہے کہ الفتح والوں نے اپنی تحریک کا آغاز کیا تو تمام عرب ممالک نے ان کی مخالفت کی۔مصر کے صدر ناصر نے ان کی مخالفت کی۔اُردن کے شاہ حسین نے ان کی مخالفت کی۔لبنان نے انکی مخالفت کی۔ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ الفتح کا صرف ایک سپاہی سرائیل کی قید میں تھا اور اس کے مقابلے میں ان کے چار سو جانباز، ان کے چار سو مجاہد اُردن کی .....عمان کی جیل میں پڑے ہوئے تھے.....لیکن جب کوئی قوم اٹھتی ہے تو یہ حکومتیں جو ہوتی ہیں یہ راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی ہیں۔شرط صرف یہ ہوتی ہے کہ کوئی قوم اپنی اُمنگ.....اپنی آزادی کی جنگ خود لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائے اور اس کے لئے وہ میدان میں کود جائے۔اگر آپ میدان میں کودتے ہیں، تو یہ ممکن ہے کہ آج آپ کو جیل میں رکھا جائے گا۔آج دو آدمی جیل میں رکھے جائیں گے، کل دس آدمی اور پرسوں تیس آدمی رکھے جائیں گے۔پھر سو ہوں گے پھر دو سو ہوں گے۔دو سو آدمی جیل میں رکھنے کے باوجود اگر دس آدمی کود پڑنے کے لئے تیار ہو گئے تو حکومت

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

پاکستان مجبور ہوگی ،اسوقت ہماری مدد کرنے پر ۔اس لئے ہم اپنی WORTH.....ہم اپنی قابلیت.....ہم اپنی صلاحیت.....ہم اپنی استطاعت ثابت کر چکے ہوں گے۔میں آپ سے یہ عرض کروں گا۔میں یقین کے ساتھ آپ کو یہ بتاؤں گا کہ ہم جب میدان میں اپنی صلاحیت ثابت کردیں گے....سٹیجوں پر نہیں....تقریروں سے نہیں.....ریزولیوشن پاس کرنے سے نہیں.....آپ کو غلط فہمی ہے کہ ریزولیوشن پاس کرنے سے کوئی آپ پر اعتماد کرے گا۔جب ہم میدان میں یہ ثابت کردیں گے کہ ہاں ہم اس قابل ہیں کہ ہم اپنی آزادی کی جنگ کو طویل سے طویل تر بنا سکتے ہیں ،تو کوئی شک نہیں ہے مجھے اس بات میں کہ حکومت پاکستان اگر نہ بھی چاہے تو مجبور ہوکر ....دنیا کے دباؤ میں، اخلاقی دباؤ سے مجبور ہوکر۔۔۔۔اور خود پاکستانی عوام کے دباؤ سے مجبور ہوکر۔۔۔ہماری مدد کرنے کے لئے اور ساتھ دینے کے لئے مجبور ہوجائے گی۔میں آپ سے یہ عرض کروں گا اور صاف طور پر عرض کروں گا کہ کسی ملک کو جنگ میں اپنی مدد پر آمادہ کرنے کے لئے خالی خولی باتوں سے ، REQUEST کرنے سے .۔۔۔۔۔اجازت مانگنے سے۔۔۔۔۔بھیک مانگنے سے ،آپ آمادہ نہیں کرسکتے۔جب تک آپ میدان جنگ میں کود نہیں پڑیں گے۔۔۔۔اچھی طرح سے سمجھ لیجئے قوموں کا اصول یہی ہوتا ہے.....یہ سیدھی سی بات ہے۔ اگر یہ میرا مکان ہے ،اگر میں اس مکان پر خود قبضہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا ہوں۔میرا ہمسایہ کبھی اس پر قبضہ کرنے میں میری مدد نہیں کرے گا۔جب میں خود اس مکان میں گھس جاؤں گا۔اس وقت میرا ہمسایہ مجبور ہوکر میری مدد کرسکتا ہے،لیکن جب تک میں خود ہی تیار نہیں ہوں۔اپنی ٹانگوں پر خود ہی کھڑا نہیں ہوں۔آپ کہتے ہیں جناب وہ کیسے ہوگا۔آپ میدان میں کود جائیے۔آپ عمل کے میدان میں آجائیے۔پھر دیکھئے، آپ کی کوئی مدد کرتا ہے یا نہیں۔اور یہ IDENTITY جو ہوتی ہے اس کے لئے سودا بازی کی ضرورت ہوتی ہے۔ہماری قوم جب متحد ہوکر میدان میں کود پڑے گی۔میں کہتا ہوں پاکستان تو کیا دنیا کا ہر وہ ملک جس کو قوموں کی آزادی کا احترام ہے وہ آپ کی مدد کو تیار ہوجائے گا۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سوال: آپ سے یہ سوال ہے کہ کشمیر کی جنگ آزادی لڑنے کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔ آپ یہ سرمایہ کہاں سے اور کس سے حاصل کریں گے۔ ذرا اس پر روشنی ڈالئے؟

جواب: سرمایہ کے بارے میں ایک سوال کیا گیا ہے۔ میں نے آپ کو پہلے عرض کیا ہے کہ آزادی کی جنگ جو ہے وہ ایسے لوگ نہیں لڑ سکتے ہیں جو بھیک مانگنے والے ہوں۔ جو مدد کے لئے درخواست کرنے والے ہوں۔ آزادی کی جنگ لڑنے والے جو لوگ ہوتے ہیں ان میں مومنانہ شان ہونی چاہیے۔ وہ صحیح معنوں میں مؤمن ہونے چاہیے۔ مؤمن کا جو معیار ہوتا ہے، ان کا معیار بالکل وہی ہونا چاہیے۔ اور مؤمن جو ہے، کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ ہمیں اپنا سرمایہ خود فراہم کرنا ہوگا۔ میں آپ کو یہ وضاحت سے بتاؤں گا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کشمیر کی تحریک آزادی، پاکستان کے سرمایہ سے لڑی جاسکتی ہے تو آپ لوگ بھول میں مبتلا ہیں۔ یہ آپ کی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ کشمیر کی آزادی کی جنگ، کشمیریوں کے ناموس کی جنگ ہے اور اس میں جو سرمایہ ہونا چاہیے، وہ کشمیریوں کا اپنا سرمایہ ہونا چاہئے۔ وہ کشمیریوں کا اپنا سرمایہ ہونا چاہیے۔ جب تک آپ اپنا سرمایہ فراہم نہیں کریں گے۔ دوسروں کے سرمایہ سے آزادی کی جنگ نہیں لڑسکیں گے۔ اس لئے کہ سرمایہ جو ہوتا ہے یہ لائف لائن LIFE LINE ہوتی ہے کسی تحریک کی۔ اگر آپ کی LIFE LINE ہی دوسرے کے ہاتھ میں ہو تو جس وقت بھی وہ چاہے گا اس لائف لائن کو وہ کاٹ دے گا اور آپ جو ہیں میدان میں مفلوج ہوجائیں گے۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی جنگ ہوئی۔ اس وقت بھی اگر پاکستان دوسرے ملکوں پر DEPENDENT نہ ہوتا تو شاید یہ جنگ طویل سے طویل تر ہوسکتی تھی۔ لیکن جس جنگی مشین کی لائف لائن ہی کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو وہ جنگ میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ہمارا فلسفہ یہ ہے، ہماری بنیاد یہ ہے کہ کشمیر کی آزادی کی جنگ میں جو سرمایہ صرف ہوگا، جس سامان کی ضرورت ہوگی، جس متاع کی ضرورت ہوگی، جس مال کی ضرورت ہوگی وہ ہم نے خود فراہم کرنا ہے۔ اپنے قوت بازو سے فراہم کرنا ہے۔ اور جب تک ہم تیار نہیں ہوں گے اس کے لئے، اس

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

وقت تک آزادی کی جنگ ہم نہیں لڑ سکتے ۔آزادی کا تصور جو ہے وہ ہمارے لئے عبث ہے،فضول ہے ،ہم سمجھتے ہیں اورہم کہتے ہیں کہ ہم اپنی قوم کو اپنی ٹانگوں پر کھڑا کردیں گے ۔ان میں وہی مسلمانوں والی شان پیدا کردیں گے ۔مومنوں والی شان پیدا کردیں گے ۔مجاہد جب میدان میں نکلتا ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ مجھے سرمایہ فراہم کرنے والا کوئی ہے کہ نہیں ۔میرے بال بچوں کو کوئی دیکھنے والا ہے یا نہیں ہے ،میرے کاروبار کو دیکھنے والا ہے یا نہیں ہے ۔وہ میدان میں جس مقصد کے لئے آتا ہے وہ اس وقت تک مصروف جدوجہد رہتا ہے جب تک اس کا مقصد حاصل نہیں ہوجاتا ۔سب باتوں کی میں نے وضاحت کردی ہے ۔اورسب سوال آگئے ہیں ۔

سوال :کشمیر کے جونوجوان کشمیر کی جنگ آزادی میں شامل ہونا چاہتے ہیں وہ کہاں رجوع کریں ؟کس کے پاس جائیں؟کس سے بات کریں ۔اس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب : آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا پلیٹ فارم اس وقت محاذ رائے شماری ہے ۔محاذ رائے شماری دراصل ہماری پولیٹکل موومنٹ (POLTICAL MOVEMENT) ہے ۔ہماری بیک (BACK) ہے ۔محاذ رائے شماری میں شامل ہوکر آپ اس تحریک کو آگے بڑھا سکتے ہیں ۔جس طرح میں نے آپ سے پہلے عرض کیا کہ اس قسم کی تحریکیں چلانے کے لئے دو تین مرحلوں سے آگے گزرنا پڑتا ہے ۔پہلا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اس تحریک کو سمجھنے کی کوشش کرے ۔اس کے خبیب وفراز کو سمجھے ۔اس کے FACTS کو سمجھے ،اس کے جو لوازمات ہیں ان کو سمجھے ۔اسکے لئے آپ کے سامنے محاذ رائے شماری ہے ۔محاذ رائے شماری میں شامل ہوجایئے ۔جب آپ محاذ رائے شماری میں شامل ہوں گے ۔وہاں سے پھر آپ آگے بڑھتے جائیں گے ۔تو آگے آپ کو خود راستے ملیں گے ۔میں نے آپ سے پہلے عرض کیا ہے کہ محاذ میں آپ کا جذبہ وشوق پیدا کرنے کے لئے میں پشاور سے روز روز نہیں آؤں گا ۔اس لئے کہ میں کوئی پیشہ ور سیاستدان نہیں ہوں اورنہ مجھے اس قسم کے کسی آدمیوں سے کوئی ووٹوں کی توقع ہے ۔کہ میں نے کل وزیر بننا ہے ۔اسلئے میں روز روز آپ کے پیچھے پھروں گا ۔یہ بات آپ ذہن سے نکال دیجئے ۔محاذ جو ہے ایک

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

رضا کارانہ تنظیم ہے۔اس میں وہی شخص آئے گا جس کے ذہن میں ،جس کے دل میں وطن کی آزادی کی تڑپ ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیالکوٹ کے مقام پر

پریس کانفرنس

جموں کشمیر محاذ رائے شماری کا چوتھا سالانہ کنونشن نومبر ۱۹۶۹ء میں مظفر آباد (آزاد کشمیر) میں منعقد ہوا۔اس کنونشن میں جناب محمد مقبول بٹ کو اتفاق رائے سے محاذ رائے شماری کا مرکزی صدر منتخب کرلیا گیا۔انہوں نے صدر منتخب ہونے کے بعد آزاد کشمیر اور پاکستان کے مختلف مقامات کا دورہ کیا اور محاذ کے نظریات کی وضاحت کی۔اس دورہ میں محاذ کے مرکزی سیکرٹری جنرل جناب میر عبدالمنان بھی ان کے ہمراہ رہے۔اسی سلسلہ میں انہوں نے سیالکوٹ کے مقام پر ایک پرہجوم پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا۔جس میں انہوں نے محاذ رائے شماری کے سیاسی فلسفہ حکمت عملی اور بنیادی نظریات ،خاص طور پر آزادی کشمیر کے لئے عملی جدوجہد کے تقاضوں پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی۔اس کانفرنس کی مکمل روئیداد پیش حسب ذیل ہے۔

حضرات !

آج کی اس ملاقات میں آپ سے دو باتوں پر گفتگو کرنا چاہوں گا۔پہلی بات یہ ہے کہ یہ جو ہماری جماعت ہے محاذ رائے شماری....جموں کشمیر محاذ رائے شماری اس کے مقاصد کیا ہیں۔اس جماعت کا قیام اس لئے ہم نے عمل میں لایا ہے کہ ہماری قوم جو حق خود ارادیت سے محروم ہے،ہم سے جو وعدہ کیا گیا تھا حق خود ارادیت کا...اقوام متحدہ نے وعدہ کیا ہے....ہندوستان اور پاکستان نے وعدہ کیا ہے کہ ہمیں حق خود ارادیت استعمال کرنے کا موقع دیا جائے گا۔تو ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی تحریک کے ذریعے، اپنی پولیٹکل جدوجہد کے ذریعے قوم میں اتنی بیداری پیدا کریں۔۔۔۔۔ایسے حالات پیدا کریں کہ اقوام متحدہ اور ہندوستان کی قابض حکومتیں کشمیری

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

عوام کو ان کا غضب کیا ہوا حق خود ارادیت دینے پر مجبور ہو جائیں۔ بحیثیت ایک قوم کے ہمارا یہ حق ہے کہ ہم اپنے ملک کا مستقبل جس طرح چاہیں بنائیں۔ بحیثیت ایک قوم کے کشمیریوں پر کوئی قید نہیں ہوگی ۔۔۔۔۔ ان پر کوئی پابندی نہیں ہوگی کہ تم نے یہ فیصلہ کرنا ہے یا وہ فیصلہ کرنا ہے بلکہ جب وہ وقت آئے گا ۔۔۔ اس وقت ہماری یہ مرضی ہوگی۔ ہماری قوم کی مرضی ہوگی۔ من حیث القوم ہمارے عوام کی اکثریت کی مرضی ہوگی کہ جس قسم کا مستقبل ۔۔۔۔ جو بھی مستقبل اپنی ریاست کے لئے، اپنے وطن کے لئے وہ مناسب سمجھتے ہیں، اسی طریقے پر اپنے ملک کا فیصلہ کریں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایک ایسا وسیع مقصد ہے۔ یہ ایک ایسا وسیع پلیٹ فارم ہے جس پر برادریوں ۔مختلف برادریوں کے لوگ۔ مختلف عقائد والے لوگ۔ مختلف رنگ رکھنے والے لوگ اور مختلف چھوٹے نظریات میں بٹے ہوئے لوگ جمع ہو سکتے ہیں اور اس طرح ایک نیشنل پلیٹ فارم ہمارے لئے بن سکتا ہے اور اس قومی پلیٹ فارم سے ہم اپنی تحریک آزادی کو آگے چلا سکتے ہیں۔ اس قومی پلیٹ فارم سے ہم اپنی تحریک آزادی کو آگے چلا سکتے ہیں۔ اس قومی پلیٹ فارم کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے لئے ہم اس نظریہ کو اپنائیں گے۔ دوسری چیز جو میں آپ سے عرض کروں گا وہ یہ کہ محاذ نے کافی غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔ بلکہ ہم عمل بھی شروع کر چکے ہیں اس منصوبہ پر کہ یہاں ہماری آزادی کو قریب سے قریب تر لانے کے لئے سیاسی پلیٹ فارم پر..... پولیٹیکل پلیٹ فارم پر... انٹرنیشنل پلیٹ فارم پر اپنے خیالات کو ظاہر کرنے کا سوال ہے ۔۔۔۔ وہ ہم کرتے رہیں۔۔۔۔۔ یہ ایک موثر ذریعہ ہے وطن کی آزادی حاصل کرنے کا۔۔۔۔۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں کوئی عملی اقدام بھی کرنا چاہئے اور عملی اقدام کے سلسلے میں ہم نے بہت پہلے کاروائی شروع کی ہے اور ہمیں امید ہے کہ انشاءاللہ ہم کامیابی سے ضرور ہمکنار ہوں گے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان جو ہماری ریاست کے ایک بہت بڑے حصے پر قابض ہے۔ سیاسی طور پر ہمارے مقابلے میں جنگ ہار چکا ہے۔ اور اس وقت حقیقت یہ ہے کہ ریاست کے اس حصہ پر ہندوستان صرف طاقت کے بل پر قابض ہے اور جب تک ہم اپنے اندر اتنی طاقت پیدا نہیں کریں گے کہ ہم

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہندوستان کی ARMED MIGHT کو۔۔۔۔اس کی عسکری قوت کو،ہم ریاست میں تہس نہس نہیں کر لیتے ۔اس وقت تک ہماری آزادی کی منزل قریب نہیں ہوسکتی۔اس میں ہمارا طریق کار جو ہے وہ بہت ہی موثر اور بہت واضح ہے۔ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بھی قابض حکومت کو کسی علاقہ سے نکالنا،اس علاقہ کو خالی کرانا جس علاقہ پر اس نے قبضہ کیا ہوا ہے۔اس کے لئے کسی روایتی جنگ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔کیونکہ جب بھی کوئی دوسرا ملک اس قوم کی آزادی کی جنگ لڑتا ہے تو وہ جنگ فی الوقت آزادی کی جنگ نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ ایک باقاعدہ CONVENTIONAL WAR(ایک روایتی جنگ) ہوتی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ کشمیر میں کسی بھی روایتی جنگ،کسی بھی CONVENTIONAL WAR کے ذریعے ہم آزادی کی منزل نہیں حاصل کر سکتے۔کشمیر میں اگر ہم نے مسلح جد وجہد کا راستہ اختیار کرنا ہے تو وہ ایک عوامی مسلح جد وجہد ہونی چاہئے اور عوام کی مسلح جد وجہد کے ذریعے ہی ہم ہندوستان کی فوجی طاقت کو کشمیر میں اس حد تک کمزور کر سکتے ہیں۔اور اس حد تک نیچے گرا سکتے ہیں کہ وہ ہماری آزادی کے حق کو تسلیم کرے۔یہ ایک پیشہ ورانہ موضوع ہے اور میں اس سلسلے میں آپ لوگوں کا زیادہ وقت نہیں لوں گا کیونکہ PEOPLES RESISTANCE MOVEMENT اور گوریلا وار اور اس قسم کے جو STRATEGIC اور PRACTICAL POINTS ہیں اُن پر بحث کرنے کے لئے مہینوں درکار ہیں۔بہر حال مختصراً میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک مقبوضہ کشمیر کے عوام کو مسلح نہ کیا جائے۔۔۔۔جب تک مقبوضہ کشمیر کے عوام کو اس بات پر آمادہ نہ کیا جائے کہ وہ خود اٹھ کر ہندوستانی فوجوں کے خلاف لڑیں اور ان کے مقابلے پر خود کھڑے ہو جائیں۔اس وقت تک آزادی کی منزل قریب نہیں آسکتی۔ایک اور موضوع جس سلسلہ میں آپ لوگوں کو آگاہ کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔وہ یہ ہے کہ ہم کسی قسم کی INFLITRATION کے بھی حامی نہیں ہیں۔ہم یہ نہیں سمجھتے کہ وطن کی آزادی کے لئے ہم یہاں سے ہزاروں مجاہد اندر بھیجیں اور اُن سے وہاں گڑبڑ کرائیں۔اس قسم

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کا کوئی منصوبہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ہم جس مسلح جدوجہد کی بات کرتے ہیں۔محاذ کے سامنے جو پروگرام ہے وہ یہ ہے کہ مقبوضہ کشمیر کا شہری جو ہے ....وہاں کا باشندہ جو ہے۔اسے ہندوستان کے خلاف آمادہ بغاوت کیا جائے۔اسے مسلح کیا جائے۔اسے تربیت دی جائے۔اسے TRAIN کیا جائے۔(تالیاں .....)ممکن ہے کہ آپ میں سے بعض لوگ یہ سوال کریں کہ INFLITRATION کیوں نہیں کی جائے۔یہاں سے مجاہد کیوں نہیں بھیجے جائیں۔اس سلسلہ میں، میں آپ سے عرض کروں، ہمارے اس خیال کے پیچھے کوئی ایسی وجہ نہیں ہے کہ ہم کسی پر اعتماد نہیں کرتے۔اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہاں سے جو آدمی جائے اس پر ہم اعتماد نہیں کرتے۔ بات یہ ہے PRACTICAL POINT OF VIEWS سے۔۔۔۔۔۔فن حرب کے نکتہ نگاہ سے، یہاں کا آدمی جو ہے کشمیر میں کام نہیں کرسکتا۔وہ مقبوضہ کشمیر میں بغاوت نہیں کرسکتا۔کیونکہ سرحد سے اس طرف رہنے والے لوگ جو ہیں، وہ اگر کوئی کام کرسکتے ہیں تو وہ صرف یہ ہوسکتا ہے کہ یہاں سے اسلحہ لے جائیں۔وہاں DUMP کریں۔۔۔۔صرف یہ ہوسکتا ہے کہ یہاں سے ایک ماہر، ایک TRAINED آدمی جائے۔وہاں اُن لوگوں کو تربیت دے۔ان کو منظم کرنے میں، ان کو تربیت دینے میں وہ اپنا فرض انجام دے۔اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں سے جا کر ایک آدمی اگر کشمیر میں لڑے گا تو آپ کی پوزیشن کشمیر میں بالکل ایسی ہی ہوگی جو لدھیانہ کے موہن سنگھ کی یا دہلی کے چندر سنگھ کی ہوسکتی ہے، اس لئے کہ CLIMATIC CONDITION جو ہیں۔آب وہوا کے سلسلے میں، TERRAIN، جو بہت سارے عنصر جو WAR FARE میں INVOLVE ہوتے ہیں۔اس سلسلے میں ہندوستان کا سپاہی جتنا ناقص ہے۔اتنا ہی یہاں کا سپاہی ہے جو یہاں سے جائیگا۔جو وہاں پر کام کرے گا۔اس لئے ہماری بنیادی فلاسفی جو ہے، ہمارا بنیادی فلسفہ اور بنیادی نظریہ جو ہے وہ یہ ہے کہ ہم مقبوضہ کشمیر کے عوام کو بغاوت پر آمادہ کریں۔ہم مقبوضہ کشمیر کے عوام کو مسلح کریں۔ہم مقبوضہ کشمیر کے عوام کو تربیت دیں اور ہمارا رول یہ ہوگا کہ ہم ان کے لئے ایک مضبوط BACK کی حیثیت سے ان کے پیچھے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

قائم رہیں اور مسلح جد وجہد کے سلسلہ کو آگے چلانے کے لئے انہیں جس قسم کی مدد ضرورت ہو۔۔۔۔۔جو کچھ وہ ہم سے چاہیں، ہم سے طلب کریں۔ہم ان کو یہاں سے دے سکیں۔اس طرح آپ سے یہ عرض کروں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ جنگ بندی لائن کے اس طرف کے جو عوام ہیں وہاں ایک مضبوط بیک میں ہونے چاہیں۔ایک مضبوط دیوار ہونی چاہیے اور مقبوضہ کشمیر کے لوگ جو ہیں وہ اس مسلح جد وجہد کا ہراول دستہ ہونے چاہئے۔میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی جماعت کے نظریہ کی وضاحت کردی ہے اور اس بنیادی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمارا جو مستقبل کا پروگرام ہے اس پر ہم نے عمل بھی شروع کیا ہے۔اس کی بھی میں نے وضاحت کی ہے۔اس کے بعد آپ میں سے جو اصحاب سوال کرنا چاہیں، سوال کیجئے تا کہ میں آپ لوگوں کو جواب دے سکوں۔میرے خیال میں سارے سوالات نوٹ کرلیں اور اس کے بعد آپ لوگوں کو جواب دوں۔

سوال: مقبوضہ کشمیر کا محاذ رائے شماری اور آپ کا محاذ ایک ہی ہے یا جدا جدا ہیں؟ نیز انکے نظریات ایک ہی ہیں یا کوئی فرق ہے؟ کیا وہ بھی اس قسم کے نظریات رکھتے ہیں جس طرح آپ کہہ رہے ہیں؟

سوال:۔کیا جو INFLITRATION کا تجربہ ہے، پاکستان کی طرف سے۔یہ ناکام رہا ہے ۱۹۶۵ء کے دوران جنگ ستمبر میں؟

سوال: آپ نے اتحاد کا ذکر کیا ہے ایک پلیٹ فارم کے لئے۔میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس وقت بھی آپ کو معلوم ہے کتنی جماعتوں نے اتحاد کیا۔آپ کی جماعت کو کیا ان کی طرف سے دعوت دی گئی تھی؟ اور اگر دی گئی تھی تو آپ کا کیا جواب تھا؟

سوال: ۱۹۶۵ء میں دو قسم کے مجاہدین گئے تھے ایک وہ مجاہدین جن کے متعلق کہا گیا کہ یہ آزاد کشمیر کے مجاہدین ہیں اور اس کے بعد کچھ مجاہدین گئے تھے جن کے میر کارواں آپ تھے۔دونوں سے آپ مطمئن ہیں؟ یا آپ ان کے علاوہ کوئی اور لائحہ عمل اختیار کرنا چاہتے ہیں؟ آپ اس سلسلہ میں کیا ٹھوس اقدامات کر رہے ہیں؟

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سوال: وادی VALLEY میں محاذ رائے شماری نے ووٹ درج کرائے ہیں، آئندہ الیکشن کیلئے؟ یا اس کا بائیکاٹ کیا ہے؟

جواب: سب سے پہلے جو سوال ہم سے کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلح جد وجہد کے سلسلہ میں کیا ٹھوس اقدامات کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں عرض کروں کہ مسلح جد وجہد جو ہے اسکا ایک فطری اور NATURAL طریق کار ہوتا ہے۔ ہم جس مسلح جد وجہد کی بات کر رہے ہیں۔ وہ کوئی فوجی بغاوت نہیں ہوتی ہے جسے ہم انگریزی میں (COUP-DE-TAT) کہتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ ہم مقبوضہ کشمیر میں پیراشوٹ کے ذریعے کوئی فوج اُتار رہے ہیں یا مقبوضہ کشمیر میں جو قابض ہندوستانی فوج ہے ان کے درمیان یا ان کے ذریعے کوئی انقلاب، کوئی بغاوت پیدا کر رہے ہیں۔ آپ ہمارے POINT OF VIEW کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ ہم جو چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم مقبوضہ کشمیر کے عوام کو ہندوستانی قابض فوج کے خلاف مسلح کاروائیوں کے لئے آمادہ کریں اور انہیں اس قدر مضبوط اور مستحکم کریں اور ان کے پاس اس قدر STORES پہنچائیں تا کہ وہ کھڑے ہو کر جب ہندوستانی فوج کے مقابلے میں لڑنا شروع کریں تو وہ ایک PROLONGED RESISTANCE MOVEMENT ہونی چاہئے۔ اس لئے اس سلسلہ میں ابتدائی کاروائی کے لئے ہمارا جو ایک REVOLUTIONARY COMMAND ہے۔ یعنی ہمارا جو شعبہ اس سلسلہ میں تحقیق کرتا ہے اور اقدامات لیتا ہے۔ اس کو ہم نے پروگرام دیا ہوا ہے اور ان کے سامنے جو گائیڈ لائن دی ہوئی ہیں۔ ان گائیڈ لائنز کے اندر رہتے ہوئے وہ جو STEPS ضروری سمجھتے ہیں اٹھاتے ہیں۔ مثلاً جہاں وہ ضروری سمجھتے ہیں وہاں وہ اسلحہ بھیجتے ہیں جہاں وہ ضروری سمجھتے ہیں وہاں وہ آدمی بھیجتے ہیں۔ تربیت دینے کے لئے لوگوں کو۔ اور جہاں وہ ضروری سمجھتے ہیں وہاں اس قسم کا لٹریچر تقسیم کرتے ہیں، اس قسم کی کتابیں تقسیم کرتے ہیں۔ اس قسم کے پوسٹرز تقسیم کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو اس سلسلہ میں EDUCATE کیا جائے کیونکہ یہ RESISTANCE

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

MOVEMENT جو ہوتی ہے ایک ہمہ گیر مومنٹ ہوتی ہے ۔ ایک ہمہ گیر مومنٹ ہوتی ہے ۔اس میں شامل ہر سپاہی جو ہوتا ہے بجائے خود ایک پولیٹیکل سولجر ہوتا ہے۔ ایک سیاسی سولجر ہوتا ہے ۔ایک باشعور سولجر ہوتا ہے ۔وہ محض ایک تنخواہ دار ملازم نہیں ہوتا ۔ جسے عرف عام میں MERCINARY کہتے ہیں ۔ وہ مرسینری نہیں ہوتا ہے ۔وہ کرائے کا سپاہی نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ ایک CONCIENCE SOLIDER ہوتا ہے ہم CONCIENCE SOLIDER کی ایک پوری فورس قائم کرنا چاہتے ہیں تا کہ ہر شخص جو کہ ہماری اس مسلح جدوجہد کے سلسلہ میں ۔ جو بھی ہم نے اسکا نام رکھا ہے ۔اس میں شامل ہو جائے ۔ جو بھی شامل ہو جائے اسے معلوم ہو کہ وہ کس کام کے لئے FIGHT کر رہا ہے ۔تا کہ اس فائیٹ کو PROLONGE کرنے کے لئے اس کو PROTECT کرنے کے لئے ،اس کو طویل سے طویل تر کرنے کے لئے اپنا کام انجام دے سکے ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وقتاً فوقتاً ماحول میں ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہاں پر ہم وہ چیز مہیا کر دیتے ہیں ۔ جہاں ہمیں اسٹورز کی ضرورت پڑتی ہے وہاں ہم STORES بھیجتے ہیں ۔ جہاں ہمیں تربیت کی ضرورت پڑتی ہے وہاں تربیت دیتے ہیں اور جہاں MASS EDUCATION کی ضرورت پڑتی ہے وہاں MASS EDUCATION کرتے ہیں ۔میرا خیال ہے یہ سوال CLEAR ہو گیا ہے ۔اس کے علاوہ مجھ سے سوال کیا گیا ہے ۔ یہ محاذ رائے شماری جو اس طرف کام کر رہا ہے اور وہ محاذ رائے شماری جو اس طرف کام کر رہا ہے ۔ جو مقبوضہ کشمیر میں کام کر رہا ہے ۔ اس کے درمیان کیا فرق ہے؟ ۔ جہاں تک نظریات کا تعلق ہے ۔ جہاں تک دونوں جماعتوں کی بنیادی پالیسی کا تعلق ہے ۔اس سلسلہ میں ہم متفق ہیں ۔ مقبوضہ کشمیر کا محاذ رائے شماری جو ہے وہ بھی ریاست جموں وکشمیر کے عوام کو بغیر کسی تخصیص کے حق خود ارادیت دلانے کا حامی ہے اور دعویدار ہے اور محاذ رائے شماری جو جنگ بندی لائن کے اس طرف قائم ہے وہ بھی عوام کو حق خود ارادیت دلانے کا حامی ہے مگر فرق جو اس محاذ اور اس محاذ میں ہے وہ ایسا ہے کہ اس طرف والا محاذ جو ہے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

(ایک آواز)..... ''اصلی ہے'' (بٹ صاحب) ''ہاں اصلی ہے اور ہم بھی اصلی ہیں۔ انتظامی طور پر چونکہ مقبوضہ کشمیر میں حالات مختلف ہیں اور یہاں کے حالات مختلف ہیں۔ حالات۔ اسلئے ہمارے طریق کار میں تھوڑا DEVIATION ہے تھوڑا سا فرق ہے۔ بنیادی مقصد ہمارا ایک ہے کہ ہمارا فیصلہ کرنے کا حق تسلیم کیا جائے۔ یہ حق جب تک آپ جدوجہد نہیں کریں گے۔ کبھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اسلئے پہلے ہم جدوجہد کرلیں۔ اس حق کو تسلیم کروالیں۔ اس کے بعد جب ہم اس کے مالک تسلیم کئے جائیں گے تو ہماری مرضی ہوگی کہ بحیثیت ایک قوم ہم اس کا فیصلہ کریں گے۔

سوال: آپ کی جماعت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ پاکستان سے الحاق کے مخالف ہیں۔ کیا آپ اس کی وضاحت کریں گے؟

جواب: اس سلسلہ میں بعض شکوک وشبہات ضرور پیدا کیے جاتے ہیں۔ میں آپ سے یہ عرض کروں کہ قوموں کی زندگی میں تنگ نظری سے اور کوتاہ دامنی سے نہیں سوچنا چاہئے۔ ہماری جدوجہد چونکہ اس وقت جاری ہے۔ اسلئے ہماری دوستی کا جو تعین ہوگا۔ وہ بہت ہی نازک ہے۔ میں آپ سے عرض کروں۔ میں صاف صاف بات کرتا ہوں۔ میں ڈرتا ورتا کسی سے نہیں ہوں۔ نہ مجھ میں کوئی لاگ لپٹ ہے۔ اس سوال کے پیچھے ایک خاص ذہن کام کررہا ہے اور وہ ذہن یہ چاہتا ہے کہ ہم تحریک شروع کرنے سے پہلے ہی الحاق پاکستان کا نعرہ کیوں نہیں لگاتے میں اس سلسلہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ اپنی پالیسی بیان کروں گا کہ ہمارے ساتھ الحاق دوستی اور دشمنی جو ہے وہ فیلڈ میں ثابت ہوگی۔ (تالیاں) جو طاقت فیلڈ میں ہمارے ساتھ تعاون کرے گی۔ فیلڈ میں جو طاقت ہمارے کندھے سے کندھا ملا کر ہمارا مقصد حاصل کرنے میں مدد دے گی۔ فیلڈ میں جو طاقت ہمارے کندھے سے کندھا ملا کر ہمارا مقصد حاصل کرنے میں ہماری مدد کرے گی۔ یقیناً ہم اتنے بے غیرت نہیں ہوں گے کہ اپنی منزل پر پہنچ کر اس کو دور سے سلام کریں۔ ایسا نہیں ہوگا۔ دشمنی ہوگی تو وہ بھی اس مقصد کے حصول کے سلسلہ میں، جو ہم سے دشمنی کرے گا، ہم اس سے دشمنی کریں گے۔ یہ بات صاف ہے کشمیر کی آزادی کے سلسلہ میں جو فرد، جو گروہ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

، جو جماعت جو طاقت ، جو حکومت ہمارے ساتھ دشمنانہ رویہ اختیار کرے گی اس کے ساتھ ہم علی الاعلان دشمنی کریں گے ۔ چاہے وہ ہمارا کوئی بھی ہو۔ وہ ہمارا ہم مذہب ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو طاقت اس سلسلہ میں ہماری اعانت کرے گی ۔ ہمارے مدد کرے گی، ہمارے ساتھ چلے گی۔ ہم ہمیشہ اس کو وہی درجہ دیں گے، وہ سلوک کریں گے اور اس کے ساتھ وہی برتاؤ کریں گے جو کامریڈ ان آرمز COMRADE IN ARMS کا ہوتا ہے ۔

سوال ۔ پاکستان نے اس سلسلے میں آج تک کچھ دوستی کی ہے؟

جواب: بالکل دوستی کی ہے اور ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں اور ہم نے اسے دوست اور بھائی کا درجہ دیا ہے لیکن دوستی کا تعین اس راستے پر ہوگا ۔۔۔۔ دوستی کا فیصلہ اس راستے پر ہوگا ۔ اور مجھے یقین ہے کہ پاکستان کے کچھ حلقے چاہے ۔۔۔ کشمیر کی آزادی کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں ۔۔۔۔ اور اس قسم کے حلقے پاکستان میں ضرور موجود ہیں ۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کیونکہ میں خود اس فیلڈ سے گزر چکا ہوں ۔ مجھے معلوم ہے پاکستان میں ایسے حلقے ضرور موجود ہیں جو کشمیر کی آزادی نہیں چاہتے اور خود ہمارے کشمیریوں میں کچھ ایسے حلقے موجود ہیں اور ایسے عناصر موجود ہیں جو کشمیر کو آزاد نہیں دیکھنا چاہتے ۔۔۔ وہ نہیں چاہتے کہ یہ سیز فائر لائن ٹوٹے اور ریاست آزاد ہو جائے ۔ لیکن ان عناصر کو ہم انشاء اللہ میدان میں ایکسپوز کریں گے ۔ ہم ان کو فیلڈ میں EXPOSE کریں گے (تالیاں)

سوال: جناب امیر اسوال ہے کہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ ہم مسلح جد وجہد جاری رکھیں گے ۔ اس کیلئے آپ دوسرے ممالک سے کوئی امداد حاصل کریں گے؟

جواب: میں آپ سے عرض کروں ۔ ہماری بنیادی پالیسی ہے کہ ہم جب تک اپنے پاؤں پر خود کھڑے نہیں ہوں گے ۔ ہم کسی سے بھیک نہیں مانگیں گے ۔ میں امداد کی بات کر رہا ہوں ۔ ہم نہیں چاہتے ہیں کہ ہم امداد کسی سے مانگیں ۔ ہم امداد کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائیں گے ۔ ہماری بنیادی پالیسی یہ ہے کہ ہم اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہو جائیں ۔ جب ہم اپنے پاؤں پر خود

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کھڑے ہوں گے اس کے بعد ہر وہ طاقت، ہر وہ قوم، ہر وہ ملک جس میں انسانی آزادی کا کچھ بھی پاس ہوگا، جو انسانی آزادی کے سلسلے میں کچھ احترام رکھتی ہوگی وہ ضرور ہماری مدد کرے گی (تالیاں)۔ بنیادی چیز جو ہے میں آپ سے عرض کروں۔ ہم سب سے پہلے اپنی قوم میں ایک ایسا کریکٹر (CHARRACTER) پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایک ایسا کردار پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ پہاڑوں سے ٹکرائیں۔ ویسے عام طور پر ایسی باتیں جو ہوتی ہیں، جنون کی باتیں ہوتی ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ یہ جنون پیدا ہو جائے، لوگوں میں یہ جنون پیدا ہوگا اس کے بعد خود بخود دنیا کی ہر طاقت آپ کی مدد کرے گی۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہے لیکن مدد کے لئے ہم پکاریں گے نہیں، کسی کی مدد ہمیں خود بخود ملے گی اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ امداد جو ہوگی جو اُس مرحلے پر ہمیں دی جائے گی وہ صحیح معنوں میں امداد ہوگی وہ UNCONDITIONAL امداد ہوگی۔ اس کیساتھ کوئی SITRINGS POLTICAL نہیں ہوں گے۔ UNSTRINGED امداد ہم ضرور چاہیں گے اور وہ ملے گی۔ وہ امداد جب ملے گی جب ہم میدان میں کھڑے ہوں گے۔ ادھر چوک میں کھڑے ہو کر تقریر میں آپ دنیا سے کہیں کہ میری مدد کیجئے، آپ کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔ آپ کی یہ بہت بڑی بھول ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ میں جب میدان میں لڑ رہا ہوں گا۔ جب میرے ہاتھ میں ایل۔ ایم۔ جی LMG ہوگا اور میں دشمن کے مقابلے میں ہوں گا۔ اس وقت میں جب کہوں گا کہ اس وقت مجھے ایمیونیشن AMMUNITION کی ضرورت ہے تو ہر طاقت مجھے امداد دے گی۔

سوال: صاحب! بات یہ ہے کہ خورشید صاحب کہتے ہیں کہ اگر پاکستان گورنمنٹ ہماری حکومت کو آزاد کشمیر حکومت تسلیم کر لے تو ہم اپنے وطن کی آزادی کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ کیا آپ اس چیز کو درست سمجھتے ہیں جو ان کا نظریہ ہے؟

جواب: ۱۹۶۲ء میں پشاور یونیورسٹی کے لاء کالج میں لاء کا ایک طالب علم تھا۔ اس زمانے میں خورشید صاحب نے RECOGNITION کی تھیوری پیش کی تھی اور میں ذاتی طور پر ان کا بڑا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

مدح تھا۔ نچانچہ ہم نے خورشید صاحب کو دعوت دی اور ہم نے ان سے کہا کہ چونکہ یہ تھیوری آپ نے پیش کی ہے تو آپ آیئے اِسے لوگوں کو سمجھایئے۔ چنانچہ انہوں نے پشاور کا دورہ کیا۔ پروگرام یہ بنا کہ یونیورسٹی میں ان سے تقریر کروائی جائے۔ چونکہ یونیورسٹی میں INTELLIGENTIA زیادہ ہوتا ہے۔ وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تقریر ہوئی اور ہمارے پرنسپل صاحب جو پہلے پاکستان کی فارن سروس میں شامل تھے۔ یونائیٹڈ ڈیلی گیشن کے ممبر بھی رہ چکے تھے اور ایمبیسڈر بھی رہ چکے تھے۔ وہ جلسے کی صدارت کر رہے تھے۔ خورشید صاحب نے تقریر کی اور وہ تھیوری پیش کی۔ جب انہوں نے تقریر ختم کی تو ہمارے پرنسپل صاحب خطبہ صدارت کے لئے کھڑے ہوئے اور انہوں نے مخصوص DIPLOMATIC انداز میں اور BEAUROCRATIC انداز میں ایک ٹیبل ٹینس میچ کی مثال دی۔ جس سے انہوں نے یہ ثابت کیا کہ کشمیری ٹیبل ٹینس کھیل رہے ہیں اور آخر میں انہوں نے کہا کہ ''جن لوگوں نے آزادی کی جنگیں لڑنی ہوتی ہیں وہ پہلے خود کو تسلیم نہیں کرواتے ہیں۔ وہ میدان میں کود جاتے ہیں۔ لڑائی شروع کر دیتے ہیں اور عملاً اپنے زور بازو سے اپنی طاقت سے خود کو تسلیم کرواتے ہیں۔'' اس وقت میں نے اس کو بہت محسوس کیا۔ اس لئے کہ میں نے سمجھا یہ ہمارے لئے بہت INSULTING بات ہے۔ ایک پاکستانی جو ہے وہ ہماری انسلٹ کر رہا ہے لیکن بعد میں، میں نے محسوس کیا کہ اس شخص کی بات میں کافی وزن تھا۔ اسلئے کہ RECOGNITION جو ہے۔ ہمیں ایک POINT کو مدنظر رکھنا ہے BASIC POINT یہ ہے کہ عملاً ہم ایک غیر منظم اور ایک غیر مسلح قوم ہیں اور مقصد ہمارا پورا کشمیر کو آزاد کرانا ہے۔ یہ دونوں باتیں متضاد ہیں۔ کشمیر کو آزاد کرانے کے لئے سب سے پہلے جس بات کی ضرورت ہے۔ یہ کہ ہم منظم اور مسلح ہو جائیں۔ جب ہم منظم اور مسلح ہو جائیں گے اور پاکستان یا دنیا کے دوسرے ممالک کو یہ باور کرائیں گے اور انہیں ہم یقین دلائیں گے اپنے عمل سے کہ ہم اس قابل ہیں کہ ہم تحریک آزادی کو شروع کر سکتے ہیں۔ ہم میں اتنی طاقت ہے کہ ہم یہ جنگ لڑ سکتے ہیں۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اس وقت پاکستان کیا پوری دنیا ہم کو تسلیم کرے گی۔لیکن جب ہم اپنے کردار اپنے عمل سے یہ ثابت ہی نہیں کرتے۔ یہ ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں کہ ہم اس قابل ہیں کہ جنگ آزادی کو چلا سکتے ہیں ۔ہم اس قابل ہیں کہ جنگ آزادی کو شروع کر سکتے ہیں ۔ ہم اس قابل ہیں کہ ایک PROTECTED WAR لڑ سکتے ہیں ۔اس صورت میں، میں سمجھتا ہوں کہ RECOGNITION کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا ایک فضول سی بات ہے۔ بنیادی چیز یہ ہے کہ ہم اپنی NATIONAL IDENTITY جو ہے۔ اسے قائم کریں۔جب تک ہم میدان میں اپنی DEPENDABLITY کو ثابت نہیں کرتے ۔میں سمجھتا ہوں کہ کوئی ہمیں تسلیم نہیں کرے گا۔آپ دیکھتے ہیں الفتح کو۔جب الفتح والوں نے اپنی تحریک شروع کی تو اس وقت تمام عرب ممالک نے اس کی مخالفت کی۔ اردن نے ان کی مخالفت کی۔لبنان نے ان کی مخالفت کی۔یو۔اے۔آر UAR بھی عرب ممالک نے ان کی مخالفت کی لیکن جب انہوں نے اپنی پوزیشن کو۔اپنی IDENTITY کو، INDIVIDUALITY کو میدان میں ثابت کیا تو اب پوزیشن یہ ہے کہ کوئی عرب ملک جرات نہیں کرسکتا کہ ان کو اپنے ایریا سے نکالنے کی یا ان کو روکنے کی۔ میں آپ سے عرض کروں۔ایک زمانہ تھا جب کہ اسی الفتح کے چار سو مجاہد اردن کی قید میں تھے جبکہ صرف ایک مجاہد اسرائیل کی قید میں تھا لیکن آخر جب انہوں نے تحریک چلائی۔انہوں نے ثابت کیا کہ ہم مرنے مارنے کے لئے میدان میں آئے ہیں۔آپ ہمیں روک نہیں سکتے ہیں تو مجبوراً شاہ حسین کو بھی ان کی حمایت کرنی پڑی اور اس کی تازہ مثال لبنان ہے۔جب تک ہم اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہونگے۔خود کو اس حد تک مسلح اور منظم نہیں کریں گے۔ اپنی تحریک کو چلانے کا اعتماد نہیں دلائیں گے۔تو آپ پر کوئی اعتماد نہیں کرے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے بعض لوگ جو شکایت کرتے ہیں کہ پاکستان کشمیریوں پر اعتماد نہیں کرتا ہے۔اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کشمیریوں نے خود کو قابل اعتماد ثابت نہیں کیا۔اس لئے کہ ہم خود سازشوں کے چکر میں پھنستے رہے۔خود سودا بازی کے چکر میں پھنستے رہے۔اگر ہم نے اپنے عمل سے ثابت کیا ہوتا کہ ہم

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

DEPENDABLE ہیں ۔اگر ہم نے اپنے عمل سے ثابت کیا ہوتا کہ ہم اپنی تحریک کو چلا سکتے ہیں۔تو میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کبھی ہم پر بے اعتباری نہ کرتا۔کلیر (CLEAR)

سوال: کیا مستقبل میں آپ اپنی جماعت کا نام تبدیل کرنا چاہتے ہیں؟

جواب: ہم جو ہیں ۔ہم مستقبل میں اپنی جماعت کا نام تبدیل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے کلیر؟

سوال: کیا آپ المجاہد کی طرز پر کوئی فورس قائم کرنا چاہتے ہیں؟

جواب: حضرات مجھ سے سوال کیا گیا ہے کہ المجاہد فورس جو مسلم کانفرنس نے بنائی ہے۔کیا اسی پیٹرن (PATTERN) پر ہم کوئی فورس بنانا چاہتے ہیں ۔ہم کوئی المجاہد فورس قائم کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ۔کیوں؟ اس لئے کہ میں آپ سے پہلے ہی عرض کیا ہے کہ جس نوعیت کی، جس نیچر کی مسلح جدوجہد ہم کشمیر میں کرنا چاہتے ہیں ،اس میں یہاں سے ہم کوئی حملہ ہم کوئی INFLITRATION نہیں کرنا چاہتے ہیں ۔اور نہ کر سکتے ہیں ۔اس لئے ہم یہاں کوئی فوج نہیں بھیجیں گے ۔ہاں یہ ضرور کریں گے کہ مقبوضہ کشمیر کے عوام کو مسلح کر کے آمادہ بغاوت کریں گے۔ (تالیاں) آزاد کشمیر میں اس طرف جتنے بھی ریاستی عوام ہیں ۔ہم مقبوضہ کشمیر کے جدوجہد کرنے والوں کے لئے ایک مضبوط بیک بننا چاہتے ہیں ۔

سوال: ایک بات EXPLAIN کریں ۔بات یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہم نے اعتماد کے قابل اپنے آپ ثابت نہیں کیا۔ہم اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے بے سروسامانی کی حالت میں ۶۴ ہزار مربع میل رقبہ فتح کر کے دیا ہوا ہے۔ہم نے پہلے روز سے اپنے آپ کو قابل اعتماد ثابت کیا ہے۔ اب آپ فرماتے ہیں ہم نے ثابت نہیں کیا ۔ذرا اس تضاد کی وضاحت کر دیں؟ جواب: میں وضاحت کرتا ہوں ،جس دور کے سلسلے میں، میں نے عرض کیا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو اعتماد کے قابل ثابت نہیں کیا وہ دور جو جنگ بندی کے معاہدہ سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے ۔یکم جنوری ۱۹۴۹ء جس روز جنگ بندی کا اعلان ہوا۔اس کے بعد سے لے کر آج تک واقعی ہم نے اپنے آپ کو اعتماد کے قابل ثابت نہیں کیا۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

بابائے قوم محمد مقبولؒ بٹ نے ۱۹۷۱ء میں بھارتی طیارہ کے اغواء کے بعد ہفت روز ''زندگی'' کو ایک انٹرویو دیا تھا جس میں انہوں نے کشمیری حریت پسندوں کی جدوجہد آزادی پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔

انٹرویو کا متن حسب ذیل ہے:۔

''ہم گذشتہ پانچ سال سے بھارت کو عوام کی خواہشات کے برعکس تسلط قائم رکھنے کا مزا چکھا رہے تھے۔ مقبوضہ کشمیر میں حریت پسند عوام کے تعاون سے ہم نے بار ہا فوج اور پولیس کے دانت کھٹے کیے اور دشمن کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ یہ سرگرمیاں آج بھی جاری ہیں۔ مجاہدین کی سرگرمیوں کی داستانیں اب بھی ہندوستانی اخبارات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ہندوستان چیخ رہا تھا لیکن باہر کی دنیا کو خبر ہی نہ تھی کہ ہم کیا کر رہے ہیں، یا ہم پر کیا بیت رہی ہے؟ بڑی طاقتوں، عالمی رائے عامہ اور خود اپنوں نے ہمیں نظر انداز کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ آخر ہم نے اپنے وجود کا احساس دلانے کا فیصلہ کیا۔ یہ کس طرح ہوا اور اسکا کیا نتیجہ برآمد ہوا۔ وہ آپ جانتے ہیں۔ یہ الفاظ جناب مقبولؒ بٹ کے ہیں۔ یہ مجاہد ہوٹل انٹرنیشنل کے کمرہ نمبر ۲۶ میں میرے سامنے اپنی داستان حیات جو جہد مسلسل سے عبارت ہے کے مختلف اوراق اُلٹ رہے تھے۔ پہلے کچھ اپنے بارے میں؟ میں نے اس کتاب کا سرورق دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ ''۱۹۳۸ء میں ترہگام ضلع بارہ مولہ میں پیدا ہوا۔ ۱۹۵۴ء میں اپنے گاؤں کے سکول ہی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ آپ شاید پوچھیں گے کہ میں نے زندگی کا سب سے جذباتی اور ہنگامہ خیز دور یونہی چپ چاپ گزار دیا؟ تو ایسا نہیں۔ بلکہ مسلسل ایجی ٹیشن کے ذریعے اپنے گاؤں کے پرائمری سکول کو میٹرک کے درجے تک پہنچایا۔ اس طرح اپنی کوششوں سے لگے ہوئے درخت کا پھل نہ صرف خود کھانے میں کامیاب رہا بلکہ دوسرے بھی اب تک کھا رہے ہیں۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۸ء تک کا زمانہ سینٹ جوزف کالج بارہمولہ میں گزارا اور گریجویشن کی۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سوال: کالج کا زمانہ کیسا گذرا؟ میں نے دریا کو کوزے میں بند ہوتا دیکھ کر بے ساختہ استفسار کیا؟

جواب: ''بہت اچھا مقرر تھا۔ سٹرائیکیں بہت کرتے تھے۔ ہر کشمیری باشندے کی طرح ہمیں بھی محاذ رائے شماری سے دلچسپی تھی۔ شروع سے ایک مقصد سامنے تھا۔ ہماری سٹرائیکوں کا یہ فایدہ ہوا کہ گورنمنٹ نے اس کالج کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اگست ۵۶ء میں ہم پاکستان آ گئے۔''

سوال: پاکستان آنے کا فیصلہ آپ نے یکا یک کیسے کیا؟

جواب: ''یہ بات نہیں، یہ ایک سوچا سمجھا فیصلہ تھا۔ بات یوں ہے کہ جب دسمبر ۵۷ء میں بھارتی حکومت نے شیخ محمد عبداللہ کو پہلی مرتبہ رہا کیا تو ایجی ٹیشن کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ مارچ اپریل میں میرا بی اے کا امتحان تھا۔ سری نگر سنٹر تھا۔ حریت پسندوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔ ۲/اپریل کو میرا آخری پرچہ تھا اور ۲۷/ہی کو شیخ صاحب کو پھر گرفتار کرلیا گیا۔ طالب علموں کو بھی اندھا دھند گرفتار کیا جارہا تھا۔ میری گرفتاری بھی یقینی تھی۔ لہذا میں روپوش ہوگیا اور تین ماہ تک روپوش رہا۔ تین ماہ بعد جب میرا رزلٹ نکلا تو میں نے ابا جان سے عارضی سرٹیفکیٹ لانے کو کہا اور پھر ہم سب اگست ۱۹۵۷ء میں پاکستان آ گئے۔ پہلے لاہور آئے لیکن ستمبر ۱۹۵۸ء میں پشاور جا کر آباد ہو گئے۔ میرے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اپنی تعلیم کو جاری رکھنے اور ساتھ ساتھ اپنے اخراجات کا بندوبست کرنے کا تھا کیونکہ اس کے بغیر پاکستان میں رہنا مشکل تھا۔ چنانچہ میں نے سب ایڈیٹر کی حیثیت سے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔ میں نے اردو میں ایم۔اے کیا اور ۶۵ء میں اپنی باقاعدہ سیاسی زندگی کے آغاز تک ''انجام'' سے رابطہ رہا۔''

سوال: اس دوران آپ نے کیا محسوس کیا؟

جواب: ''ایک بات شدت سے اسوقت بھی کہی تھی اور اب بھی کہتا ہوں، کہ وہ لوگ جو اپنی کوشش سے دو وقت کی روٹی نہیں کما سکتے، وہ کسی قوم کو آزادی کی منزل سے کیسے ہمکنار کر سکتے ہیں؟ وظیفہ خور سیاستدانوں اور سیاسی کارکنوں کی کوئی بڑی سے بڑی تعداد بھی آزادی کی جنگ نہیں لڑ سکتی۔ جن کا نصب العین شکم پروری ہو اور جب منفعت ہو۔۔۔ وہ ایسا کر بھی کیسے سکتے ہیں؟''

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سوال: صحافت سے سیاست کی وادی میں داخل ہونے کے کیا محرکات تھے؟

جواب: ''۶۵ء میں شیخ محمد عبداللہ کی دوبارہ گرفتاری کے بعد میرے خیالات میں انقلاب آ گیا ۔میں نے دیکھا کہ جس قوم کی آزادی کی جنگ لڑی جا رہی ہے اس کے ہاتھ میں نہیں ہے ۔میں نے محسوس کیا کہ شروع سے لیکر اب تک کی ساری جدوجہد میں یہی بنیادی خامی ہے ۔انقلابات عالم کی تاریخ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ جب قوم کی نجات کا سوال ہو تو اس قوم کے افراد کو منظم کیا جاتا ہے ۔جب تک اس قوم کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر کے آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے آمادہ نہ کر لیا جائے وہ کوئی رول ادا نہیں کر سکتی ۔لیکن کشمیر میں یہ صورتحال نہیں تھی ۔محاذ بنانے کا بنیادی مقصد اس تحریک کی باگ دوڑ کشمیری عوام کے ہاتھ میں دینا تھی ۔یہ بات فطرت کے تقاضوں کے خلاف ہے کہ آپ کی آزادی کی جنگ کوئی اور لڑے ۔ہمارے ذہنوں میں شروع سے یہ بات تھی کہ سیاسی جدوجہد کے ساتھ مسلح جدوجہد کے سلسلے میں بھی کچھ کریں ۔اپریل ۶۵ء میں سیالکوٹ میں محاذ رائے شماری کی بنیاد رکھی اور ابتداء ہی سے مسلح جدوجہد کی منصوبہ بندی شروع کر دی ۔پاک بھارت جنگ کے دوران میں یہ منصوبہ تعطل کا شکار رہا ۔اعلان تاشقند کے ساتھ ہی ہم نے زور شور سے کام بھی شروع کر دیا ۔''

سوال: اعلان تاشقند کے راز سے آپ بھی باخبر ہیں؟

جواب: ''راز ۔۔۔کھلی کتاب کو بھی راز کہا جائے گا ۔یہ راز تو کشمیر کی آزادی سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کو معلوم ہے ۔''

سوال: کیا مطلب؟

جواب: ''گورنمنٹ آف آزاد کشمیر ایکٹ کا نام تو آپ نے سنا ہی ہوگا ۔جس کے تحت کشمیر میں حالیہ انتخابات ہوئے ۔اس کی بنیادی روح کو آپ اعلان تاشقند کی سپرٹ کہہ سکتے ہیں ۔اگر اس ایکٹ پر گورنمنٹ آف آزاد کشمیر ۱۹۷۰ء کاٹ کر اعلان تاشقند جنوری ۱۹۶۶ء لکھ دیں اور اس میں بھارتی آئین میں کشمیر کی تعریف سے متعلق دفعات کا اضافہ کر دیں تو اعلان تاشقند کا راز فاش

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہوجاتا ہے۔"

سوال: بھارتی آئین میں کشمیر کی کیا تعریف کی گئی ہے؟

جواب: "بھارتی آئین میں کشمیر کی کیا تعریف کی گئی ہے؟ بھارتی آئین میں کشمیر سے مراد تمام علاقے ہیں جو تقسیم ہند سے قبل مہاراجہ ہری سنگھ کے کنٹرول میں تھے اور اس میں گلگت اوربلتستان بھی شامل ہیں۔ اس کے برعکس آزاد کشمیر ایکٹ ۱۹۷۰ کے مطابق کشمیر سے مراد وہ علاقہ ہے جو کشمیریوں نے ۱۹۴۷ء میں آزاد کرایا اور جو اب آزاد کشمیر حکومت کے زیر انتظام ہیں۔ اعلان تاشقند کا راز یہ تھا کہ جو جہاں ہے وہیں رہے (لیکن بھارت کے لئے سارے کشمیر کو ہڑپ کرنے کی گنجائش رکھی گئی تھی)۔ آزاد کشمیر ایکٹ ۱۹۷۰ء میں یہ بھی مذکور ہے کہ آئین میں کوئی ایسی ترمیم بھی نہیں کی جاسکتی جس سے بین الاقوامی معاہدوں کی خلاف ورزی ہوتی۔ اب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ راز کیا ہے؟ یعنی بھارت کو تو یہ آزادی ہے کہ وہ گلگت اوبلتستان سے لیکر جموں تک سارے علاقے کو کشمیر کہہ کر اپنا علاقہ سمجھے، لیکن آزاد کشمیر حکومت بین الاقوامی معاہدوں کا احترام کرتے ہوئے صرف چار ہزار مربع میل علاقے تک محدود رہے۔ اعلان تاشقند کا راز جاننے میں اگر اب بھی کوئی دشواری پیش آئے تو اس اعلان کو ایک مرتبہ پھر پڑھنے کے بعد بھارتی آئین کی متعلقہ دفعات اور گورنمنٹ آف آزاد کشمیر ایکٹ کا مطالعہ کریں۔"

سوال: مسلح جدوجہد کو آگے بڑھانے کے لئے آپ نے کیا طریق کار اختیار کیا ہے؟

جواب: "مئی ۱۹۶۷ء میں ہماری پہلی پارٹی مقبوضہ کشمیر میں پہنچی۔ ستمبر ۶۷ء تک وہاں کام کرتے رہے۔ ستمبر میں حکومت کو کسی طرح ہماری کاروائیوں کا علم ہوگیا۔ ہمیں گرفتار کرنے کے لئے وسیع وعریض علاقے کا محاصرہ کرلیا گیا۔ مقابلے میں ہمارا ایک آدمی شہید ہوگیا۔ بالآخر ہمیں گرفتار کرلیا گیا۔ ایک اصولی بات کی وضاحت کردوں کہ انقلابی جدوجہد کے اپنے کچھ اصول ہوتے ہیں جو بہت فطری ہوتے ہیں۔ اگر آپ ان پر چلتے رہیں تو بالآخر کامیابی ہوگی، اگر کہیں ان کی خلاف ورزی ہو یا ان سے انحراف ہو تو ناکامی یقینی ہے۔ اگر ہمیں بھی کوئی ناکامی ہوئی تو اس

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

میں یقیناً ہماری کوتاہیوں کا دخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت میرے نزدیک اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ آپ صحیح راہ پر آگے بڑھتے چلے جائیں اور اِدھر اُدھر نہ بھٹکیں۔ اگر آپ نے اصلی راہ چھوڑ کر کسی اور راہ پر چلنا شروع کر دیا اور اس طرح اصولوں سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت کی توقع نہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت صرف اس صورت میں شامل حال ہوتی ہے جب آپ صحیح مقصد کے لئے صحیح راستہ اختیار کر کے اس پر مسلسل چلتے جائیں۔ ہم پر ۲ سال تک مقدمہ چلتا رہا اور اگست ۶۸ء میں فیصلہ ہوا۔ ہم کل تین آدمی تھے۔ دو کو سزائے موت اور ایک کو عمر قید ہوئی۔ مقبوضہ کشمیر میں ہمارے ساتھیوں کو تین ماہ سے لیکر تین سال تک سزائیں دی گئیں اور تین سو کے قریب آدمیوں کو نظر بند کیا گیا۔ ان میں طالبعلم، انجینئر، اساتذہ، ٹھیکیدار، دکاندار اور سرکاری ملازم بھی شامل تھے اور ان کا تعلق محاذ رائے شماری وغیرہ سب جماعتوں سے تھا۔ ۲۲/ اکتوبر ۶۸ء میں ہم نے جیل سے بھاگنے کا منصوبہ بنایا۔ اور ۸ دسمبر ۶۸ء کو رات کے ۲ بج کر ۱۰ منٹ پر جیل کی دیوار توڑ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہمارے ساتھ تیسرا آدمی آزاد کشمیر کا ایک نظر بند تھا۔ آزاد کشمیر کی پہلی سرحدی چوکی پر پہنچنے میں ۱۶ دن لگے۔ ۲۵ دسمبر کو مظفر آباد پہنچے۔ ۲۵ دسمبر سے لیکر مارچ ۶۹ء تک مظفر آباد کے تفتیشی مرکز میں ہم سے پوچھ گچھ ہوتی رہی اور پھر ہمیں رہا کر دیا گیا۔ نومبر ۶۹ء میں مظفر آباد میں محاذ رائے شماری کا سالانہ کنونشن ہوا جس میں مجھے پارٹی کا صدر چن لیا گیا۔"

سوال: مقبوضہ کشمیر میں آپ کے کام کرنے کا کیا طریقہ تھا اور آپ کو کیا کامیابیاں ہوئیں؟

جواب: "پورے مقبوضہ کشمیر میں ہم نے خفیہ سیل قائم کیے۔ ان کے لئے مواصلات اور باہمی رابطے کا نظام قائم کیا۔ سب سے بڑی کامیابی جس پر مجھے فخر ہے اور جس نے ہمارے حوصلے بڑھائے، وہ یہ تھی کہ کوئی بھی عنصر جس کا تعاون کسی تحریک کی کامیابی کے لئے ضروری ہوتا ہے وہ ہمارے خلاف نہیں تھا۔ کسی تحریک کی کامیابی میں دو عوامل خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ پہلی چیز عوام کا حق میں ہونا ہے۔ اس بات کا کریڈٹ کشمیر کی قیادت کو ملتا ہے کہ وہاں عوام میں زبردست سیاسی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

بیداری اور شعور پایا جاتا ہے۔اس مقصد کے لئے کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔زمین بالکل تیار اور ہموار تھی۔صرف اس بیداری اور شعور کو عملی شکل دینے کے لئے مختلف ذرائع تلاش کرنے کی ضرورت تھی۔دوسری چیز تربیت اور جدوجہد تھی۔میدانی علاقوں میں جنگی حکمت عملی مختلف ہوتی ہے۔وہاں روایتی ہتھیاروں سے کام لیا جاسکتا ہے اور چند منٹوں کے نوٹس پر فوج یا پولیس حرکت میں آکر کسی علاقے کو گھیرے میں لے سکتی ہے اور دشمن کو بچ کر نکلنا ناممکن ہوتا ہے۔لیکن مقبوضہ کشمیر میں یہ صورتحال نہیں۔وہاں ایک آدمی سو آدمیوں کو مصروف رکھتا ہے اور پھر بھی سو کی ناکامی کا امکان زیادہ اور ایک کی ناکامی کا امکان کم ہوتا ہے۔سیل قائم کرنے کا بھی یہی مقصد تھا، بلکہ اس کے لئے طریق کار یہ نہیں تھا کہ ہم نے کسی ہمہ گیر پروگرام پر بیک وقت عمل شروع کردیا، بلکہ اسکے لئے تجربہ، کامیابی، تجربہ کا طریقہ کار اختیار کیا۔یعنی ایک وقت میں بھی سارے چراغ جلانے کے بجائے چراغ سے چراغ جلایا۔بہت سارے چراغ یک لخت جل اٹھیں تو پھر ان کا انقلابی جدوجہد کے دوران اسی سرعت سے بجھنے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، لیکن ہم نے ماچس کی ساری ڈبیا ضائع کرنے کے بجائے ایک ہی تیلی سے کام چلایا۔ہم نے جس حلقے سے بھی رابطہ قائم کیا، کہیں سے بھی مایوسی نہیں ہوئی۔جب ہم پکڑے گئے تو وہ ہمارا آپریشن اسٹیج نہیں تھا۔ہم ابھی تنظیمی مراحل میں ہی تھے اور تصادم کا خطرہ مول لینے کے لئے مکمل طور پر تیار نہ تھے۔دشمن سے تصادم اس وقت مول لینا چاہئے جب خود اس کی دعوت دینے کی اہلیت ہو۔لیکن اس واقع نے بھی ہماری تحریک کے لئے مہمیز کا کام کیا۔مگر گذشتہ دو تین سال میں ہمیں خاصی کامیابیاں ہوئیں۔اب ہم ایک نئے دور میں داخل ہو چکے ہیں۔اب ہم نہ صرف طاقت کی زبان سمجھنے والے بھارت سے اس کی زبان میں بات کرسکتے ہیں بلکہ عالمی رائے عامہ کو جو ہمیں مسلسل نظر انداز کرتی چلی آئی ہے پر بھی اپنے وجود کا احساس دلا سکتے ہیں۔اس دنیا میں اپنا وجود منوانا پڑتا ہے ہم نے اپنا وجود منوالیا ہے اور ہم انشاءاللہ پوری کشمیری قوم کا وجود منوا کردم لیں گے۔

سوال: کیا یہ گوریلا جنگ کا نقطہ آغاز ہے؟

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

جواب: ''گوریلا جنگ تو کب سے شروع ہے، البتہ اس میں قدرے شدت آ گئی ہے۔ یہ جنگ جاری رہے گی۔ جتنا ہم اسے کریں گے اتنی ہی کامیابی ہوگی۔ ہم دشمن کو سکون سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ دریاؤں میں، پہاڑوں میں، جنگلوں میں فیکٹریوں میں گھروں میں، کارخانوں میں، دفتروں میں ہر جگہ اس کا تعاقب جاری رکھیں گے۔ جب وہ تھک کر چور ہو جائے گا تو اس کے سر پر آخری اور فیصلہ کن ضرب لگائیں گے تا کہ وہ دوبارہ نہ اُٹھ سکے۔ ہم انشاء اللہ دشمن کے اعصاب پر اس وقت تک سوار رہیں گے جب تک وہ ہمارے مطالبات تسلیم کرنے کے واضح اعلان کے ساتھ کانفرنس ٹیبل پر آ کر نہیں بیٹھ جاتا۔ بھارت یہ فیصلہ بہت دیر بعد کرے گا لیکن ہمیں یقین ہے کہ اپنی موت یا اس فیصلے میں سے کسی ایک کے انتخاب کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔''

سوال: آزاد اور خود مختار کشمیر کے نعرے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: ''(ایش ٹرے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) یہ ایش ٹرے ہوٹل والوں کی ہے۔ کیا میں آپ کو بطور تحفہ دے سکتا ہوں یا آپ کے ہاتھ بیچ سکتا ہوں؟ نہیں ہرگز نہیں ۔۔۔۔ جب تک اس پر میرے حقوق ملکیت تسلیم نہ کیے جائیں، میں اسے ٹھکانے لگانے کا مجاز نہیں۔ کشمیر آزاد ہوگا یا پاکستان سے الحاق کرے گا۔ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے ہمیں اپنے ملک کا مالک بننا چاہیے۔ پھر قوم خود فیصلہ کرے گی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ میرا یہ ایمان ہے کہ قوم کا مجموعی فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ اجماع امت کو اسلام میں قانون سازی کا ایک ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ جو شخص اس پر یقین نہیں رکھتا، مجھے اس کے مسلمان ہونے میں شک ہے۔ اگر قوم کی عظیم اکثریت پاکستان سے الحاق کے حق میں ہے تو آزادی ہونے کے بعد یک لخت اپنا فیصلہ کیسے تبدیل کر سکتی ہے۔

(بشکریہ ہفت روز ''زندگی'' لاہور ۸ تا ۱۴ فروری)

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

مقبولؒ بٹ شہید کا فروری ۱۹۷۱ء میں ہفت روز ''کہانی'' لاہور کو دیا گیا خصوصی انٹرویو!

''پاکستان میں بیوروکریسی کی غلط منصوبہ بندی کے سبب بھی کشمیر میں ہماری تحریک کو نقصان پہنچا۔ پاکستان کی بیوروکریسی نے کشمیری لیڈروں کو اعتماد میں لئے بغیر جو بھی قدم اٹھایا وہ صریحاً ناکام ہوا اور اس کا نقصان پہنچا، اور سب سے بڑا اور سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان کے اکثر حکمرانوں نے مسئلہ کشمیر کو اس انداز میں عالمی رائے عامہ کے سامنے پیش کیا جیسے یہ کوئی سرحدی تنازعہ بھارت اور پاکستان کے مابین ہو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بھارت و پاکستان میں کشمیر اور فرخابیراج کے مسئلہ متنازعہ فیہ ہیں۔ حالانکہ کشمیر کا مسئلہ بھارت اور پاکستان کے مابین سرحدی تنازعہ نہیں بلکہ ایک قوم کی آزادی کا مسئلہ ہے۔ اُس کی بقاء کا مسئلہ ہے۔ ہم تہہ دل سے پاکستان کے ساتھ ہیں مگر ہم اس مسئلے کو اس انداز میں لیتے ہیں کہ بھارت ایک غاصب ملک ہے۔ کشمیری ایک قوم ہیں جو اس عفریت کے چنگل سے آزاد ہونا چاہتے ہیں اور ایک مسلح جدوجہد کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں ہے۔ اور جو لوگ آزادی کی راہ میں یہ سوچ کر روڑے اٹکاتے ہیں کہ کہیں ہم پاکستان کے خلاف نہ ہو جائیں وہ شدید قسم کی غلطی کرتے ہیں۔ ہمیں اور ہماری جماعت کو پاکستان کی حکومت نے ہمیشہ مشکوک نظروں سے دیکھا اور ہمیں بار بار گرفتار کیا گیا مگر اسکے باوجود ہم پاکستان کے پوری طرح خیرخواہ ہیں اور دل سے اس کی سلامتی کے خواہاں ہیں۔ البتہ یہاں کی بیوروکریسی کے ہم مخالف ہیں کہ یہ مسئلے کو خراب کر رہی ہے۔''

سوال: ہاشم قریشی اور اشرف قریشی کے بارے میں کیا آپ کو پہلے سے علم تھا کہ وہ طیارے کو اغواء کر کے یہاں آئیں گے؟

جواب: ''جی ہاں۔ البتہ جیسا کہ کور یا اسرگرمیوں میں ہوتا ہے انہیں بعض خطوط کے اندر کام

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کرنے کی آزادی ہوتی ہے۔ چنانچہ میں ان کا راولپنڈی میں منتظر رہا اور وہ راولپنڈی کے راستے لوٹ کر لاہور آ گئے۔ یہ سب ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت ہوا اور اس کا مقصد بھارت کے اس پروپیگنڈہ کو غلط ثابت کرنا تھا جس میں اس نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ کچھ لوگ شورش پسند تھے اور نہیں کچل دیا گیا ہے اور ہم اپنے اس مقصد میں کامیاب رہے۔''

سوال: کیا یہ سرگرمیاں جاری رہیں گی؟

جواب: ''جہاز کو لاہور میں اتارنے کا واقعہ صرف ایک پہلو ہے۔ ہماری سرگرمیاں مقبوضہ کشمیر میں جاری و ساری ہیں اور ہم کو تعداد میں کم ہیں لیکن واضح پروگرام کے تحت کام کر رہے ہیں اور اپنے موقف سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ آزاد کشمیر میں ہوائی اڈہ نہ ہونے کے سبب ہم اپنے پروگرام پورے نہیں کر پاتے۔''

سوال: دونوں حریت پسندوں سے بعض کشمیری لیڈر بھی ملنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے سوا کوئی سیاستدان اُن سے ملاقات نہیں کر سکا۔ کیا آپ کی وجہ بتا سکتے ہیں؟

جواب: ''وجہ بالکل واضح ہے۔ ان کے پاس ہدایات تھیں اور وہ طیارے میں کسی بھی شخص پر اعتماد نہیں کر سکتے تھے سوائے ہمارے اپنے آدمیوں کے۔ بھٹو صاحب سے ملاقات جذباتی امر تھا اور وہ بھی محض اسلئے پاکستان سیاست میں ان کی ذاتی اہمیت کے پیش نظر۔ کسی نے انہیں طیارے کی طرف جانے سے نہیں روکا۔ وگرنہ اس کی تہہ میں کوئی خاص بات نہ تھی۔''

سوال: کیا بھارت مقبوضہ کشمیر میں ان نوجوانوں کے اور آپ کے عزیز و اقارب پر کسی قسم کی سختی کرے گا؟

جواب: ''ذلیل دشمن سے ہر قدام کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ تاہم اگر وہ سمجھ سے کام لے تو ایسا کرنا بیکار ہوگا، کیونکہ اگر وہ ان کی کھال بھی اُتار لے تو بھی وہ اپنے ارادے سے باز نہیں رہ سکتے۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سوال: کیا آپ بتا سکتے ہیں حریت پسندوں کا آئندہ منصوبہ کیا ہوگا؟

جواب: فی الحال وہ پاکستان میں رہیں گے جب تک حالات معمول پر نہیں آجاتے۔ رہا آئندہ منصوبہ، تو میں آپ کو ضرور بتاتا مگر آپ ہی کہئے کیا اسے وقت سے پہلے بتانے سے نقصان نہیں ہوگا؟

سوال: مقبول بٹ دو حریت پسند کشمیری نوجوانوں نے گذشتہ رات بھارتی طیارے کو لاہور کے ہوائی اڈے پر نذر آتش کیا۔ ان کا تعلق کس جماعت سے ہے؟

جواب: یہ نوجوان قومی محاذ آزادی سے تعلق رکھتے ہیں۔ پاکستان میں اس کی شاخ ہے اسے ہم قومی محاذ آزادی برائے آزاد کشمیر و پاکستان کا نام دیتے ہیں۔ میں اس کی صدارت کے فرائض انجام دیتا ہوں۔

سوال: کیا یہ نوجوان الفتح سے تعلق رکھتے ہیں؟

جواب: الفتح نام کی فی نفسہ کوئی تنظیم نہیں ہے۔ قومی محاذ آزادی کی عسکری شاخ کو الفتح کا نام دیا جاتا ہے اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ پاکستان میں امان اللہ خان صاحب جو قومی محاذ آزادی کے لیڈر اور اس کے پبلسٹی ونگ کے سیکرٹری ہیں اور جو آج کل گلگت میں قید ہیں نے الفتح اور کشمیری نوجوان کے نام سے ایک پمفلٹ لکھا تھا۔ یہ پمفلٹ مقبوضہ کشمیر میں خفیہ طور پر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہوا۔ بھارتی حکومت نے چونکہ اس پوسٹر کے حوالے سے گوریلا طرز پر جنگ شروع کرنے والوں کو پہچانا تھا۔ اس لئے ان کا نام الفتح پڑ گیا۔

سوال: مقبول بٹ صاحب کل سے بھارتی ریڈیو بار بار آپ کا نام لے رہا ہے اور اسی ریڈیو کے حوالے سے ہمارے یہاں کے عام لوگوں کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کو بھارتی حکومت نے پھانسی کی سزا دی تھی۔ کیا آپ اپنے حالات زندگی پر روشنی ڈالنا پسند کریں گے؟

جواب: مختصراً یہ عرض ہے کہ میں ۱۸/فروری ۱۹۳۸ء کو ترہگام نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوا جو مقبوضہ کشمیر کے ضلع بارہ مولہ میں واقع ہے۔ والدین کاشت کار تھے اور زرعی اصلاحات سے قبل

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

مزارع تھے۔ اصلاحات کے بعد زمین کی ملکیت مل گئی ۔ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی ،سینٹ جوزف کالج بارہمولہ سے ۱۹۵۸ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور پاکستان آ گیا۔

سوال: یہاں آنے کے مقاصد پر روشنی ڈال سکتے ہیں؟

جواب: یوں سمجھ لیجئے سیاسی مقاصد کے لئے یہاں آنا ضروری تھا۔۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۰ء تک پشاور کی یونیورسٹی سے اُردو میں ایم اے کیا اور روزنامہ انجام پشاور سے بطور سب ایڈیٹر منسلک ہوگیا۔سب ایڈیٹر کے بعد انجام میں نیوز ایڈیٹر بنا اور ستمبر ۱۹۶۵ء میں ملازمت چھوڑ کر پورے طور پر آزادی کی تحریک میں حصہ لینا شروع کیا۔سیز فائر لائن کراس کر کے مقبوضہ کشمیر پہنچا اور وہاں نیشنل لبریشن فرنٹ یا قومی محاذ آزادی کی تنظیم اور ان عناصر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا شروع کیا جو اپنے اپنے طور پر آزادی کے لئے مسلح جد وجہد کر رہے تھے یا کرنے کے حق میں تھے۔ چھ ماہ تک ہم اپنے طریقے پر کام کرتے رہے۔ہم لٹریچر تقسیم کرتے تھے۔عام لوگوں کو جو ہم سے متعلق ہوتے ،انہیں گوریلا جنگ کے طریقے بتاتے تھے۔اس دوران میں بھی اور اس سے پہلے بھی کشمیری نوجوانوں نے وہاں بہت سی کاروائیاں کیں جن کی تفصیل میں جانے سے ہم گریز کرتے ہیں۔لیکن خود بھارتی اخبارات ان کارناموں کے گواہ ہیں۔ ہماری جماعت نے اس ضمن میں ایک پمفلٹ بھی شائع کیا جس کا عنوان ہے ''ایک کلیم سر بکف''۔آپ وہ پمفلٹ دیکھ سکتے ہیں ۔بہرکیف ۱۴/اکتوبر ۱۹۶۶ء میں یعنی ۶ ماہ بعد ہماری مخبری ہوگئی ۔مجھے اور میرے دوسرے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا گیا۔مقبوضہ کشمیر کی حکومت چاہتی تھی کہ ملٹری کورٹ میں سزا دیکر ہمیں فوراً ختم کردیا جائے لیکن سول کورٹ میں مقدمہ چلتا رہا۔ثبوت کافی تھے اور الزامات کی فہرست طویل ۔موت کی سزا ۱۸/اگست کو سنائی گئی اور ہمیں سری نگر جیل میں کڑے فوجی پہرے میں رکھا گیا۔جہاں ہم نے انتہائی خوش اسلوبی سے اور منظم طور پر فرار کا منصوبہ بنایا۔اس منصوبے کی تفصیلات کے لئے وقت چاہئے ۔قصہ مختصر یہ کہ ہم دو ساتھی جنہیں موت کی سزا ہوئی تھی، اپنے ایک کشمیری نوجوان کے ساتھ جو آزاد کشمیر کا رہنے والا تھا مگر ہماری تنظیم سے متعلق نہ تھا ساتھ لیکر فوج کے کڑے پہرے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کے باوجود جیل سے فرار ہوئے اور کشمیر کے ان راستوں پر سے ہوتے ہوئے جہاں ہمیں کھانا اور دیگر چیزیں مل سکتی تھیں اور ۱۵/۱۶ ہزار فٹ کی بلندی پر سفر کرتے ہوئے ۲۴ دسمبر ۱۹۶۸ء کو آزاد کشمیر کے علاقے میں پہنچے۔

سوال: اس گرفتاری کی کیا وجہ تھی؟

جواب: کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔ ایوب خان کی حکومت تھی اور ایوب خان کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ شخص پاکستان کے عوام کا بھلا چاہتا تھا نہ کشمیر کے عوام کا۔ اس کی حکومت نے ہم پر بے انداز مظالم ڈھائے۔ مجھے جس کنسنٹریشن کیمپ میں رکھا گیا وہاں شدید تکلیفیں دی گئیں۔ دل یہ سوچ کر اور بھی کڑھتا تھا کہ تکلیفیں اپنوں سے مل رہی ہیں۔ ۲۴ دسمبر سے آٹھ مارچ تک انٹروگیشن سنٹر مظفر آباد میں رکھا گیا اور ۸ مارچ کو جب محاذ کے کارکنوں نے اسلام آباد میں مظاہرہ کیا تو مجھے رہا کیا گیا۔ نومبر ۱۹۶۹ء میں محاذ کا صدر منتخب ہوا۔

سوال: آپ کی جماعت نے آزاد کشمیر کے انتخابات میں حصہ کیوں نہیں لیا؟

جواب: اس لئے کہ ہم آزاد کشمیر کی موجودہ حیثیت سے مطمئن نہیں ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ۱۹۴۸ء میں جتنا علاقہ ہم نے بھارت سے آزاد کرایا تھا اس میں سے پانچویں حصے پر حکومت آزاد کشمیر قایم ہے اور چار حصے پر جو گلگت اور بلتستان کہلاتا ہے ایک ریذیڈنٹ راج کرتا ہے۔ اس علاقے کے باشندوں کو نہ تو ابھی تک ووٹ کا حق مل سکا ہے اور نہ انہیں دیگر سہولتیں میسر ہیں جو پاکستان یا آزاد کشمیر کے علاقے میں عوام کو ملتی ہیں۔ علاوہ ازیں حکومت آزاد کشمیر کا اپنا ڈھانچہ ہی ایسا ہے کہ ہم اس مطمئن نہیں۔ یہ کالونیل سسٹم (colonial system) کے یادگار لوگ اُمور داخلہ وکشمیر میں ملازم ہیں اور بیوروکریسی کے یہ پرزے

بعض غیر جمہوری اور غیر نمائندہ حکمرانوں سے مل کر مسئلہ کشمیر کو دبانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اس حالت میں ہم انتخابات میں حصہ لینا نہیں چاہتے تھے کیونکہ ہم امور کشمیر کے گماشتے بن کر کام کرنا نہیں چاہتے۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سوال: کشمیر کی باقی سیاسی جماعتوں کا تعاون آپ کو کس حد تک حاصل ہے؟

جواب: آزاد کشمیر میں ایک ہی سیاسی جماعت تھی۔ مسلم کانفرنس، اور اس کا حال یہ تھا کہ اس کے اکثر ارکان تنخواہ دار تھے اور ۱۹۵۸ء تک باقاعدہ حکومت پاکستان کے افسروں سے تنخواہ وصول کرتے تھے۔ ایوب خان صاحب نے انہیں چار برس کی یکمشت تنخواہیں دے کر یہ نظام ختم کر دیا۔ پھر ۱۹۶۲ء میں یعنی یہ مدت ختم ہونے کے بعد وہاں امپورٹ لائسنس سسٹم جاری کیا گیا اور تنخواہیں تقسیم ہونے کے بجائے لائسنس تقسیم ہونے لگے۔ آپ اس جماعت کی بات کیا کرتے ہیں اور اس سے بھلائی کی کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔ یہ سیاسی جماعتیں تو پاکستانی بیوروکریسی کی نمائندہ ہیں۔ کیونکہ اسی مسلم کانفرنس کے حصے ہو کر موجودہ بظاہر بڑی بڑی سیاسی جماعتیں معرض وجود میں آئی ہیں۔

سوال: اگر کشمیر کی کسی سیاسی جماعت کی طرف سے تعاون کی پیش کش ہو تو آپ اسے قبول کریں گے؟

جواب: ہم تو پیش کش قبول کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ بعض لوگوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ہم جس راستے پر چل رہے ہیں پاکستان کی بیوروکریسی ان راستوں کو پسند نہیں کرتی اور آج اگر کشمیر کا موجودہ سیاسی لیڈر خلوص دل سے ہمارے ساتھ کام کرنا چاہے تو یہ بیوروکریسی کے عناصر اسے ڈرا دھمکا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کے کارناموں پر مشتمل فائلیں اس کے ایسے ایسے کمزور پہلو بیوروکریسی کے پاس ہیں کہ اس کی لیڈری کا سارا بھرم کھل سکتا ہے۔ بھائی ہم آپ کو کیا بتائیں کہ یہاں کوئی ایسی تنظیم موجود نہیں جو آزادی کشمیر کے لئے مسلح جدوجہد کو اختیار کر سکے۔ ہم لوگ یہاں اس انداز کی باتیں کرتے تھے تو ہم پر لوگ ہنستے تھے اور ہمارا مذاق اڑاتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس واقعے سے لوگوں کو ہماری جماعت کے وجود کا یقین ہو گیا۔

سوال: مسلم کانفرنس کے رہنما اور حکومت آزاد کشمیر کے موجودہ صدر سردار عبدالقیوم صاحب نے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

بھی ایک تنظیم المجاہد کے نام سے قائم کر رکھی ہے۔کیا آپ اس تنظیم کے بارے میں کچھ کہنا پسند کریں گے؟

جواب: کیا آپ کو یقین ہے کہ ایسی کوئی تنظیم واقعتاً موجود ہے؟

سوال: میں آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں؟

جواب: یہ تنظیم سردار صاحب کی تقریروں میں ملتی ہے۔کشمیر کے بارے میں مسلم کانفرنس کے طرز عمل سے میں آپ کو آگاہ کر چکا ہوں کہ یہ جماعت وہی کچھ چاہتی ہے جو حکومت پاکستان چاہتی ہے۔جو حکومت پاکستان کے افسر چاہتے ہیں۔

سوال: مسئلہ کشمیر کے بارے میں آپ کو حکومت پاکستان سے کیا شکایت ہے؟

جواب: ہم پاکستان کے عوام کے ہر طرح سے شکر گزار ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ صرف عوام کے دباؤ کے تحت کوئی پاکستانی حکمران کشمیر کی تقسیم یا اس انداز کی دیگر تجاویز پر عمل نہ کر سکا۔لیکن پاکستان کے حکمران طبقے سے ہمیں بے شمار شکایات رہی ہیں۔پاکستان کی بیوروکریسی نے اس مسئلے کو صحیح انداز میں غیر ممالک کے سامنے پیش نہیں کیا۔مختصراً اس مسئلے کو دیکھئے کہ پہلا نقصان مسئلے کو اس وقت پہنچا جب سر ظفر اللہ خان پہلے وزیر خارجہ نے اقوام متحدہ میں یہ تسلیم کر لیا کہ حکومت آزاد کشمیر ایک لوکل اتھارٹی ہے۔دوسرے لفظوں میں پاکستان نے یہ تسلیم کر لیا کہ اصل حکومت وہ ہے جو مقبوضہ کشمیر میں ہے۔چنانچہ طے یہ پایا تھا کہ رائے شماری کے لئے اگر وہ ہوئی تو ایڈمنسٹریٹر کا تقرر بھی مقبوضہ کشمیر کی حکومت کرے گی۔دوسرا بڑا نقصان ۱۹۵۳ء میں شیخ عبداللہ کے اس اعلان کے وقت جو انہوں نے بھارت کے خلاف کیا،پاکستان کے وزیر اعظم محمد علی بوگرہ کا بھارت جانا اور وہاں پنڈت نہرو سے میل ملاقات اور ہاتھ پر تلک لگوانے سے پہنچا کہ غیر ملکی پریس نے اس ملاقات کو خوب اچھالا۔تیسرا بڑا نقصان فیروز خان نون کی وزارت خارجہ اور وزارت عظمیٰ کے زمانہ میں پہنچا کہ اگر آپ ان کی کتاب ''چشم دید'' دیکھیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ دل سے سمجھتے تھے کہ مسئلہ کشمیر کا حل جناب لائن پر اس کی تقسیم ہے،ظاہر ہے جو شخص دل سے تقسیم کو درست سمجھتا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہووہ دوسرے ملکوں کے نمائندوں کے سامنے مسئلے کو کیونکر پیش کرتا ہوگا۔ چوتھا بڑا نقصان بھٹو سورن سنگھ مذاکرات کی شکل میں پہنچا کہ اس وقت دنیا بھر کے ساتھ ساتھ جب پاکستانی اخباروں نے بھی لکھا تھا کہ رائے شماری کے بجائے کوئی متبادل حل اس مسئلے کے لئے ہونا چاہئے اور پانچواں بڑا نقصان آزاد کشمیر کے علاقے منگلا ڈیم کی تعمیر سے پہنچا اور چھٹا اعلان تاشقند کی صورت میں۔ کشمیری عملاً اپنے ایک بہت بڑے ہمدرد یعنی پاکستان کی عملی مدد سے وقتی طور پر محروم ہوگئے۔ یہ سیاسی طور پر مسئلے کو نقصانات پہنچنے کی تفصیل ہے۔ اب فوجی نقطۂ نظر سے دیکھئے ۱۹۶۵ء میں کشمیریوں کو بتلائے بغیر جنگ مسلط کردی گئی جو بہت بڑی غلطی تھی۔

(بحوالہ۔ ہفت روزہ مشعل کوئٹہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆

بابائے قوم محمد مقبول بٹؒ کا آخری انٹرویو جو کشمیری عوام کے نام ان کا آخری پیغام ثابت ہوا۔

دہلی کے قریب تہاڑ جیل میں ایک اخبار نویس شہادت سے تھوڑا عرصہ قبل متعدد رکاوٹیں عبور کرنے کے بعد بابائے قوم محمد مقبولؒ بٹ شہید کا انٹرویو لینے میں کامیاب ہوا تھا جو باہر کی دنیا کے ساتھ شہید رہنما کا شاید آخری تفصیلی رابطہ تھا۔ بابائے قوم محمد مقبول بٹ نے اسمیں اپنی ذات اور نظریات کے بارے میں چند سوالوں کا جواب دیا تھا۔

سوال: آپ اپنے خاندان کے بارے میں ہمیں کچھ بتا سکتے ہیں؟

ج: میرے والد زراعت پیشہ بھی تھے اور دست کار بھی۔ ان کی وفات ۱۹۷۳ء میں میرے آبائی گاؤں میں ہوئی۔ والدہ کی وفات اُس وقت ہوئی جب میں ابھی اسکول میں زیر تعلیم تھا۔ وہ ایک گھریلو عورت تھی۔ میرا ایک حقیقی بھائی غلام نبی ہے، وہ قریب دس سال مجھ سے چھوٹا ہے اور وہی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

خاندان کی دیکھ بھال کرتا ہے اس کے علاوہ میرا سوتیلے بھائی منظور احمد اور ظہور احمد نیز دو سوتیلی بہنیں ہیں جن کی شادی ہو چکی ہے۔ ہمارا خاندان اکٹھے رہتا ہے۔ شادی شدہ افراد خانہ کے بچے بھی ہیں۔

سوال: کیا آپ تعلیم یافتہ ہیں؟

جواب:۔ میرے پاس پوسٹ گریجویٹ کی ڈگری ہے۔ میں آرٹس کا طالب علم رہا ہوں میں نے ۱۹۵۸ء میں ایک باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے سینٹ جوزف کالج بارہمولہ سے بی۔اے کی ڈگری لی اور تاریخ و سیاسیات میرے موضوعات تھے۔ ایم۔اے میں نے ۱۹۶۵ء میں پشاور یونیورسٹی سے کیا۔

س: کیا آپ بہت پڑھے لکھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں؟

ج: اس اصطلاح کے لغوی معنوں میں تو یقیناً نہیں۔

س: کیا آپ نے تعلیم حاصل کرنے بعد کام بھی کیا ہے؟

ج: میں نے پشاور کے ایک اردو روزنامہ میں سب ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا اور نیوز ایڈیٹر بننے میں کامیاب ہو گیا۔

س: کیا آپ شادی شدہ ہیں؟

ج: جی ہاں میں ایک شادی شدہ آدمی ہوں۔

س: کیا آپ اپنی بیوی کے بارے میں ہمیں کچھ بتا سکتے ہیں؟

ج: میری بیوی بنیادی طور پر ایک گھریلو خاتون ہے وہ میری ہی عمر کی ہے اور ایک ٹیچر ہے آج کل پشاور میں ہے۔

س: کیا آپ کے بچے ہیں؟

ج: ہاں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بڑے بیٹے کی عمر بیس سال کی ہے اور بی۔ایس۔سی آنرز ایگریکلچر میں فیصل آباد پاکستان میں پڑھ رہا ہے۔ چھوٹے بیٹے کی عمر اٹھارہ سال ہے اس نے پشاور

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

میں ایف۔ایس۔سی میڈیکل کا امتحان دیا ہے۔سب سے چھوٹی بیٹی سترہ سال کی ہے اور اس سال کراچی سے سینئر کیمرج مکمل کرنے والی ہے۔

س: آپ پہلی مرتبہ کب اور کیوں گرفتار ہوئے؟

ج: پہلی مرتبہ ستمبر ۱۹۶۶ء میں مجھے جموں کشمیر کی حکومت کا تختہ الٹنے اور اس سلسلہ میں بعض ایسے اقدامات کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا جو میرے مدعیان کی نگاہ میں غیر قانونی سمجھے گئے۔

س: سنا ہے کہ آپ کو کسی جرم کی پاداش میں گرفتار کیا گیا ہے؟

ج: جرم نے میری زندگی میں کبھی کوئی کردار ادا نہیں کیا۔معاشرے کی تبدیلیوں کے لئے کام کرنے والے اگر اس راہ پر لگ جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بزدلی کا شکار ہوکر جبر کی قوتوں کے سامنے جھک گئے ہیں۔

س: جیل میں آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا جارہا ہے؟

ج: جیل میں کبھی میرے ساتھ ایک قیدی جیسا برتاؤ نہیں ہوا۔میری حفاظت ہمیشہ ہی قانون کے تقاضوں کے مطابق نہیں بلکہ توہمات کے پس منظر میں ہوتی رہی ہے۔اسلئے میں اپنے آپ کو جیل کا قیدی نہیں ایک غلام قیدی تصور کرتا ہوں۔

س: کیا اس سے آپ کے زاویہ نظر میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے؟

ج: جیل کے تلخ ترین تجربات نے بھی میرے زاویہ نگاہ کو نہیں بدلا۔میرے پاس مقدمہ چلانے والوں کے لئے دعاؤں اور اچھی خواہشات کے علاوہ کچھ نہیں۔

س: آپ پر اس کے کیا اثرات پڑے ہیں؟

ج: جیل کا برا سلوک میرے عزم راسخ کو متزلزل نہیں کرسکا۔میرا ارادہ برے اثرات کی مزاحمت کے لئے کافی ہے۔

س: کیا آپ مذہبی ہیں؟

ج: میں اس اصطلاح کے روایتی معنوں میں کوئی گہرا مذہبی آدمی نہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

مذہب کو نظر انداز کر کے سماجی زندگی کی تمام اخلاقی بنیادی منہدم ہو جائیں گی۔ میرا مذہبی مطالعہ اگر چہ بہت تھوڑا ہے مگر پھر بھی اس نے میری شخصیت کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔

س: آپ کس بات پر یقین رکھتے ہیں؟

ج: بنی نوع انسان کی مساوات جس میں سماجی انصاف میسر ہو۔

س: آپ کا سیاسی نظریہ کیا ہے؟

ج: آزادی فکر و عمل اور آزادی اظہار و اجتماع میرا سیاسی عقیدہ ہے۔

س: کیا آپ کو کچھ پچھتاوے ہیں؟

ج: میں زندگی سے پوری طرح مطمئن ہوں۔ بے اطمینانی تب ہوتی ہے جب عقل پر نیند غالب ہو جاتی ہے۔

س: کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ آپ ایک مشہور یا کامیاب آدمی ہیں؟

ج: کامیابی و ناکامی تو نسبتی اصطلاحیں ہیں لیکن کسی کاز کی نوعیت اپنا مقام رکھتی ہے اور اگر کسی مرحلہ پر اس کے حصول میں وقتی ناکامی سے دوچار ہونا پڑے تو اس کا مطلب ناکامی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت مسیح علیہ السلام اور کارل مارکس انسانی تاریخ میں سب سے ناکام آدمی قرار پاتے۔ مشہور آدمی ہونے کا کوئی خیال میرے دل میں کبھی نہیں آیا۔

س: کیا آپ کو مطالعے کا شوق ہے اور آپ کو کس مصنف نے زیادہ متاثر کیا؟

ج: میں اچھی کتابیں پڑھنے کا شوقین ہوں۔ میرے لئے اچھی کتاب کی تعریف اُس سے ہے جو ایک ممتاز مصنف کی ہے۔ تاہم مجھے اس فکر و عزم سے محروم کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ یہ میری زندگی کا تلخ تجربہ ہے۔ میرے لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ کون سے مصنفین نے مجھے زیادہ متاثر کیا۔ دستوفسکی ہو یا چیخوف ہو یا بالذاک والیٹر ہو یا جدید دور کے مصنفین ہمنگ وے، جان سٹین بیک، سمرسٹ یا بلسٹن سب میں ایک خاص کشش ہے۔

س: کیا آپ پوئٹری سے شغف رکھتے ہیں؟

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ج: میرا یہ خیال نہیں کہ میں پوئٹری کا شوق رکھتا ہوں۔اس میں یقیناً میرے لئے ایک جذبہ ہے مجھے جب کبھی اعصابی کھنچاؤ کا دورہ ہو یہ مجھے تسکین مہیا کرتی ہے۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد غالب، اقبالؒ، فیض، ندیم قاسمی، سردار جعفری اور فراق کو پڑھ کر بہت لطف اندوز ہوا ہوں۔

س: آپ کا نام ۱۹۷۱ء میں بھارت کے فضائی طیارے کے اغوا میں بھی لیا جاتا رہا ہے۔کیا یہ سچ ہے کہ آپ اس میں ملوث تھے؟

ج: ۱۹۷۱ء میں مختلف لوگوں نے مختلف اسباب کی وجہ سے میرا نام اس سلسلہ میں لیا ہے۔میں نے اس ڈرامائی مہم میں ایک کردار بھی ادا کیا تھا۔لیکن یہ مکمل طور پر قانونی نوعیت والا رول تھا، اور حفاظت خود اختیاری فطری جذبہ نے اس کو آگے بڑھایا تھا۔میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ پاکستان و بھارت کے سیاست دانوں نے اپنے فوری مقاصد کی تکمیل کے لئے اِسے خوب ایکسپلائیٹ (exploit) کیا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سچائی دھند میں چھپ کر رہ گئی۔ اگر گنگا کی اصل کہانی منظر عام پر آجائے تو متعلقہ ایجنسیوں کی الماریوں میں پڑے ہوئے کئی ڈھانچے اور آدمی اپنے اصل روپ میں سامنے آجائیں گے۔سچ جاننا لوگوں کا حق ہے اور ایک دن یقیناً انہیں اس کا پتہ لگ جائے گا۔

س: کیا آپ موت سے ڈرتے ہیں؟

ج: میں ہرگز موت سے نہیں ڈرتا۔جب ہر زندہ چیز کو ایک دن مرنا ہے تو پھر اس سے ڈرنا کیا۔وہ لوگ جو معزز انسانی مقاصد کے لئے کھڑے ہوتے ہیں موت انکے لئے محض عبوری حیثیت رکھتی ہے۔حقیقت میں وہ جسمانی طور پر مخفی ہو جانے کے باوجود بھی زندہ رہتے ہیں۔میں ہونٹوں پر مسکراہٹیں لئے پھانسی کا سامنا کروں گا۔میرے ردعمل کو ایک شاعر کا شعر شاید اپنے اندر سمو سکے۔

''زندگی سے بہت پیار ہم نے کیا۔۔۔موت سے بھی محبت نبھائیں گے ہم۔''

س: آپ زندگی کا کیا مطلب لیتے ہیں؟

ج: زندگی ایک نعمت ہے۔مقصد کی خاطر کام کرنے والے لوگ اس کے انجام پر نظر نہیں رکھتے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

بلکہ وہ اسے مطلب و مفہوم عطا کرتے ہیں۔

س: آپ نے زندگی کو کیا دیا ہے؟

ج: مجھے جو اس سے محبت ملی ہے اس کا مثبت جواب دیا ہے اور میں معاشرے کو کیا دے سکتا تھا۔

س: کیا آپ کو اپنے خاندان کے لئے افسوس ہے؟

ج: ذاتی سطح پر مجھے افراد خاندان کے بارے میں افسوس بھی ہوتا ہے، کیونکہ میں ان پر وہ توجہ نہیں دے سکا جس کی وہ مجھ سے توقع کرتے تھے۔

س: کیا آپ کے خاندان کو آپ کے لئے تاسف ہے؟

ج: اس کا جواب صرف میرے خاندان والے ہی دے سکتے ہیں۔

س: کیا آپ سزائے موت کی حمایت میں ہیں؟

ج: میں اصولی طور پر اس کے حق میں نہیں۔ یہ سزا کی روح کا سماجی مقصد پورا نہیں کرتی۔ اس سلسلہ میں میرے خیالات سپریم کوٹ آف انڈیا کے جسٹس بھاگ وتی کے نظریات سے بالکل ہم آہنگ ہیں۔ سزائے موت کے حامی خواہ کچھ کہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ سزائے موت ایک مہذب سوسائٹی میں سماجی سکون مہیا کرنے کا مقصد پورا نہیں کرتی۔

س: کیا آپ سے جیل میں اچھا سلوک ہو رہا ہے؟

ج: ذاتی طور پر جیل حکام مجھ سے برا سلوک نہیں کرتے۔

س: ذاتی طور پر جیل حکام کے خلاف شکایت کرنا پسند کریں گے؟

ج: مجھے شکایتیں کرنے کی عادت نہیں ہے۔ ایسا کر کے اپنے قید کرنے والوں کی اذیت پسندی کو تسکین نہیں دینا چاہتا۔ جو بھی جیل میں ہوتا ہے اس کا سامنا کرتا ہوں۔

س: بھٹو، ضیاء اور مسز گاندھی میں سے آپ کسے زیادہ قابل تعریف سمجھتے ہیں؟

ج: میں لوگوں کی محض اس لئے تعریف نہیں کرتا کہ انہیں اقتدار پر براجمان ہونے کا موقع ملا ہے۔ کیونکہ یہ چاپلوسی ہے، میں کسی کی شخصیت میں کوئی خوبی دیکھتا ہوں تو تعریف کرتا ہوں۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

س: آپ کی آخری خواہش کیا ہوگی؟

ج: میں اپنے نظریاتی ساتھیوں سے کہوں گا کہ وہ بدترین حالات میں بھی ثابت رہیں اور مشترکہ مقاصد کے حصول کیلئے جدوجہد کرتے رہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شعرائے کرام کا خراج عقیدت

مرنے کا ہنر سکھا گیا تو..... احمد فراز

کو آنکھ سے دور جا چکا تو
روشن ہے مگر چراغ سا تو
محروم لبوں کا حرف زندہ
مظلوم دلوں کا ہمنوا تو
میں بھی تیرا ہم سفر تھا لیکن
میں آبلہ پا تھا برق پا تو
زنداں کے عذاب تک رہا میں
اور منزل دار تک گیا تو
دشمن کے حصار میں اکیلا
لشکر کے مقابلے پہ تھا تو
کب قتل ہوئی ہے سچ کی آواز
خوشبو کی طرح ہے جا بجا تو
اے جان جہاں سر فروشاں
لیلائے وطن کا دلربا تو

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

تھا تذکرہ مسیح و منصور

بے ساختہ یاد آ گیا تو

اے کشتۂ شب فراز کو بھی

مرنے کا ہنر سکھا گیا تو

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

.....محمد اسرائیل مہجور کاشمیری

مقبول بٹ شہید وہ فرزند کاشمر

جرأت میں حوصلے میں جو ایک شیر مرد تھا

آزادیٔ وطن تھی جسے جان سے عزیز

مقصد کی لگن، ولولہ، ہر درجہ درد تھا

اس مقصد حیات کی خاطر وہ رات دن

میدان و دشت و کوہ و بیابان نورد تھا

اس راہ میں مشکلات یقیناً تھیں بے شمار

یہ جذبہ مگر سرد ہوا اور نہ سرد تھا

اس مرد جاں نثار کی ہمت کے سامنے

ہر خطرۂ عظیم بھی مانند گرد تھا

یہ پاسدار عزت و ناموس کاشمر

غیور تھا، نڈر تھا، شجاعت میں مرد تھا

پروانہ وار شمع وطن پر ہوا نثار

حق مغفرت کرے، عجب آزاد مرد تھا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہم نے سنا، چشم فلک نے دیکھا
اک شخص آیا اور کشمیریوں کی روح میں اتر گیا
وہ شخص مقبول بٹ شہید ہے۔
مقبول بٹ رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر نذیر انجم

اک شہید وفا جاں نثار وطن
جس پہ نازاں رہے گی عروس چمن
بہر آزادیٔ خطۂ کاشمر
فقد جاں دار کے ہوگیا ہے امر
ایک آہنگ تھا اس کی تقریر میں
کس قدر جان تھی اس کی تحریر میں
جب لوح و قلم پر گریں بجلیاں
اپنے خون میں ڈبوتا رہ انگلیاں
سچ کی آواز کا پاسبان بن گیا
جبر کی راہ میں کوہ گراں بن گیا
بڑھ کے زنجیر جور و ستم توڑ دی
موج خواب فسطائیت موڑ دی
نغمے اُجلا کئے روح جاں ساز سے
رشتے بندھتے گئے اس کی آواز سے
بجھتی چنگاریوں کو ہوائیں ملیں
جذبہ ٔحریت کو صدائیں ملیں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

قلب مہجور کے ولولے بڑھ گئے
روح جمہور کے حوصلے بڑھ گئے
گوبکو خون کے چشمے اُبلنے لگے
سرفروشوں کے پرچم اُبھرنے لگے
کاروان سحر کا وہ سالار تھا
جیش ظلمات سے محو پیکار تھا
تھے ستارہ کہاں دار شب گھات میں
پابجولاں ہوا ایسے حالات میں
سر جھکایا نہیں آخری دار تک
وہ رجز خواں رہا منزل دار تک
اس کا عزم صمیم و ثبات قدم
لوح تاریخ پر ہو گیا ہے رقم

ماسٹر عبدالرحمان مرزا اسلام گڑھ

وہ پیک عزم وہمت تھا وہ مینا رۂ نور تھا
وہ مشعل راہ مظلوماں، وہ لائق صد تحسین ہے
کھولے تو کوئی اپنی سماعت کے دریچے
آواز اس کی آج بھی آواز اذاں ہے

اس قدر برہم ہوا قتل سفارت کار پر
ہند نے لٹکا دیا مقبول بٹ کو دار پر
کیا خبر اُس کو شہید حریت کی موت سے
نغمہ ہستی لکھا ہے وقت کی دیوار پر۔

مظفر وارثی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

شہید بابائے قومؒ کے تحریر کردہ

چند خطوط جو اُن کی شخصیت اور نظریات

کو جاننے کا بیش قیمتی خزانہ ہیں۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

تعارف مکتوبات الیہم

(بہ ترتیب حرف تہجی)

شعور فردا میں جن خواتین وحضرات کے نام مقبول بٹؒ کے مکتوبات شامل ہیں ان کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

(۱) ارشد محمود انصاری میر پور کے رہنے والے ہیں۔ مقبول بٹ شہیدؒ کے نظریاتی پیروکاروں میں سے ہیں۔ جب بٹ صاحب نے انہیں تہاڑ جیل سے خطوط لکھے وہ سعودی عرب میں بسلسلہ روزگار قیام پذیر تھے۔

(۲) ایڈوکیٹ محمد اصغر ملک کوٹلی کے رہنے والے ہیں۔ ملک غلام سرور (برطانیہ) ان کے بڑے بھائی ہیں۔ موصوف وکالت کے پیشے سے وابستہ ہیں اور مقبولؒ بٹ شہید کے دیرینہ ساتھی ہیں۔ ان کی ساری زندگی نظریاتی تحریکی سرگرمیوں میں گذری۔ آج کل جموں کشمیر نیشنل فرنٹ سے وابستہ ہیں۔

(۳) محمد عجاز ملک کوٹلی کے رہنے والے تھے۔ وہ لاء گریجویٹ تھے اور کچھ عرصہ کوٹلی میں وکالت بھی کرتے رہے۔ وہ گنگا ہائی جیکنگ کیس کے سلسلے میں شاہی قلعہ لاہور میں پابند سلاسل بھی رہے۔ جنوری 1976ء کا واقعہ ہے کہ ایک صبح ملک اعجاز اور مقبولؒ بٹ شہید ڈاکٹر فاروق حیدر کے گھر سے صدر بازار راولپنڈی کی طرف موٹر سائیکل پر سوار تھے کہ راستے میں انہیں حادثہ پیش آ گیا۔ ڈرائیونگ ملک اعجاز کر رہے تھے اس لئے حادثہ میں انہیں سر پر شدید چوٹ آئی جس سے وہ بے ہوش ہو گئے اور کئی روز تک اس حالت میں سی ایم ایچ میں داخل رہے۔ جب ہوش آیا تو ان کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہ تھی۔ بٹ صاحب کو معمول چوٹ آئی۔ ملک اعجاز نے ذہنی عارضے میں ہی وفات پائی۔

(۴) اکرام اللہ جسوال کشمیر کے بھارتی مقبوضہ علاقے سے ہجرت کر کے آزاد کشمیر میں آباد ہوئے۔ 1947 سے پہلے بھی اور بعد میں بھی فوج میں تعینات رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد غم روزگار کے ساتھ ساتھ کشمیر کی قومی آزادی کیلئے محاذ رائے شماری کے پلیٹ فارم سے سرگرم عمل رہے۔ کشمیر کی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

قومی آزادی کا جذبہ ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ چند سال قبل وفات پا گئے۔ مرحوم میر پور شہر میں دفن ہیں۔

(۵) جاوید مقبول بٹ مقبولؒ بٹ شہید کے فرزند ہیں۔ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے فارغ التحصیل ہیں۔ آجکل پشاور میں بطور ایگریکلچر آفیسر تعینات ہیں۔

(۶) جی ایم مفتی مقبولؒ بٹ شہید کے لڑکپن کے دوست ہیں۔ دونوں دوست یکے بعد دیگرے مقبوضہ کشمیر سے مہاجر ہوئے اور کچھ عرصہ پشاور میں اکٹھے رہے۔ بعد ازاں مفتی صاحب نے مظفر آباد سکونت اختیار کر لی۔ موصوف آزاد کشمیر کے نامور صحافی ہیں اور گذشتہ کئی برسوں سے ہفت روزہ ''قاید'' شائع کر رہے ہیں۔

(۷) رشید ظفر عباس پور آزاد کشمیر کے رہنے والے ہیں۔ یہ عرصہ دراز سے بسلسلہ روزگار سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ راجہ مظفر خان کی وساطت سے یہ بٹ صاحب کی شخصیت اور نظریات سے متعارف ہوئے۔ ان کے نام مقبول بٹ شہید کا ایک خط دستیاب ہوا ہے۔

(۸) شوکت مقبول بٹ مقبولؒ بٹ شہید کشمیر کے چھوٹے فرزند ہیں۔ لاء گریجویٹ ہیں اور زمانہ طالب علمی سے ہی باپ کی نقش قدم پر چلتے ہوئے جدوجہد آزادی میں سرگرم عمل ہیں۔ آج کل جموں کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ کے مرکزی صدر ہیں۔ موصوف مظفر آباد میں سکونت پذیر ہیں۔

(۹) محمد عارف کا تعلق آزاد کشمیر سے ہے۔ یہ عرصہ دراز سے برطانیہ میں رہائش پذیر ہیں۔ انہوں نے برطانیہ سے مقبول بٹ شہید سے خط وکتابت جاری رکھی۔

(۱۰) انصاری عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ محاذ رائے شماری کے بانیوں میں سے ہیں۔ محاذ کے مرکزی صدر بھی رہے۔ موصوف مقبول بٹؒ شہید کے قریبی دوستوں میں سے ہیں۔ انہیں خود کشمیر کی جدوجہد میں کئی بار قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ آزاد کشمیر کی نوجوان نسل میں فکری بیداری کرنے میں انصاری صاحب نے قابل قدر کام کیا۔ موصوف ممتاز قانون دان اور بزرگ دانشور ہیں۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

(۱۱)عبدالعزیز بٹ مقبولؒ بٹ شہید کے سگے چچا تھے۔دونوں چچا بھتیجا 1957 میں مقبوضہ کشمیر (با رہمولہ) سے نقل مکانی کر کے آزاد کشمیر آ گئے اور پھر پشاور میں سکونت اختیار کر لی۔عزیز بٹ پیشے کے اعتبار سے ٹیلر ماسٹر تھے۔موصوف 1991 میں پشاور میں ہی فوت ہوئے اور وہیں دفن ہیں۔

(۱۲)عذرا میر جی ایم میر کی بیٹی ہیں۔آج کل ایبٹ آباد میں رہائش پذیر ہیں۔عذرا کے نام شہید کا ایک تاریخی خط موجود ہے۔انہوں نے کوٹ لکھپت جیل لاہور سے لکھا تھا۔ان دنوں بٹ صاحب گنگا ہائی جیکنگ کیس کے سلسلے میں پابند سلاسل تھے۔

(۱۳)بیگم عفت فاروق ڈاکٹر فاروق حیدر کی اہلیہ ہیں۔اس عظیم خاتون نے مقبولؒ بٹ شہید اور ان کے تحریکی دوستوں کی بہت خدمت کی۔

(۱۴)میاں غلام سرور سرینگر کے رہنے والے ہیں۔انہیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے 17 اگست 1971 کو مقبولؒ بٹ شہید کے نام مقبوضہ کشمیر سے پہلا خط لکھا۔میاں صاحب کے نام مقبول بٹ شہید کے دو مکتوبات دستیاب ہوئے ہیں۔موصوف نے آج کل پاکستان میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ا☆

(۱۵)ملک غلام سروں کوٹلی کے رہنے والے ہیں۔آج کل برطانیہ میں رہائش پذیر ہیں۔ملک صاحب کے والد برٹش آرمی میں جونیئر کمیشنڈ آفیسر تھے۔1947ء کی جنگ میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا۔جدوجہد آزادی کا یہی جذبہ اپنے فرزندوں ملک غلام سرور اور ملک اصغر میں بھی پیدا کیا۔ملک غلام سرور مقبولؒ بٹ کے دیرینہ دوستوں میں سے ہیں۔برطانیہ میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کی بنیاد ڈالی گئی تو ملک صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔موصوف کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے 18 جنوری 1980 کو تہاڑ جیل دہلی میں مقبولؒ بٹ شہید سے ملاقات کی۔انہوں نے خط و کتابت کے ذریعے بٹ صاحب سے مسلسل رابطہ رکھا۔

(۱۶)ڈاکٹر فاروق حیدر۲ ☆مقبولؒ بٹ شہید کے انتہائی قریبی دوست اور نظریاتی ساتھی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مقبولؒ بٹ شہید نے اپنے ایک خط میں ڈاکٹر صاحب کو ''برادر عزیز'' کہہ کر مخاطب

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کیا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے تہاڑ جیل میں بھی بٹ صاحب سے مسلسل رابطہ رکھا۔ان کے نام شہید کے کافی خطوط موجود ہیں۔ڈاکٹر فاروق حیدر نے سفر وحضر میں مقبولؒ بٹ شہید کا ساتھ دیا۔جانی و مالی قربانی دی اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔موصوف پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں لیکن وطن آزادی کے لئے فکری وعسکری محاذ پر بھی سرگرم عمل میں ہیں۔راولپنڈی میں رہائش پذیر ہیں۔

(۱۷) راجہ مظفر خان راجہ مظفر جان مظفر آباد کے رہنے والے ہیں۔جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے سینئر نائب صدر ہیں۔راجہ صاحب نے مقبولؒ بٹ شہید کو قریب سے دیکھا اور ان کے نظریات و خیالات سے متاثر ہو کر خود مختار کشمیر کی جد وجہد میں شامل ہو گئے۔راجہ صاحب بسلسلہ روزگار سعودی عرب میں مقیم تھے، جب مقبول بٹ سے ان کی مراسلت ہوئی۔۳☆

(۱۸) محمد مقبول بٹ ماسٹر محمد مقبول بٹ ماسٹر ۱۹۴۷ء کے بعد بھارت کے زیر قبضہ کشمیر سے ہجرت کر کے آزاد کشمیر آ گئے اور ایبٹ آباد (پاکستان) میں سکونت اختیار کی۔ماسٹر صاحب نے تحریک آزادی کشمیر میں مقبولؒ بٹ شہید کے شانہ بشانہ کام کیا۔مقبولؒ بٹ شہید کی عدم موجودگی میں ماسٹر صاحب نے ان کے بیوی بچوں کے سر پر دست شفقت رکھا۔

(۱۹) محمد یوسف زرگر محمد یوسف زرگر مقبولؒ بٹ شہید کے لڑکپن کے دوستوں میں سے ہیں۔انہیں حریت پسندانہ سرگرمیوں کی پاداش میں مقبوضہ کشمیر سے آزاد کشمیر دھکیل دیا گیا۔یہاں آ کر موصوف مسلم کانفرنس سے وابستہ ہو گئے لیکن جب بٹ صاحب کی ولولہ انگیز قیادت میں محاذ رائے شماری نے خود مختار کشمیر کیلئے جد وجہد شروع کی تو زرگر صاحب بھی اس قافلے سے آن ملے۔زرگر صاحب مظفر آباد میں مقیم ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ میاں غلام سرور صاحب سری نگر واپس آ گئے تھے۔کینسر کے موذی مرض میں مبتلا رہے اور دلیرانہ وار اس بیماری کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے وفات پا چکے ہیں۔ ☆۲ ڈاکٹر فاروق حیدر زندہ ہے۔کشمیر کی مزاحمتی تحریک کے سنیئر قائد اور لبریشن فرنٹ کے ایک بانی ممبر ڈاکٹر فاروق حیدر 75 سال کی عمر میں راولپنڈی پاکستان میں انتقال کر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

گئے۔ان کے انتقال کو کشمیر کی مزاحمتی تحریک کے لئے ایک بڑا نقصان قرار دیا گیا ہے۔وہ گزشتہ دو برس سے علیل تھے اور انہیں وقفے وقفے سے آکسیجن دینا پڑتا تھا۔6 اکتوبر کی صبح ان کی حالت کافی بگڑ گئی اور اس دنیا سے چل بسے۔انکی نماز جنازہ منگل کی شام پشاور روڈ پر ادا کی گئی اور سہام قبرستان میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔نماز جنازہ میں کشمیری سیاسی قیادت، صحافیوں، وکلاء اور نامور لوگوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔سرینگر میں بھی ڈاکٹر فاروق حیدر کی غائبانہ نماز جنازہ منگل کو سہ پہر ۳ بجے سرینگر میں انجام دی گئی جس میں علیحدگی پسند لیڈروں نے مرحوم کو تحریک حریت کا ستون قرار دیتے ہوئے انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔نماز جنازہ میں لبریشن فرنٹ چیئرمین محمد یاسین ملک کے علاوہ دوسرے سرکردہ قائدین نے اس میں شرکت کی۔جموں کے رگھوناتھ بازار میں جنم لینے والے ڈاکٹر فاروق حیدر کا خاندان 1947 میں فرقہ وارانہ تشدد کا نشانہ بن گیا اور فاروق حیدر اس فرقہ وارانہ تشدد میں اپنے والدین کو کھو بیٹھے جس کے بعد فاروق حیدر اپنے کئی رشتہ داروں کے ساتھ راولپنڈی پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔پاکستان میں انہوں نے نشتر میڈیکل کالج ملتان سے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی اور وہاں کامیاب ڈاکٹر بن گئے۔فاروق حیدر کو کشمیر کی آزادی کے ساتھ کافی دلچسپی تھی اور انہوں نے اپنی تمام کمائی ہوئی دولت کو کشمیر کی تحریک آزادی پر صرف کیا اور کشمیر کی آزادی کے حامی حلقوں میں انہیں کافی قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ڈاکٹر فاروق حیدر جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے بانی ممبر اور محمد مقبول بٹ کے قریب ترین ساتھی تھے۔فاروق حیدر لبریشن فرنٹ کے یوم تاسیس سے ہی فرنٹ سے وابستہ رہے اور فرنٹ چیئرمین ،سنیئر وائس چیئرمین جنرل سیکریٹری جیسے اہم عہدوں پر فائز رہے اور اس وقت لبریشن فرنٹ کے سرپرست تھے۔1991 میں جب راجیو گاندھی پاکستانی حکومت کی دعوت پر پاکستان گئے تو اس وقت ہندوستان کی حکومت کے کہنے پر ڈاکٹر فاروق حیدر کو دو ماہ تک اپنے گھر میں نظر بند رکھا گیا جبکہ ڈاکٹر فاروق حیدر گنگا ہائی جیکنگ کیس میں لاہور میں قید رہے۔ڈاکٹر فاروق حیدر کے ساتھ بتائے ہوئے لمحوں کو یاد کرتے ہوئے لبریشن فرنٹ کے سربراہ محمد یاسین ملک کا کہنا ہے ''جون 1988 میں پہلی بار میں اشفاق مجید وانی کے ہمراہ ڈاکٹر فاروق حیدر سے راولپنڈی میں ملا اور ان کی محبت اور شفقت کو ہم کبھی بھول نہیں سکتے ہیں، انہوں نے ہمیں پناہ دی ہمیں اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے''۔محمد یاسین ملک کا کہنا ہے کہ جتنی محبت اور شفقت ڈاکٹر حیدر نے ہمیں دی ہی شائد ہی کسی اور نے ہمیں اتنی محبت اور شفقت دی ہو۔ملک کہتے ہیں ڈاکٹر فاروحیدر کروڑوں کی جائیداد کے مالک تھے اور راولپنڈی کے کامیاب ترین ڈاکٹر تھے مگر انہوں نے اپنی ساری کمائی کشمیر کی تحریک آزادی کے لئے خرچ کی اور وہ ایثار کا ایک مجسمہ تھے۔انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر فاروق حیدر کشمیر کی تحریک آزادی کے لئے قوت کا ماخذ تھے اور اس تحریک کے تئیں ان کی قربانیوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔یاسین ملک نے کہا کہ تحریک آزادی کیلئے جس خلوص، تن دہی، اور لالچ کے بغیر ڈاکٹر فاروق حیدر نے کام کیا ہے اس کی برابری کرنا شائد کسی کے بس میں نہیں ہے۔ڈاکٹر حیدر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کافی تعداد میں ایل او سی پار کر گئے نوجوانوں کو پناہ دی جس کی وجہ سے 1990 کے آس پاس ان کا گھر اور کلینک ان نوجوانوں کا آماجگاہ بن گیا تھا۔صدر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

بازار راولپنڈی میں ان کے کلینک پر کشمیر کی تحریک آزادی سے متعلق میٹنگیں منعقد ہوتی تھیں اور جس کی وجہ سے 1991 میں ان کے میڈیکل کلینک کو جلانے کے لئے وہاں دھماکہ بھی کیا گیا جس میں 22 افراد جن میں زیادہ تر بیمار شامل تھے ہلاک ہوئے۔ ☆۳ ربیہ مظفر صاحب کی تحریک آزادی جموں کشمیر کیلئے کاوشیں ہماری تاریخ کا زریں باب ہیں۔آجکل یہ سرفروش امریکہ میں آباد ہے اور وہاں بھی آزادی کی مشعل لئے برسرجدوجہد ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جی ایم مفتی کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پشاور/22 مئی 1960ء

برادر مفتی صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط آج سے کچھ روز قبل مل چکا ہے مگر جواب دینے میں دو دن کی تاخیر ہوئی۔اصل میں جیسا کہ آپ کو خود ہی معلوم ہے میرے امتحانات نزدیک آرہے ہیں۔اس لئے آج کل پڑھنے کا سوچ رہا ہوں ☆ ا۔اگر چہ اس معاملے میں بھی محض خیالی چیزیں ہوتی رہتی ہیں۔خیر یہ ضرور ہے کہ اب پڑھنے کا احساس شدید ہوگیا ہے۔آپ کے گذشتہ خط کا دانستہ جواب نہیں دیا اس لئے نہیں کہ اس میں کوئی خاص بات نہ تھی بلکہ اس لئے کہ آپ ایک طویل دورے پر روانہ ہوئے تھے۔پہلے کاغان اور پھر راولپنڈی۔خیال تھا جب تک آپ کسی سٹیشن جائیں خط لکھنا بے فائدہ نہ ہو۔

بھائی آپ کا خط پڑھ کر ایک طرف خوب قہقہہ لگاتا ہوں اور دوسری طرف نگاہوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔پھر اپنے ان قہقہوں کو زہر خند میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔گذشتہ دنوں کشمیر سے ایک شاعر ☆۲ دوست کا خط آیا تھا۔کم بخت نے خط کیا لکھا کہ پورا ماضی سوز و گداز کے ساتھ پھر یاد دلایا ہے۔طبعیت کئی دنوں تک اداس رہی اور ہوا س ٹھکانے سے دور ہو گئے۔اب بتائیے سوائے رونے کے اور کیا چارہ تھا۔آپ نے جو حکم کیا ہے اس کی تعمیل ہوگئی مگر آپ نے نکاح

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کوملتوی کرنے کا جو پروگرام بنایا ہے اس پر ابھی غور کرنے کی ضرورت ہے ☆۳۔آپ ضرور ملئے تو باتیں ہونگی۔میرا پنڈی آجانا تو فی الحال ناممکنات میں سے ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے لمحے بھر کی بھی فرصت نہیں۔میں نے اب یہ سوچ رکھا ہے کہ امتحانات ختم ہونے سے پہلے کہیں باہر نہ جاؤں۔اسلئے آپ آئیے اورضرور آئیے۔ساتھ ہی چراغ الدین ☆۴ سے ضروری بات چیت بھی کیجئے۔بلکہ نمونے اوران کے نرخ بھی ساتھ لائیے۔نائیلون اورلیڈی ہملٹن ہی عام طور پر مل سکتا ہے۔☆۵ خیر آپ اس سلسلے میں ضروری تفصیلات خود ہی متعین کریں۔میرے وہاں آنے کی چنداں ضرورت نہیں۔باقی آپ جس ذہنی کوفت کا شکار ہیں اس کو دماغ سے یکسر محو کر ڈالیں۔انسان پر آزمائشیں آجاتی ہیں اوران سے کامیابی کے ساتھ گزرنا ہی انسان کی اصل معراج ہے۔باقی آپ گھبرانے کے بغیر ہی کام کرتے رہیں۔آپ نے جو اپیل کی ہے اس کے انجام سے باخبر کریں ☆۶۔اللہ تعالیٰ شاید آپ ہی کے حق میں فیصلہ کرالے۔میں آپ کی کامیابی کیلئے دعا کروں گا۔باقی میری طرف سے جو بھی عملی مدد ممکن ہوگی میں وہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔آپ اپنے آپ کو بالکل اکیلا محسوس نہ کریں۔وقت آنے پر آپ کو خود ہی اس کا اندازہ ہوگا۔لیکن آپ ضرور تشریف لائیں۔تمام مسائل پر یہاں ہی بات چیت ہوگی۔ہاں تو آپ سے ایک بات کرنی بھول گیا۔آج جب انجام کے دفتر آرہا تھا تو مقبول کشمیری ☆۷ اپنے افسانوی انداز میں ''دفتر'' کی کھڑکی پر بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔شاید کوئی رومانوی ناول ہوگا۔خیر میری طرف اُس نے خواہ مخواہ دیکھا اور میں اس کے انتظار میں ہی تھا،میں نے سلام کیا اور آپ کے خط کا پیغام دیا۔کہنے لگا ''ڈاکیا صاحب آپ کا شکریہ''۔میں نے جواب دیا ''ایک سچے اورمخلص دوست کا ڈاکیہ بننا اس سے بہتر ہے کہ ایک ''مخصوص'' دوست کا شناسا بن جاتے اور وہ بھی ایسا پھول جو شہد کی کئی مکھیوں کیلئے رس بہم پہنچائے''۔خیر وہ الو کیا سمجھتا۔

ایک اعلان مظفر آباد سے کوہستان میں چھپا ہے کہ مقبوضہ کشمیر کیلئے ڈاک کی ترسیل کی اجازت دے دی گئی ہے۔معلوم نہیں کس حد تک درست ہے۔اگر واقعی ایسا ہوجائے تو بڑا اچھا ہوگا۔یار جب

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سے تم گئے ہو ''زندگی زندگی نہیں'' والی مثال بن گئی ہے ☆۸۔کشمیر سے شاعر دوست نے کچھ ہند لکھے ہیں۔ایک تم کو سناؤں۔

تم بھی ہوتے ہم بھی لاتے تاب غم　　نہ جہنم زار بن جاتا ارم
پرکشش پرسوز بھی ہے اور نفیس　　یاد آئی ہے تمہاری ہم جلیس

ہاگرو صاحب ☆۹ کے دو خط آ چکے ہیں اور اب عنقریب ہی تیسرا بھی آ رہا ہوگا۔یار ایک کام تو کرلو۔غلام نبی میر اگر مل جائے تو اس کو سلام عرض کر کے یہ شکایت کردو کہ ان کے نام خط ارسال کیا تھا مگر جواب نہ دارد ☆۱۰۔ان کو میرا پتہ دے کر بتائیے کہ اب آپ کے لکھنے کی باری ہے۔ان سے اپنا صحیح پتہ بھی لکھنے کیلئے کہہ دیں۔میں نے ان کو ''یونی ورسٹی بک ڈپو'' کی معرفت خط بھیجا تھا۔نہ معلوم ان کو ملا۔اگر ملا تو جواب کیوں نہیں بھیج دیا۔باقی آئندہ لکھوں گا۔رات کا ایک بج چکا ہے۔کاپی تیار ہوگئی ہے۔اس کو دیکھ کر ابھی دفتر سے روانہ ہوجاؤں گا۔☆۱۱پھر رات بھر سو کر کل کسی اور کام میں مشغول ہوجاؤں گا۔بھیا اپنے دوستوں کو میرا اسلام کہہ دیں۔

خیر اندیش۔۔۔۔۔۔محمد مقبول

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ مقبول بٹ شہید پشاور یونی ورسٹی میں ایم اے اردو کے طالب علم تھے۔☆۲ مقبول بٹ شہید کے اس شاعر دوست کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ ☆۳ مکتوب الیہ مقبوضہ کشمیر جانا چاہتے تھے اس لئے نکاح کا پروگرام ملتوی کردیا۔☆۴ چراغ الدین راولپنڈی صدر میں ایک کشمیری ٹیلر ماسٹر تھے۔مقبول بٹ نے اپنے دوست جی ایم مفتی سے وعدہ کیا تھا کہ میں چراغ الدین سے تمہیں ارزاں نرخوں پر کپڑے سلوادوں گا۔ ☆۵ یہ دوسرے قسم کے کپڑے تھے جو اس وقت کی خواتین میں بہت مقبول تھے۔ ☆۶ مکتوب الیہ جی ایم مفتی چونکہ KLM کی تحریک میں گرفتار رہ چکے تھے۔چنانچہ پنڈی گارڈن کالج کے طالب علم کی حیثیت سے انہیں جو وظیفہ ملتا تھا وہ بھی بند کردیا گیا جس کے خلاف مفتی صاحب نے اپیل کی تھی۔ ☆۷ مقبول کشمیری خفیہ ایجنسی کا ایک اہل کار تھا۔وہ روزنامہ امروز میں بھی کام کرتا تھا۔اس کا آبائی تعلق بارہمولہ سے تھا۔ ☆۸ جی ایم مفتی نے ۱۹۵۹ء

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کے آخر میں تقریباً چھ ماہ تک بٹ صاحب کے ساتھ پشاور میں قیام کیا تھا۔ ☆۹ ہاگر وصاحب غالباً مقبول بٹ شہید کے کلاس فیلو تھے۔ ☆۱۰ غلام نبی منظر آباد باسی تھے۔ وفات پا چکے ہیں۔ ☆۱۱ مقبول بٹ شہید ان دنوں روزنامہ ''انجام'' میں بطور سب ایڈیٹر کام کرتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبدالخالق انصاری کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ریکس ہوٹل راولپنڈی/ 22 دسمبر 1970ء

محترم عبدالخالق انصاری صاحب

سلام مسنون:

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہونگے۔ میں نے پاکستان کی بدلتی ہوئی سیاسی حال کے پیش نظر جماعت کی سیاسی مہم کے سلسلہ میں بعض اہم مسائل پر غور وخوض کرنے کی غرض سے چند دوستوں کو صلاح مشورے کے لئے 27 دسمبر اتوار کو لاہور میں طلب کیا ہے۔ اس صلاح مشورے میں آپ کی موجودگی لازمی ہے۔ میں انشاء اللہ 26 دسمبر کو بعد دوپہر کسی بھی وقت میرپور میں آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوں گا تا کہ وہاں سے ہم اکٹھے لاہور کے لئے روانہ ہوسکیں۔ مجھے آپ کی صحت کی کمزوری کا پورا لحاظ ہے مگر موجودہ صورت حال کا تقاضا ہے کہ ہم سرعت کے ساتھ آگے بڑھیں تا کہ منزل قریب تر ہو سکے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ آپ یہ تکلیف گوارہ فرمائیں گے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو چوہدری شہباز خان صاحب ا☆ اور صوفی محمد زمان کو بھی آمادہ کر لیں۔ میرا خیال ہے ان کی موجودگی سودمند ثابت ہوگی۔ خیر اندیش/ محمد مقبول بٹ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ا☆ چوہدری شہباز صاحب آج کل برطانیہ میں قیام پذیر ہیں۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ڈاکٹر فاروق حیدر کے نام

کوٹ لکھپت جیل لاہور

15 دسمبر 1972ء

برادر عزیز

السلام علیکم

''آپ کا نوازش نامہ کافی عرصہ ہوا ملا تھا۔ مگر عدالت کی تعطیلات اور کسی رفیق کے عازم پنڈی نہ ہونے کے باعث جواب نہ دے سکا۔ تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ آپ کی تشویش قابل فہم ہے۔ مگر یہ ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ زنداں آخر زنداں ہی تو ہے۔ رہی ہتھکنڈیاں، یہ تو ہمارا دل پسند زیور ہے۔ آپ شاید محسوس نہ کرتے ہوں مجھے تو ان کڑیوں سے پیار ہے۔ اور اب تو ہم خاصے ''Jail bird بن چکے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مہتاب باغ، سرینگر کا سینٹرل جیل، مظفر آباد کا دلائی کیمپ اور لاہور کا رسوائے زمانہ شاہی قلعہ بھی ہم سے ایمان و ایقان کی قوت سلب نہ کر سکے۔ قید بند کی موجود صعوبتیں تو محض رسمی ہیں۔ ان سے کیا اثر قبول کیا جا سکتا ہے۔ ویسے آج کل ہم چکی بند ہیں اور سوائے ان لمحات کے جو ہم پیشی کے دوران اکھٹے گزارتے ہیں باقی وقت حکام جیل کے حکم کے مطابق تنہائی میں گذرتا ہے۔

اس ملک کے قید خانے بھی عجیب ادارے ہیں جہاں زندگی کی روشنیں حکام کے تبادلے کے ساتھ ہی بدلتی رہتی ہیں۔ انسانوں پر مشتمل ان قید خانوں کے ناخدا جب اپنی شاہانہ ترنگ میں آتے ہیں تو انسانوں کو دی جانے والی اذیت میں انہیں یک گونہ لذت محسوس ہوتی ہے۔ ان کی سیاہ ذہنی بجائے خود مطالعہ کا ایک مواد ہے۔ بڑا ہی دلچسپ مواد۔ بیسویں صدی کے ان جاہلوں کو، جنہیں اپنی جھوٹی صلاحیتوں پر بے جا پندار (گھمنڈ) ہے، یہ کون سمجھائے کہ تم، تمارے اطوار، تمارے ضابطے اور قوانین ایک بے معنی نمائش کے سوا کچھ بھی نہیں اور اس نمائش پر قائم تمہارا پندار

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اپنا منہ آپ چڑانے والی بات ہے۔ ویسے اس بازیگری میں بھی تفریح کا ایک پہلو ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس تفریح سے لطف اندوز ہونے کے لئے دل و دماغ حاضر ہوں۔ رہے ''ظلمتوں کے سینے'' یہ تو چاک ہونے کے لئے ہی وجود پاتے ہیں اور حق کا سورج طلوع ہو کر ہی رہتا ہے۔ آپ کو یہ کیا سوجھی کہ پنڈی کی ٹھنڈی ہواؤں کا ذکر کر دیا اور یوں لاہور کی گرمی کی شدت کا احساس زندہ کر دیا۔ اپنے یہاں تو اب گرمی اور خنکی کا احساس ہی تقریباً مٹ چکا ہے ☆۲۔ یہ اب گویا قصہ پارینہ ہے جو صرف یادوں کے ساتھ آشنائی حاصل کرنے کے بعد اب اپنے اور پرفارسی کا وہ شعر صادق آتا ہے، جس میں شاعر نے کیا خوب کہا تھا۔

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف از دوزخیاں پر اعراف بہشت است ☆۳

آزمائش کا یہ مرحلہ واقعہ طویل ہوتا جا رہا ہے اور اس میں بقول آپ کے ہمارا کیا قصور۔ میرا خیال ہے کہ نومبر کے آخر تک قانونی موشگافیوں کی یہ بے ہودہ ورزش اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گی۔ رہا اصل فیصلہ وہ تو میدان کارزار ہی میں ہوگا۔ خواہ ''انصاف و قانون کے مدعی'' اپنے موقلم کی سیاہی کسی بھی عنوان صرف کیوں نہ کریں۔ آپ کی تحریر کردہ نظم کے اشعار بہت پسند آئے۔ بڑی حد تک حسب حال ہے۔ رجعت پسندی اور فرسودگی کے علمبردار اگر الوؤں کی اس منظوم گفتگو سے بھی کوئی سبق حاصل نہ کریں تو پھر ان کی شومئی قسمت پر سوائے آنسو بہانے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ تعمیر مکان کی تکمیل پر مبارکباد قبول فرمائیے۔ نام دونوں سعید ہیں۔ ''محاذ منزل'' کچھ زیادہ ہی دل کو بھاتا ہے۔ ویسے آپ کی پسند ہماری بھی پسند۔ آپ کی وہاں منتقلی بہتر ہے۔ اس مقام سے ویسے بھی ہم سب کا خاص لگاؤ ہے۔ کافی عرصے سے بچوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ آخر اطلاع کے مطابق وہ ایبٹ آباد میں مقبول صاحب کے ہاں مقیم تھے۔ آپ کے جذبات خیر سگالی کا شکریہ۔ کوگی، کوشی اور دوسرے تمام احباب اور عزیزوں کو میرا اسلام کہہ دیں۔ بھابھی صاحبہ اور ہمشیرگان کو سلام عرض کریں اور عزہ اور میز کو پیار۔ ان سے میرا ذکر کرنا نہ بھولئے گا۔ آخر میں اپنے رفیقان زنداں کا محبت بھرا اسلام۔ آپ کا بھائی/ محمد مقبول بٹ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ اقبول بٹؒ شہید نے یہ خط ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کو کوٹ لکھپت جیل لاہور سے لکھا۔ ان دنوں وہ گنگا ہائی جیکنگ کیس کے سلسلے میں زیر حراست تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو ''برادر عزیز'' کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ ☆۲ قید خانے کے پرندے ☆۳ حصول مقصد کی خاطر جسم و جان کی اذیتیں برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں تو پھر سردی اور آرام و تکلیف کا احساس واقعی مٹ جاتا ہے۔ ☆۴ ترجمہ: ''جنتی حوروں کیلئے اعراف دوزخ کی مانند ہے اور اگر دوزخیوں سے پوچھا جائے تو ان کے نزدیک اعراف ہی جنت ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یوسف زرگر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیمپ جیل لاہور/30 جنوری 1973ء

برادر زرگر صاحب

السلام علیکم!

یقین جانیں کہ آپ اور آپ کی بے لوث محبت سے ہی ظلمت کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں امیدوں کے چراغ روشن ہیں۔ پھر بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ کی یاد لمحہ بھر کے لئے بھی ذہن سے محو ہو جائے۔ اپنے لئے تو آپ جیسے دوستوں کا خلوص اور جذبہ ایثار و قربانی ہی سب سے بڑی متاع ہے۔ ایک ایسی متاع عزیز جس پر فخر کیا جا سکتا ہے اور بھروسہ بھی۔ پرسوں ہی نسیم صاحب ☆۱ ملنے آئے تھے۔ ان کے ساتھ عبداللہ ☆۲ بھی تھے۔ ان کی زبانی آپ کا پیغام محبت ملا اور اور وہ پرخلوص تحفہ بھی جو شاید آپ نے ماضی کی یادیں تازہ کرنے کے لئے بھیج دیا تھا۔ ☆۳ ماضی کی یہ یادیں بھی کیا عجیب شے ہیں۔ اتنی حسین کہ ان کے افسانوی ہونے کا گمان ہوتا ہے اور درد و سوز سے اس قدر بھرپور کہ دل تڑپ اٹھتا ہے۔ حال کے سیاسی رشتوں کو تو جانے دیجئے، آپ کے اظہار محبت نے یادوں کے سمندر میں گویا تلاطم پیدا کر دیا۔ میں تو گھنٹوں ماضی کے اس

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

حسین دور میں کھویا رہا جب اوائل جوانی میں ہم لوگ ایک والہانہ جذبے کے ساتھ اپنے محکوم وطن کی آزادی کی تحریک میں اپنی اپنی بساط کر مطابق بھرپور حصہ لیتے تھے۔میری نگاہوں کے سامنے اس وقت بھی اس حسین اور رومان پرور شہر ☆۴ کی گلیاں ہیں جس نے آپ کو جنم دیا اور مجھے پروان چڑھایا۔وہی گلیاں جہاں کبھی آپ مستانہ وار آزادی کے نعرے لگایا کرتے تھے اور اس جرم حق گوئی کی پاداش میں آزادی کے دشمنوں کے ظلم وستم کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے چلے جاتے۔واللہ بارہمولہ پر پڑنے والی سورج کی زرد شعاعیں۔اس کی سونی فضائیں اور اس شہر وں آشوب کے در و دیوار یوسف ☆۵ مفتی ☆۶ پرویز ☆۷ اور مجاہد عبداللہ ☆۸ کی والہیت ،جذبہ وشوق اور جنگ آزادی سے ان کی دلی وابستگی اور اس راہ میں برداشت کی جانے والی کلفتوں کی گواہی دیں گے۔میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا بات باعث افتخار ہوسکتی ہے کہ اس رواں قافلے کا شریک سفر تھا اور ان جیسے بے لوث افراد کی دوستی اور محبت کا امین۔بھلا وہ منظر بھی بھلائے جاسکتے ہیں جب یوسف اور عبداللہ کی ننگی پیٹھوں پر کوڑے برستے تھے اور شوق آزادی کے جرم میں انہیں سرینگر کے زنداں خانے کا طواف کرنا پڑتا۔یا پھر وہ احساس درد بھی کبھی محو ہوسکتا ہے جو پرویز اور مفتی کی جبری جلاوطنی سے پیدا ہوا تھا ☆۹ کیا وہ شفقتیں فراموش کی جاسکتی ہیں۔جو بدرو ☆۱۰ ،ہوا باز ☆۱۱ اور پروفیسر مقبول احمد شیخ کے بے داغ سیاسی کردار کا حصہ تھیں؟ یہ تو خیر اللہ کو معلوم ہے کہ قفس کے اس حصے میں پڑے ہوئے ان اسیران بلا کا کیا حال ہے۔ہمارے لئے ماضی کی ان محبت سے لبریز رفاقتوں کے علاوہ اور کیا باعث اطمینان ہوسکتا ہے۔یادوں کے اس حسین مرقع کے کتنے ہی گوشے ہیں جو رہ رہ کر ذہن میں اُبھرتے ہیں۔کس کس کا بیان کروں۔ اس کے لئے تو دفتر چاہیے۔اور ڈر تو اس بات کا ہے کہ اس سلسلے میں نوک قلم سے نکلنے والا ہر لفظ درودگذار کی پنہائیوں کو اپنے اندر سمیٹ جاتا ہے۔پھر ان زخموں سے آپ کا دل بھی تو بوجھل ہوجائے گا۔اس لئے بس کرتا ہوں۔یہ صحیح ہے کہ ہمارے درمیان یک گونہ سیاسی رشتہ ہے۔اور میری ان غیر سیاسی باتوں سے آپ قدرے حیران بھی ہوں گے۔مگر کیا آپ کو دوستی اور محبت کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اس لازوال رشتے سے انکار ہے جو ہمارے درمیان اس وقت بھی قائم تھا جب آپ سیاسی طور پر ہمارے حریف کیمپ میں شامل تھے ☆۱۲ ۔میں تو لمحہ بھر کیلئے بھی یہ بات باور کرنے کو تیار نہیں کہ اس وقت بھی آپ کے دل میں میرے لئے سوائے الفت ومودت کے اور کچھ نہیں تھا۔اور پھر جب ہمارے سیاسی نظریات میں ہم آہنگی پیدا ہوئی تو آپ نے مظفر آباد کے اس کنونشن میں اپنی روائتی مستانہ واری کے ساتھ ہماری جماعت میں شمولیت اختیار کر کے اپنے اسی جذبہ محبت کا اظہار اشکبار آنکھوں سے کیا تھا۔آپ کے وہ آنسو ہماری لازوال محبت کے ماتھے پر تا ابد چمکتا ہوا جھومر رہے گا۔آپ نے عبداللہ کے ساتھ جو کلچے بھیجے تھے وہ مل گئے ہیں ۔کہنے کو تو یہ محض کھانے کی عام چیزیں مگر آپ کو نہیں معلوم کہ وطن سے دور اس زنداں خانے میں اس کی خوشبو اور لذت کیا درجہ رکھتی ہے۔آپکو بتا ہی دیتا ہوں، جب میں NLF کی تنظیم سازی کیلئے مقبوضہ کشمیر میں سب سے پہلے بار ہمولہ پہنچا تھا تو اپنے اس عظیم دوست نے جس کی پرعزم اور بے لوث رفاقت تا دمِ گرفتاری میرے ساتھ جاری رہی اور جس کے جوان چہرے پر غم واندوہ کے طوفانوں میں بھی ایک خوش کن مسکراہٹ کھیلتی تھی ، پہلے ہی روز مجھ سے اپنے من پسند کھانے کی فرمائش کی ۔شائد اس کا خیال تھا کہ آٹھ برس کی جلاوطنی نے میرے کام ودھن کا مذاق بدل دیا ہو۔میں نے چھوٹتے ہی جواب دیا کہ نمکین چائے، کلچہ اور ساگ میری طرف سے لازمی سمجھو۔باقی جو آپ کی مرضی۔وہ قدرے حیران ہوا اور میری فرمائش کو کسی حد تک کسر نفسی سمجھنے لگا۔مگر جب میں نے بالاصرار وطن کی اشیائے خورد ونوش کے بارے میں اپنی تشنگی کا اظہار کیا اور اسے یہ باور کرایا کہ فرقت کے لمحات میں ماضی کی مانوس چیزوں سے انسان کی شیفتگی کس حد تک بڑھ جاتی ہے اُسے میری بات ماننی پڑی۔یوں خلوص ومحبت کے پیکر، اس بے تکلف مگر مہمان نوازی میں حد درجہ وضعدار دوست غلام محمد شمیم ☆۱۳ جسے طالب علمی کے شوخ زمانے میں بھی ہم احتراماً (عمہ صاب) ''غلام محمد صاحب'' کہہ کر پکارا کرتے تھے کو مہمان نوازی کے روایتی کشمیری تکلف سے دستبردار ہونا پڑا۔جذبات میں آکر خط کو یوں ہی طویل کر گیا۔یہ بھی نہ سوچا کہ آپ اس سے بور ہوں گے۔مگر کچھ دل کے ہاتھوں مجبور تھا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اس لئے کہ آپ سے دوستی جو ٹھہری ہے۔ سنائے مظفر آباد کا کیا حال ہے۔ ہمارے دوسرے دوستوں اور رفیقوں کے مزاج کیسے ہیں۔ اور اپنے لالہ ☆۱۴ کے مزاج کیسے ہیں، اکبر صاحب ☆۱۵ قریشی صاحب ☆۱۶ نذیر صاحب ☆۱۷ اور حنیف صاحب ☆۱۸ کیسے ہیں۔ حبیب جو ☆۱۹ اور بشیر احمد لون ☆۲۰ کی کیسے گزرتی ہے۔ عبدالستار ☆۲۱ آج کل کیا کر رہے ہیں۔ ان تمام رفیقوں اور دوسرے ورکروں کو میرا محبت بھرا اسلام کہہ دیں۔ عبدالغفار ریشی ☆۲۲ اور مقبول نائک ☆۲۳ اور اگر ہو سکے تو محمد یاسین بڑھانہ ☆۲۴ کی خدمت میں میرا آداب عرض کریں۔ کیا میں یقین رکھوں کہ آپ سب کی موجودگی میں تحریک حریت کی وہ شمع جو ہم نے اپنا خون دے کر روشن کی ہے مخالفت اور مخاصمت کے طوفانوں میں بھی جلتی رہے گی۔ اور اپنی ضیا پاشیوں سے سچائی کے متلاشیوں کو راہ حق کے پہچاننے میں مدد دیتی رہے گی۔ اگر ایسا ہے تو زندان کی یہ صعوبتیں میرے اور میرے ساتھیوں کیلئے پرکاہ کے بھی نہ ہوں گے۔ دیکھیے اپنے ارشاد بچھ صاحب اور مفتی صاحب کو میرا اسلام کہنا نہ بھولئے گا۔ اپنی خیریت کی اطلاع کبھی کبھی دیا کریں۔ امید ہے آپ اور بھابھی جان دونوں خرم ہوں گے۔

فقط وسلام/ آپ کا بھائی/مقبول احمد بٹ

☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ نسیم لون گوجرانوالہ پاکستان میں رہائش پذیر ہیں۔ مقبول بٹؒ کے مخلص دوستوں میں شمار ہوتے ہیں۔
☆۲ عبداللہ کا تعلق مظفر آباد کے علاقہ ہاجت سے تھا۔ ☆۳ یوسف زرگر نے مقبول بٹؒ شہید کیلئے کلچے بھیجے تھے۔ کلچہ کشمیر کی خاص سوغات ہے۔ یہ میدے سے تیار کئے جاتے ہیں جنہیں کشمیری لوگ نمکین چائے کے ساتھ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ ☆۴ بارہمولہ بھارتی مقبوضہ کشمیر کا ایک خوبصورت شہر ہے۔ مقبول بٹؒ اسی ضلع کے ایک گاؤں ترہگام میں پیدا ہوئے۔ یہ ضلع اب دو ضلعوں بارہمولہ اور کپوارہ میں تقسیم کیا گیا ہے اور ترہگام ضلع کپوارہ میں پڑتا ہے۔
☆۵ یوسف زرگر۔ ☆۶ جی ایم مفتی، مقبول بٹؒ کے دیرینہ دوستوں میں سے ہیں ہفت روزہ قاسم کے ایڈیٹر ہیں۔ آجکل مظفر آباد میں مقیم ہیں۔ ☆۷ غالباً خالق پرویز صاحب میں جن کی کتاب جلاوطن سے ایک اقتباس اس کتاب میں موجود ہے۔ پرویز کا تعلق بارہمولہ سے تھا۔ ☆۸ مجاہد عبداللہ نے تحریک آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں سخت اذیتیں اٹھائیں۔ ☆۹ پرویز اور جی ایم مفتی کو مجاہدانہ سرگرمیوں کی پاداش میں جبراً کشمیر سے نکال دیا گیا۔ اول الذکر کچھ عرصہ بعد

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

واپس چلے گئے لیکن مفتی صاحب یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ ☆۱۰غلام محی الدین بدرو محلہ جلال صاحب بارہمولہ کے رہنے والے تھے تحریک آزادی کیلئے ان کی بڑی قربانیاں ہیں۔☆۱۱غلام قادر ہولاز ☆۱۲پروفیسر مقبول احمد شیخ بارہمولہ کالج کے پروفیسر تھے۔ان کا جرم یہ تھا کہ وہ نئی نسل کو حریت کا درس دیتے تھے۔بھارتی حکومت نے ان پر بہت ظلم ڈھائے۔ ☆۱۳یوسف زرگر مقبوضہ کشمیر سے ہجرت کر کے آئے تو مسلم کانفرنس والوں کے ہتھے چڑھ گئے لیکن جب مقبول بٹ شہید محاذ رائے شماری کے صدر بنائے گئے تو زرگر صاحب بھی اس قافلے سے آن ملے۔ ☆۱۴یوسف زرگر بٹ صاحبؒ کے اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ ☆۱۵غلام محمد شمیم، بٹ صاحبؒ کے دیرینہ ساتھیوں میں سے ہیں ۔بارہمولہ کے رہنے والے ہیں۔☆۱۶غلام الدین لالہ (مرحوم) پاکستان ہوٹل (مظفرآباد) کے مالک ہیں۔ ☆۱۷ اکبر پلاجی مظفرآباد ☆۱۸رشید قریشی محاذ کے سرگرم رکن تھے۔بقید حیات ہیں۔ ☆۱۹حبیب جو۱۹۶۵ء میں ہجرت کر کے آئے اور مقبول بٹؒ کی فکر سے متاثر ہو کر محاذ سے وابستہ ہو گئے۔☆۲۰بشیر لون مظفرآباد میں قیام پذیر ہیں ان کا شمار مقبول بٹؒ کے جانثار ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ ☆۲۱عبدالستار کشمیر شال ہاوس کے مالک ہیں۔

☆۲۲عبدالغفار ریشی کا تعلق مقبوضہ کشمیر سے ہے۔آج کل چکار میں رہائش پذیر ہیں۔انہیں یہ شرف حاصل ہے کہ مقبول بٹؒ آخری بار اپنے دو دوستوں کے ہمراہ انہی کی راہنمائی میں وادی کشمیر میں داخل ہوئے تھے۔ ☆۲۳مقبول مانک چکار میں رہتے ہیں۔انہوں نے تحریک آزادی میں مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے۔ ☆۲۴محمد یاسین چوہدری آزاد کشمیر کے خوبصورت خطے وادی لیپا کے رہنے والے ہیں۔مقبول بٹ شہید جب ۱۹۶۸ء میں سرینگر جیل سے فرار ہوئے تو محمد یاسین بھی ان کے ہمراہ تھے۔چوہدری صاحب جدوجہد آزادی میں مسلسل سرگرم عمل ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

عذرا میر کے نام

بسم اللہ الرحمان الرحیم

کیمپ جیل لاہور

2 اپریل 1973ء

پیاری عذرا بیٹی

اللہ تجھے سدا سلامت رکھے۔

روبینہ بیٹی ☆۱، تمہاری خالہ ☆۲، کے ساتھ ۲۶ مارچ کو ملاقات کے لئے آئی تھی اور اس نے تمہارا خط دیا تھا۔ جواب لکھنے میں اس لئے دیر ہوئی کہ دوسرے ہی روز یعنی ۲۷ مارچ کو ہم سب دوستوں کو کیمبلپور جیل سے منتقل کر کے کیمپ جیل لاہور بھیج دیا گیا۔ اس جیل میں ہم پہلے بھی رہ چکے ہیں مگر پھر بھی یہاں کے نئے ماحول میں کچھ دشواریاں پیش آئیں اس لئے آپ کو جلد ی جواب نہ دے سکا۔ پیاری بیٹی، تمہارا خط پڑھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ تمہارے خیالات کتنے اچھے اور نیک ہیں۔ اس خط سے اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں تمارے دل کو احساس کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ یہ ایک بڑی نعمت ہے۔ تمہارا خط پڑھنے کے بعد میں کافی دیر تک سوچتا رہا کہ اس چھوٹی عمر میں تجھے ان مشکل حالات کا کتنا احساس ہے جن سے ہم لوگ آج کل گزر رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہای سوچنے سمجھنے کی قوت میں اضافہ کرے۔ تیرے ننھے سے دل میں اپنی قوم کی غلامی کے باعث جو درد پیدا ہوا ہے وہ بڑھتا جائے اور تو اس قابل ہو جائے کہ کشمیر کی ہر بیٹی فخر سے تمہارا نام لے۔

پیاری عذرا مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم لوگوں نے جو سختیاں جھیلی ہیں ان سے تمہارے دل کو صدمہ پہنچا ہے۔ جس طوفان سے ہم لوگ گزرے اس نے تجھے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا کیونکہ ہمارے ساتھ قید و بند اور تشدد برداشت کرنے والوں میں تمہارے والد محترم بھی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

شامل تھے ☆۳۔میر صاحب کی نظر بندی کا خیال آتے ہی میری آنکھوں کے سامنے ہمیشہ تمہاری اور روبینہ کی معصوم صورتیں آجاتیں ۔ایسا لگتا تھا جیسے ظلم وستم کی آندھیاں دو ان کھلی کلیوں کو مرجھانے پر تل گئی ہوں ۔پھر مجھے گذرے وقتوں کے وہ لمحے یاد آتے جب تم اور روبینہ ایبٹ آباد کی خوشگوار فضاؤں میں پو☆۴ اور گلو☆۵ کے ساتھ دنیا کے غموں سے بے خبر ہنسی خوشی اور کھیل کود میں مصروف ہوتیں ۔کوئی سنگدل ہی ہوگا جو تم جیسے چھوٹے چھوٹے اور معصوم بچوں کی پیاری پیاری آنکھوں میں آنسو دیکھنا گوارہ کرتا ۔مگر آزادی کے دشمنوں کو یہی منظور تھا۔جس کسمپرسی اور بے بسی سے تم سبھی دوچار رہے، اس سے ان جیل خانوں میں بھی ہم لوگ بے چین رہے ۔تاہم یقین تھا کہ جس آزمائش سے ہم لوگ دوچار ہیں اس نے کو آپ کو ہماری شفقتوں سے کچھ عرصے کے لئے محروم کر دیا مگر اس کے باعث آپ کی سوچ میں انقلاب آجائے گا اور بچپن کی اٹھکیلیوں کے ساتھ ساتھ آپ کے احساس میں شدت پیدا ہوجائے گی ۔بالکل ایسا ہی ہوا ہے ۔تمہارا خط پڑھ کر یہ یقین اور بھی پختہ ہوگیا ۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ مجاہدوں کی اولاد ظالموں کی اولاد سے بہت مختلف ہوتی ہے ۔ظالموں کی اولاد اپنی آنکھوں سے انسانوں پر ظلم ہوتے دیکھتی ہے مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتی ۔مجاہدوں کی اولاد ظلم کو برداشت ہی نہیں کر سکتی ۔جب ظلم ہوتا ہے تو وہ خون کے آنسو روتی ہے اور اس میں ظالموں کے خلاف جنگ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ۔ظالموں کی اولاد کو دنیا کی ہر آسائش اور آرام مہیا ہوتا ہے، انہیں کھانے کی ہر قسم کی نعمت، پہننے کو زرق برق پوشاک اور رہنے کو اعلیٰ درجے کی رہائش میسر ہوتی ہے اور وہ اسی میں خوش ہوتے ہیں ۔مگر مجاہدوں کی اولاد دنیا کے آرام اور آسائش کو نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے ۔اسے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کی عمارت گرنے والی ہوتی ہے اور اس کو مسمار کرنے کی جدوجہد میں ہی ان کو اطمینان اور خوشی ملتی ہے ۔یہ خوشی اور اطمینان نہ تو کسی دنیاوی نعمت سے مل سکتا ہے نہ زرق وبرق لباس یا اعلیٰ درجے کی رہائش سے میسر آسکتا ہے ۔جبھی تو مجاہدوں کی اولاد کا فخر ہوتا ہے:

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر　　تو وہ خوف وذلت کے حلوے سے بہتر

پیاری بچی دنیا کی ہر غلام قوم کے بچوں کو نہ صرف ظالم آقاؤں کے ظلم وستم کو سہنا پڑتا ہے بلکہ آزادی کی جنگ میں اپنے بڑوں کے ساتھ شانہ بشانہ لڑنا بھی پڑتا ہے۔غلامی ایک ایسی لعنت ہے جو چھوٹے اور بڑے میں تمیز نہیں کرتی۔غلامی میں جہاں بڑے اور بوڑھے سختیاں اور اذیت ناک تشدد برداشت کرنے پر مجبور کئے جاتے ہیں وہاں بچوں پر بھی اس کے اثرات پڑتے ہیں۔میں آپ کو صرف چند ایسی باتیں بتاؤں گا جن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہماری قوم کے بچوں کو غلامی کے باعث کیا کیا مصیبتیں برداشت کرنا پڑی ہیں۔یہ غالباً ۱۹۴۵ء یا ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے،تب میری عمر آٹھ یا نو برس کے لگ بھگ تھی۔اس زمانے میں کشمیر پر ڈوگرہ خاندان کی حکمرانی تھی اور پوری کشمیری قوم غلامی کی زندگی بسر کررہی تھی۔غلامی کی ایک بہت بڑی لعنت جاگیرداری ہوتی ہے۔ جاگیرداری اس طرح قائم ہوتی ہے کہ بادشاہ اپنی سلطنت کی زمینیں چند لوگوں میں تقسیم کرتا ہے۔یہ لوگ چونکہ بادشاہ کے وفادار ہوتے ہیں اور رعایا پر ظلم وجبر کرنے میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔اسلئے ان کی اس خدمت کے بدلے میں انہیں بڑی بڑی زمینوں کا مالک بنادیا جاتا ہے۔یہ زمینیں ان کی جاگیریں کہلاتی ہیں۔جاگیردار نہ تو ان زمینوں میں ہل چلاتے ہیں اور نہ ہی بیج بوتے ہیں۔وہ کوئی محنت نہیں کرتے۔ہل چلانا،بیج بونا،اور فصل تیار کرنا کسان کا کام ہوتا ہے۔جاگیردار کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ جب فصل تیار ہوکر کاٹی جاتی ہے تو وہ آدھمکتا ہے اور کسان کیلئے ایک حقیر سا حصہ چھوڑ کر باقی سارا اناج اُٹھا کر لے جاتا ہے۔ڈوگرہ حکمرانوں نے بھی ہمارے وطن میں جاگیردار مقرر کئے ہوئے تھے ☆ ۶　　محنت ہمارے لوگ کرتے اور فصل جاگیردار لیجاتے۔ہمارے علاقے کی زمینوں کا بھی ایک جاگیردار تھا۔گو ہم نے اُس جاگیردار کو کبھی نہیں دیکھا تھا مگر اس کے ایجنٹ جن کو کاردار کے نام سے پکارا جاتا تھا،کسانوں سے اناج اور پھل جمع کرتے۔جب یہ واقعہ پیش آیا اس برس محض موسمی آفتوں کے باعث کسان جاگیردار کو اتنی مقدار میں اناج فراہم نہ کرسکے جتنی مقدار میں وہ پہلے سے کرتے آئے تھے۔اس پر جاگیردار کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کارداروں نے پورے علاقے میں ظلم وتشدد شروع کیا۔غریب کسانوں کے گھروں اور کھلیانوں پر چھاپے مارنے شروع کئے، انکے جسموں پر کوڑے برسائے گئے مگر ان کے پاس تھا ہی کیا جو جاگیردار کو دیتے۔جب غلہ مقررہ مقدار میں جمع نہ ہوا تو جاگیردار ایک موٹر گاڑی میں سوار ہوکر ہمارے گاؤں آیا۔یہ پہلا موقع تھا کہ ہمارے گاؤں موٹر گاڑی آئی تھی اور ہم اس کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ہمارے علاقے کے کسانوں نے جمع ہوکر جاگیردار سے بڑی منت سماجت کی کہ انہیں کچھ چھوٹ دی جائے۔جاگیردار کو پیداوار میں کمی کی پوری تفصیل بتائی گئی مگر وہ کسانوں کی بات ماننے پر تیار نہ ہوا۔اُس کا اصرار تھا کہ کچھ بھی ہو، کسانوں کے بیٹے بھوکے کیوں نہ مریں اس کے حصے کا اناج بہرصورت پورا کردیا جائے۔جاگیردار نے اپنے کارداروں پر بھی غصہ کیا۔ان کو ہدایت کردی کہ وہ ہرصورت میں اناج کی وصولی مکمل کرلیں۔ان کارداروں کو معلوم تھا کہ کسانوں کے پاس جاگیردار کو دینے کیلئے اب کچھ باقی نہیں رہا تھا مگر وہ اس حکم کے سامنے سرتابی کیسے کرسکتے تھے۔جاگیردار جب یہ ہدایات دینے کے بعد موٹر میں سوار ہونے لگا عین اسی وقت گاؤں کے تمام بچوں سے کہا گیا کہ وہ جاگیردار کی گاڑی کے سامنے سڑک پر لیٹ جائیں۔اس منصوبے میں کاردار بھی شریک تھا۔سینکڑوں کی تعداد میں گاؤں کے بچے جاگیردار کی گاڑی کے سامنے لیٹ گئے اور عرض کیا کہ یا تو اناج کی مزید وصولی معاف کردی جائے یا ان بھوکے بچوں کو گاڑی کے نیچے روند کر ہلاک کردیا جائے۔ان بچوں میں خود میں بھی شامل تھا اور مجھے اب تک یاد ہے کہ اس وقت ایک کہرام مچا ہوا تھا، کیا بچے کیا بوڑھے سبھی اشکبار تھے۔انہیں معلوم تھا کہ اگر جاگیردار معافی کا وعدہ کئے بغیر واپس چلا گیا تو اس کے بعد کسانوں کے لئے قیامت برپا کردی جائے گی۔چنانچہ کسانوں کے ننگ دھڑنگ اور بھوک کے مارے زرد بچوں کی آہ وزاری کو دیکھ کر جاگیردار نے اپنے فیصلے میں کچھ ترمیم کرنے کا وعدہ کیا۔یہ صرف ایک واقعہ ہے جس سے تجھے اندازہ ہوگا کہ غلامی کے دور میں ہمارے غریب کسانوں اور ان کے ننھے منے پھول سے بچوں کو جاگیرداروں کی لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے کتنے ظلم وستم برداشت کرنے پڑتے تھے۔یہ بھی بتادوں کہ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہمارے وطن میں عوام کی اکثریت کسانوں پر مشتمل ہے اور ہر جگہ ان کو ایسے ہی واقعات سے دوچار ہونا پڑتا تھا، یہی وجہ تھی کہ اپنے بھوکے اور ننگے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے ان غیر ب کسانوں کو بڑی تعداد میں مزدوری کرنے کے لئے وطن سے نکل کر ہندوستان و پاکستان کے میدانی علاقوں خاص طور پنجاب میں دربدر پھرنا پڑتا تھا۔ انہی مظلوم انسانوں کو یہاں ''ہاتو'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ لوگ سال کے چھ مہینے میدانی علاقوں میں مزدوری کر کے بمشکل کچھ رقم بچا کر واپس وطن جایا کرتے تھے تا کہ اپنے بھوکے بچوں کو روٹی کھلا سکیں۔ یہی حال ان دستکاروں اور چھوٹے تاجروں کا بھی تھا جو اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں کو فروخت کرنے کے لئے برصغیر کے شہروں میں ''پھیری'' کیا کرتے تھے ان ''پھیری والوں'' کے بچے بھی اپنے اپنے ابو کی محبت اور شفقت کو ترستے رہتے تھے کیونکہ غلامی نے ہماری قوم پر جو غربت اور مفلسی مسلط کی تھی اس کے باعث وہ برسوں وطن سے دور روزگار کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔

جب ہماری قوم میں غلامی کا احساس بڑھ گیا تو اسے صاف طور دکھائی دیا کہ جاگیرداروں کی لوٹ کھسوٹ سے نجات پانے اور عزت کا مقام حاصل کرنے کے لئے ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے اور یہ آزادی کا راستہ ہے۔ چنانچہ ہمارے عوام نے آزادی کی خاطر جنگ شروع کر دی۔ اس جنگ میں ایک طرف کشمیر کے مجبور مظلوم اور مفلوک الحال لوگ تھے اور دوسری طرف ڈوگرہ حکمران، ان کے تنخواہ دار ملازم اور وظیفہ پانے والے بڑے بڑے جاگیردار اور سرمایہ دار۔ یہ جنگ 1931ء میں شروع ہوئی اور اس کا ایک مرحلہ 1947 میں مکمل ہوا۔ اس جنگ کے دوران ہمارے بے شمار غریب اور بے کس بچوں کو قربانیاں دینی پڑیں۔ کتنے ہی معصوم بچوں کے سہارے ان سے چھن گئے کیونکہ ان کے بڑے بوڑھے ظالموں کے خلاف جنگ میں شہید ہوئے اور اس طرح ان کے بچے یتیم ہو گئے۔ تمہارے جیسی کتنی ہی بچیوں کو برس ہا برس تک پیار محبت سے اس لئے محروم رہنا پڑا کہ ان کے ابو ظلم اور غلامی کے علمبرداروں کے ہاتھوں لوہے کی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیئے گئے تھے۔ اس دوران ہماری قوم کے لاتعداد چھوٹے چھوٹے اور معصوم بچوں اور

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

بچیوں کو بے رحم حکمرانوں کے ہاتھوں صدمے اٹھانے پڑے۔

پھر 1947 کا ریلہ آیا۔ یہ ایک طوفان تھا۔ حالات نے ایسی کروٹ لی کہ ہم غلامی کے ایک دور سے نکل کر دوسرے میں داخل ہو گئے۔ ڈوگرہ شاہی ختم ہوگئی مگر اس کے نتیجے میں وطن دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصے پر ہندوستان نے فوجی یلغار کر کے قبضہ کر لیا اور دوسرا حصہ آزاد کہلائے جانے کے باوجود آزادی کی نعمتوں سے مالا مال نہ ہو سکا۔ اس طوفانی ریلے میں لاکھوں کی تعداد میں نہ صرف ہمارے بڑے بوڑھے بلکہ نوجوان اور بچے بھی شہید ہو کر امر ہو گئے۔ جموں اور وادی کے میدانوں، پونچھ، مظفر آباد اور میر پور کی پہاڑیوں اور کرگل و لداخ کی چٹانوں میں جذب ہمارے جواں سال شہیدوں کے خون کے ساتھ ہمارے ان گنت بچیوں اور معصوم بچوں کا لہو بھی شامل ہے۔ ان معصوم شہیدوں کی کوئی یادگار تو نہیں البتہ ان کی گمنام شہادت ہماری قوم کے لئے باعث فخر ضرور ہے۔ میں آپ کو کتنے ہی ایسے معصوم اور پھول جیسے بچوں اور بچیوں کی کہانیاں سناؤں جو اس جنگ میں کام آئے۔ اگر یہ کہانیاں سنانے بیٹھ جاؤں تو ایک بہت بڑی کتاب تیار ہو جائے گی۔ یہاں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ ان میں بے شمار ایسے تھے جن کو حملہ آوروں نے اسی طرح گولیوں سے بھون کر رکھ دیا جیسے موسم بہار میں کسی درخت پر چہچہاتی چڑیوں کے جھنڈ پر کوئی بے رحم شکاری بندوق چلا دے۔ ان میں لاتعداد ایسے تھے جن کو ظلم کے نشے میں بدمست فرقہ پرستوں نے نیزوں اور تلواروں سے اس طرح کاٹا جیسے کوئی خونخوار بھیڑیا بھیڑوں کے گلے میں گھس کر بھیڑوں کی چیر پھاڑ شروع کر دیتا ہے۔

عذرا بیٹی! ہماری محکوم قوم کے بچوں اور بچیوں کی قربانیوں کا یہ سلسلہ 1947ء میں ہی ختم نہیں ہوا۔ یہ اب بھی جاری ہے اس وقت تک جاری رہے گا جب تک پوری قوم آزاد نہ ہو جائے۔ کیا مقبوضہ کشمیر اور کیا آزاد کشمیر، دونوں طرف عوام برابر قربانیاں دے رہے ہیں۔ دونوں طرف سے معصوم بچے اور بچیاں غلامی کے ہیبت ناک سایوں میں پروان چڑھ رہے ہیں۔ گذشتہ پچیس برس کی مدت میں نہ معلوم کتنے ہی کشمیری بچے آزادی کے دشمنوں کی قتل و غارت گری کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

باعث شہید اور یتیم ہو گئے، کتنے ہی ظلم اور لوٹ کھسوٹ کے باعث بے سہارا ہو گئے اور اس طرح ان سہولتوں سے محروم رہے جو ان کی نشو ونما اور تربیت کے لئے ضروری تھیں۔ گزرے ہوئے ان واقعات کی تفصیل لمبی چوڑی ہے۔ ابھی حال ہی میں لندن میں ہندوستانی ہائی کمیشن میں احتجاجی مظاہرہ کے دوران جو دو معصوم شہید ہوئے وہ بھی ہماری قوم کے دو پھول تھے۔ میر پور کے بشارت اور حنیف نے لڑکپن میں جام شہادت نوش کر کے نہ صرف ہماری نوجوان نسل کی پرانی روایات کو تازہ کیا بلکہ مستقبل کے لئے ایک درخشاں مثال بھی چھوڑ گئے۔ کشمیری قوم کے ہر بچے کو ان پر فخر ہونا چاہیے۔ ☆۶ پیاری عذرا بیٹی یہ جو باتیں میں نے اُوپر لکھی ہیں ان کا مقصد یہ بتانا تھا کہ محکوم قوموں کے بچوں کو کن حالات سے گذرنا پڑتا ہے۔ یہ باتیں اس لئے بھی ضروری تھیں کہ تمہارے ننھے سے دل میں وطن کی آزادی کا زبردست جذبہ موجود ہے۔ شاید اسی لئے تمارے خط کی پیشانی پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

پھر تمہارا وہ عزم بھی قابل تعریف ہے جو وطن کی آزادی کے لئے تم نے کر رکھا ہے اور جس کا اظہار اس خط میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے ''ہم اپنے پیارے وطن کشمیر کی آزادی، بقاء اور مضبوطی کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی پیش کرنے سے گریز نہیں کریں گے'' تمہارے اس جذبے اور عزم سے میں بہت ہی متاثر ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سچائی کے اس راستے پر قائم رکھے۔ تمہارے خیالات ترقی کریں اور تمہاری آرزو پوری ہو۔

اب میں آپ کے خیالات کے بارے میں کچھ لکھوں گا جو آپ نے خط میں بیان کئے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ ''ہم پر جو سختیاں اور مظالم ہوئے ہیں ان کی داستان سن کر آدمی کا دل دہل جاتا ہے لیکن بعض سنگدل اور بے سمجھ لوگ، ایسے بھی ہیں جو ایسی داستانیں پڑھ کر خوشی سے پھولے نہ سماتے ہیں''۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے ظلم کی داستانوں سے وہی لوگ اثر لیتے ہیں جو یا تو خود مظالم کا شکار رہے ہوں یا ان کو ظلم کے خلاف جنگ لڑنے کا تجربہ ہو۔ سنگدل اور بے سمجھ لوگ ظلم کی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

داستانوں سے کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ وہ نہ تو ان پر خوش ہوتے ہیں اور نہ ہی مغموم۔ ہاں ایک طبقہ ایسا ضرور ہے کہ ان پر خوش ہوتا ہے، یہ طبقہ ظلم کرنے والوں یا ان کے وظیفہ خوار ایجنٹوں کا ہوتا ہے۔ اپنے وطن کی آزادی کیلئے ہم نے جو مظالم سہے ہیں اگر ان پر کوئی خوش ہوتا ہے، اچھی طرح سے جان لو کہ وہ پوری کشمیری قوم کی آزادی کا دشمن ہے۔ وہ ظلم اور جبر کا حامی اور حق و انصاف کا دشمن ہے۔ ایسے لوگ قابل نفرت ہوتے ہیں اور یہ دنیا میں ہی خوار ہو جاتے ہیں۔ جب حق و انصاف کا بول بالا ہوتا ہے تو ان کے حصے میں رسوائی آجاتی ہے اور پھر وہ اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ کشمیریوں نے پاکستان کے لئے جانیں دی ہیں مگر پاکستان انہیں اب ''جاسوس'' قرار دے رہا ہے۔ یہاں آپ کے خیال میں تھوڑا سا نقص ہے۔ کشمیریوں کو پاکستان نے نہیں بلکہ اس ملک کے غدار حکمران ٹولے نے جاسوسی کا الزام دیا۔ یہ وہی غدار حکمران ٹولہ تھا جس نے اس ملک کے ٹکڑے کر دیئے۔ جس نے 25 برس تک اس ملک کے عوام کو آزادی اور جمہوریت سے محروم رکھا۔ دراصل یہ غدار حکمران ٹولہ خود ''جاسوسوں'' سے بھی بدکردار کا مالک تھا۔ اس لئے اس نے تمام محبِ وطن اور عوام دوست لوگوں کو غیر ملکی ایجنٹ یا جاسوس قرار دیا۔ جس حکمران ٹولے نے اپنے عوام کیساتھ دشمنی کی اور اس کے مسلمہ لیڈروں کو جاسوس کہتا رہا اس نے اگر ہم کشمیریوں پر جاسوسی کا الزام لگایا تو اس سے خفا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ رہا اصل پاکستان یعنی اس ملک کے عوام تو ان کے سامنے جب بھی حقیقت آئے گی وہ اسے تسلیم کریں گے۔ ہمیں یہاں جو سزائیں دی گئیں وہ پاکستان کے اصل مالکوں نے تو نہ دیں۔ یہ سزائیں اس ظالم حکمران ٹولے نے ہمیں دی ہیں جس نے اپنے ہی عوام پر گولیاں برسائیں۔ ظاہر ہے جو حکمران اپنے عوام کیخلاف اعلان جنگ کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ بھی نا انصافی ہی کرتے ہیں۔ کشمیری عوام کو پہلے بھی پاکستان کے حکمران طبقہ نے جنگ آزادی میں اس طرح کی مدد نہیں دی جیسا کہ اسے چاہیے تھا۔ اس طبقے کو تو کشمیر کی آزادی سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ ان کی تمام باتیں سب زبانی جمع خرچ ہیں ان پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہیے۔ البتہ پاکستان کے عوام

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہمارے اصل دوست اور حامی ہیں ان کی مدد کشمیری عوام کو ضرور حاصل ہوگی۔ پاکستان کے عوام میں خلوص بھی ہے اور ہمدردی بھی۔ جب بھی کشمیری آگے بڑھیں گے تو یہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے اور کبھی بھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ آپ نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ کشمیری حریت پسندوں کو جاسوس قرار دے کر ان حکمرانوں نے دراصل بھارت کی خدمت کی ہے۔ شاید اس دوغلی پالیسی کے باعث قدرت نے ان کو رسوا کن انجام سے دوچار کر دیا۔ آپ کو خوشی ہے کہ ہم لوگ سچ پر قائم رہے اور آزمائش کے مرحلوں میں حق کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ یہ تو اللہ کی مہربانی تھی کہ اس نے ہر مرحلے پر ہماری مدد فرمائی اور ہمیں سیدھے راستے پر گامزن رکھا۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پھر قومی محاذ آزادی انشاء اللہ پہلے سے بھی بڑے کارنامے کر کر دکھائے گا۔ یہ سوچنا بھی غلطی ہے کہ کشمیری نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے۔ ہم لوگ پہلے بھی اپنے وطن کے سچے بیٹے تھے اور آئندہ بھی رہیں گے۔ ہمارے دلوں میں آزادی کا جو جذبہ ہے وہ انشاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہم دنیا کی ہر طاقت سے ٹکر لیں گے۔ آپ نے خود ہی تو لکھا ہے کہ کشمیریوں نے وطن کی آزادی کے لئے جو خون بہایا ہے وہ رائیگاں نہیں جائے گا۔ شہیدوں کا لہو ہمیشہ رنگ لا کر رہتا ہے اور یہ آزادی کا رنگ ہوتا ہے۔ آپ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ حق پر قائم رہنے والوں کو دنیا میں آزمائشوں اور امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان لوگوں کی عظمت اسی میں ہوتی ہے کہ وہ صبر اور ہمت کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں۔ آپ کے معصوم دل سے ہمارے کامیابی اور سرخروئی کے لئے جو دعا نکلی ہے وہ بارگاہ ایزدی میں ضرور قبول ہوگی۔ یہ تو خدا کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ جب تک وہ سچائی پر قائم رہتے ہیں دنیا کی کوئی طاقت ان کو اپنے مقاصد میں ناکام نہیں بنا سکتی۔

روبینہ اور ہیو سے معلوم ہوا کہ آپ کی صحت بالکل اچھی ہے اور تعلیم کی طرف بھی آپ کی توجہ خوب ہے۔ یہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ انسان کی اصل دولت علم ہے۔ یہ ایسی دولت ہے جو نہ تو کبھی چوری ہوتی ہے اور نہ خرچ۔ علم کے بغیر انسان نرا حیوان ہے۔ اس لئے امید کرتا ہوں کہ آپ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

پڑھائی کی طرف زیادہ ہی توجہ دیں گی۔میری طرف سے اپنی امی جان کی خدمت میں سلام عرض کریں اور روبینہ بیٹی کو بہت بہت پیار۔

آپ کا پیارا انکل/مقبول احمد بٹ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱روبینہ،مکتوب الیہ کی چھوٹی بہن اور جی ایم میر کی بیٹی ہیں۔ ☆۲ مقبول بٹ شہید کی زوجہ محترمہ راجہ بیگم ☆۳جی ایم میر ☆۴مقبول بٹ شہید کے بڑے بیٹے جاوید مقبول بٹ جنہیں پیار سے پپو کہا کرتے تھے۔ ☆۵مقبول بٹ شہید کے چھوٹے بیٹے شوکت مقبول بٹ جنہیں پیار سے ککو کہتے تھے۔ ☆۶ بشارت شہید اور حنیف شہید ۱۹۷۱ء کے پاکستانی جنگی قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں بھارتی ہائی کمیشن لندن کے سامنے مظاہرہ کرنے والوں میں شامل تھے۔ہائی کمیشن کے سیکورٹی گارڈز کی فائرنگ کے نتیجے میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا اور اپنی دھرتی ماں (میر پور آزاد کشمیر) کی آغوش میں ابدی نیند سو گئے۔بشارت کی قبر پلاک میں ہے اور حنیف کی میر پور شہر میں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنے بیٹے شوکت مقبول کے نام

بسم اللہ الرحمان الرحیم

نئی دہلی

13 مئی 1979ء

برخوردارم شوکت مقبول

السلام علیکم!

امید ہے آپ بخیریت ہونگے۔پچھلے دنوں دہلی میں آپ کے ابو سے جیل میں ملاقات ہوئی ☆۱۔بھائی جان بالکل خیریت سے ہیں اور آپ کی خیریت نیک چاہتے ہیں۔آپ نے ۲۸ فروری ۱۹۷۹ء کو جیل کے پتے پر جو خط بھیجا تھا وہ کافی دیر کے بعد انہیں مئی کے پہلے ہفتے میں ملا ہے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

۔مگر جیل میں کسی وجہ سے وہ آپ کو براہ راست ابھی تک جواب نہیں لکھ سکے ہیں۔جونہی ان کو جیل حکام کی طرف سے سہولت ملے گی وہ آپ کو جواب تحریر کریں گے۔فی الحال انہوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ ان کی طرف سے آپ کو خط تحریر کروں۔لہٰذا آپ اس خط کو انہی کی طرف سے خیریت کی اطلاع سمجھ لیں۔میں کم وبیش انہی کے الفاظ میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

بھائی جان کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ خیریت سے ہیں اور وہ آپ کی خیریت اور سلامتی کیلئے ہر وقت دعا کرتے رہتے ہیں۔انہیں اس بات سے بھی خوشی ہوئی ہے کہ آپ اور آپ کے بھائی جان (پپو) ☆۲ کی تعلیم جاری ہے۔انہیں امید ہے کہ آپ دل لگا کر حصول تعلیم میں مصروف رہیں گے۔کیونکہ علم ایک ایسا خزانہ ہے جو ہر وقت انسان کے کام آتا ہے اور جس کے ضائع ہونے کا کبھی بھی خطرہ نہیں رہتا۔ بھائی جان کو امید ہے کہ وہ جس صورت حال سے دوچار ہیں اس کے باعث آپ اپنی زندگی پر کوئی برا اثر نہیں پڑنے دیں گے بلکہ ہمت اور حوصلے سے حالات کا مقابلہ کریں گے۔چاہے انجام کچھ بھی ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی بھی ناامید نہیں ہونا چاہیے اور اسی ذات باری سے بھلائی کی امید رکھنی چاہیے۔یہ بات کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے اور جب تک انسان اپنے ایمان پر قائم رہتا ہے آخری فتح اسی کے نصیب میں ہوتی ہے۔وہ انسان ہی کیا جو حالات کے سامنے گھٹنے ٹیک دے۔بس ہمت اور حوصلے کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھیں اور حالات کا مقابلہ مردانہ وار کریں۔

بھائی جان کو اس بات کا دکھ ضرور ہے کہ اس عمر میں جب کہ آپ کو ان کی سرپرستی کی ضرورت تھی وہ آپ سے کافی دور پڑے ہیں اور نہ صرف یہ کہ وہ آپ کے سر پر ہاتھ رکھنے سے قاصر ہیں بلکہ وہ خود جس آزمائش سے گزر رہے ہیں وہ آپ کیلئے بھی کافی پریشانی اور فکرمندی کا باعث ہے۔تاہم ان کو امید ہے کہ آپ ان حالات میں بھی صبر اور حوصلے سے کام لے کر زندگی کے راستے پر کامیابی کے ساتھ چل نکلنے کی اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

بھائی جان کی طرف سے محترم چچاجان ☆۳ ،چچی جان ☆۴، بھابھی راجہ ☆۵، بھابی ذاکرہ ☆۶ اور دوسرے عزیزوں کو سلام کہہ دیں پپو، صوبی ☆۶ رفیعہ ☆۷ اور مُنی ☆۸ کے لئے بہت بہت پیار ،حمیدہ بہن ☆۹ اور ان کے شوہر کو بھی بھائی جان کا سلام پہنچا دیں۔ انہوں نے مزید آپ کے ماموں ماسٹر صاحب ☆۱۰ ،''خالہ فاطمہ ☆۱۱'' اور عبدالغفار ☆۱۲ کو سلام بھیجا ہے۔ بھابی فہمیدہ ☆۱۳ کو ان کی طرف سے سلام کہہ دیں۔ ریاض احمد ☆۱۴ کے بھائیوں اور بہنوں کو بھی ان کی طرف سے سلام کہہ دیں اور خط کا جواب بھائی جان کے نام سینٹرل جیل نئی دہلی کے پتے پر ارسال کریں تا کہ انہیں معلوم ہو کہ آپ کو یہ خط مل گیا ہے۔ باقی میری طرف سے بھی تمام عزیزوں اور دوسرے دوستوں کو سلام کہہ دیں۔ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھیں تا کہ خیریت کی اطلاع ملتی رہے۔ خط لکھتے وقت بھائی جان کو گھر کا حال احوال ضرور تحریر کریں اور اپنی تعلیم اور دیگر مسائل کے بارے میں ان کو مطلع کرتے رہیں۔ ابو کی طرف سے ان کے دوستوں کو بھی بہت سلام پہنچا دیں۔

والسلام/ فقط/ آپ کا انکل

غلام نبی اور ابو/ محمد مقبول بٹ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ مقبول بٹ شہیدؒ نے تہاڑ جیل سے یہ پہلا خط اپنے بیٹے شوکت کے نام لکھا۔ پس دیوار زندان ان پر چند سنگین مجبوریوں کے پیش نظر انہوں نے یہ خط اپنے چھوٹے بھائی غلام نبی کی طرف سے خود اپنے ہاتھوں لکھا۔ بیٹے کو چچا کی حیثیت سے مخاطب کیا۔ خط میں بھائی جان کا لفظ جہاں بھی آئے گا وہ خود مقبول بٹؒ ہونگے۔ یہ خط بٹ صاحب نے لکھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ جیل سے باہر بھیجا اور اس کو غلام نبی بٹ کی طرف سے اسلئے لکھا تا کہ اگر جیل سے باہر لے جاتے وقت دوران تلاشی پکڑا بھی جائے تو وہ غلام نبی کا لکھا ہوا ظاہر ہو۔ ☆۲ جاوید مقبول بٹ ☆۳ عبدالعزیز بٹ ☆۴ ہاجرہ بی بی ☆۵ چونکہ مقبول بٹ شہیدؒ نے یہ خط اپنے بھائی کی طرف سے لکھا تھا اس لئے اپنی دونوں بیویوں کیلئے ''بھابی'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ☆۶ چچازاد بہن' اصل نام سعیدہ ہے۔ ☆۷ چچازاد بہن ☆۸ چچازاد بھائی اصل نام شفیق ہے۔ ☆۹ چچازاد بہن ☆ ماسٹر محمد مقبول ایبٹ آباد ☆۱۰

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

فاطمہ ماسٹر صاحب کی اہلیہ جواب وفات پا چکی ہیں۔ ☆۱۱ ماسٹر صاحب کے بھانجے ☆۱۲ عبدالغفار میر کی اہلیہ ☆۱۳ ریاض احمد ڈار، مقبول بٹ شہید کا جانثار ساتھی جو ۱۶ برس کی عمر میں بٹ صاحب کے ہمراہ ۱۹۷۶ء میں وادی کشمیر میں ایک حریت پسند کے روپ میں داخل ہوا۔ بٹ صاحب کے ہمراہ گرفتار ہوا اور بارہ سال قید کاٹ کر ۱۹۸۸ء کو اپنے ایک دوسرے ساتھی حمید بٹ کے ساتھ جموں جیل سے رہائی پا کر آزاد کشمیر آ گیا۔ آج کل یہ مظفر آباد میں رہائش پذیر ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیگم فاروق حیدر کے نام

بسم اللہ الرحمان الرحیم

نئی دہلی

21 جون 1979ء

ڈیئر عفت بہن

السلام علیکم

امید ہے کہ آپ اور فاروق بھائی خیریت سے ہونگے۔ اللہ کے فضل وکرم سے زندگی کے ایام صبر و شکر کے ساتھ گذار رہے ہیں اور آپ کی دعاؤں و نیک تمناؤں سے مشکلیں اور کٹھنائیاں بھی سکون قلب کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچ رہی ہیں۔ برسوں پہلے آپ سے ملاقات کی یاد ابھی تک دل میں تازہ ہے۔ آپ نے جس خلوص اور محبت سے مہمان نوازی کا حق ادا کیا تھا اور فاروق بھائی نے جس پیار اور الفت سے آپ کے یہاں اپنے چند روز قیام کو خوشگوار بنایا تھا اس کی تصویر ابھی تک ذہن پر نقش ہے، چھوٹے سلطان ☆۱ کی توتلی باتیں اور عزیزی عزا اور میزو ☆۲ کی اٹھکیلیاں ابھی تک فراموش نہیں کر پایا ہوں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں گھر والوں سے الگ ہو کر یہاں قیام کرنے پر مجبور ہوا تھا ☆۳۔ اگرچہ یہ نئی زندگی کسی بھی طور خوشگوار اور آرام دہ نہیں مگر جہاں آدمی کے اصول اور نظریے کا سوال پیدا ہوتا ہے وہاں انجام کی پرواہ کئے بغیر آزمائش کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہر دور سے خندہ پیشانی کے ساتھ گذارنے میں بھی ایک طرح کی راحت ملتی ہے۔یقین کیجئے زندگی کے اس مشکل ترین دور میں بھی نہ تو اپنی ہمت وحوصلہ ہی پست ہوئے ہیں اور نہ ہی اپنے ایمان میں کوئی فرق آیا ہے۔آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو اس دور سے بھی نصرت وکامرانی کے ساتھ گزر ہوجائے گا۔

آپ کی جانب سے کافی عرصے سے کوئی خیریت نامہ نہیں ملا اس لئے قدرے پریشانی ہے۔بالا صاحب ☆۴ اورحسرت صاحب ☆۵ نے پچھلی عید پر یاد کیا تھا اور پشاور سے چھوٹے شوکت نے حال ہی میں ایک خط لکھا ہے۔اسے جواب تو بھیجا ہے مگر نہیں معلوم کہ اسے میرا خط ملا کہ نہیں ☆۶۔امان بھائی نے تو لندن ہی میں مستقل قیام کیا ہے۔ایک عرصہ ہوا ان کی طرف سے بھی ایک خط آیا تھا۔میرے واپسی خط کا انہوں نے جواب نہیں دیا۔معلوم ہوتا ہے کہ کافی عدیم الفرصت ہیں۔میری طرف سے تمام عزیز واقارب اور دوست احباب کو سلام کہہ دیں۔گوگی ☆۷، کوشی ۸ ☆۔۔۔اور فاروق بھائی کے دوسرے عزیزوں کو بھی میرا سلام کہہ دیں۔چھوٹے سلطان اور عزا و میز کو بہت بہت پیار۔چھوٹے سلطان کے چھوٹے بھائی کو میری طرف سے پیار۔اس کا نام یاد نہیں۔خط ضرور تحریر کریں۔

امید ہے کہ خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

آپ کا بھائی / ایم۔ایم۔بٹ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱،سلطان ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کے بیٹے ہیں۔ ☆۲،عزا اور میزا ڈاکٹر صاحب کی بیٹیاں ہیں۔ ☆۳ اس خط میں بٹ صاحب نے اپنے آپ کو قیدی ظاہر نہیں کیا نہ ہی خط کے آخر میں اپنا پورا نام لکھا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خط ان دنوں میں لکھا گیا ہے جبکہ بٹ صاحب کو خط لکھنے کی سہولت نہیں دی گئی تھی۔غالب امکان ہے کہ انہوں نے یہ خط لکھ کر خفیہ طور پر پوسٹ کروایا ہوگا۔☆۴ غلام محمد بالا پنڈی میں رہتے ہیں۔ ☆۵ سردار رشید حسرت مقبول بٹ کے مخلص اور تنظیمی دوستوں میں سے تھے۔راولاکوٹ کے رہنے والے یہ حریت پسند وفات پا چکے ہیں۔ ☆۶ شوکت مقبول کو یہ خط ملا گیا تھا جو اس کتاب میں بھی شامل ہے۔ ☆۷ افسوس! امان

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اللہ خان کے نام ہٹ صاحب کا یہ خط دستیاب نہ ہوسکا۔☆۸ جاوید ساغر (گوگی) اے آر ساغر کے بیٹے ہیں۔ راولپنڈی میں رہتے ہیں۔ ☆۹ اصل نام تخیل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ملک محمد اصغر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی

6 مارچ 1980ء

برادر ملک محمد اصغر صاحب

السلام علیکم!

آپ کا پہلا خط جو غالباً آپ نے اوائل فروری میں تحریر کیا تھا مل گیا۔ یادآوری کے لئے بہت بہت شکریہ۔ تنہائی کے اس عالم میں آپ جیسے دوستوں کی جانب سے یادآوری کے یہ تحفے☆ اکس قدر باعث مسرت ثابت ہوتے ہیں اس کا اندازہ کچھ میں ہی کرسکتا ہوں۔ اس سے قبل جب بھائی صاحب ☆۲۔ ملاقات کے لئے آئے تھے تب بھی آپ سے وابستہ یادوں کی ایک بہار تازہ ہوگئی تھی۔ آپ کی اور دیگر احباب کی خیریت کی اطلاع پاکر دل کو سکون میسر آیا تھا اور اب آپ کے نامہ گرامی سے ان۔۔۔۔☆۳ جو بجا طور پر ہماری پیش قیمت میراث کہلائی جاسکتی ہیں۔ آپ نے جس کرب و اضطراب کا اظہار کیا ہے وہ آپ کی خلوص و محبت اور ایثار و وفا کے عمیق جذبات کی آئینہ داری کرتا ہے۔ آپ نے نہ معلوم خود کو کیوں ''مجرم'' گردانا ہے اور وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ کوئی مدعی ہی نہیں☆۴۔ یہ بات دوسری ہے کہ کچھ ''جرم'' ایسے ہیں جن کا ارتکاب اہل عزم و ایمان کے لئے باعث صد افتخار ہوتا ہے۔ ان میں یقیناً ''جرم ضعیفی'' شامل نہیں جس کی سزا مرگ مفاجات ہوتی ہے۔ البتہ بغاوت کا وہ ''جرم'' ضرور شامل ہے جو غلاموں میں سوز و یقین پیدا کرتا ہے اور ''کنجشکِ فرومایہ'' کو شاہین سے پنجہ آزمائی پر آمادہ کرتا ہے۔ اس جرم کے ارتکاب پر اظہار

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ندامت نہیں اظہار مسرت کیا جانا چاہیے۔وشعر جو آپ نے تحریر کیا ہے مجھے اپنی صورت حال پر موزوں دکھائی نہیں دیتا۔اس لئے کہ یہاں شکوے کی گنجائش ہی کہاں۔کامیابیوں پر ستائش و تعریف کی طلب اور ناکامیوں پر حالات کی نامساعدگی کا شکوہ کر کے ہمدردی کے حصول کو زندگی کی اعلیٰ وارفع اقدار شمار نہیں کیا جا سکتا البتہ اگر چھوٹا منہ اور بڑی بات کا جرم معاف ہو تو بصد انکسار یہ ضرور کہوں گا کہ

ہمیں خبر ہے کہ ہم میں چراغ آخر شب ہمارے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے

یہ کچھ آپ پر ہی نہیں ہم سبھی پر صادق ہے۔پس ندامت و ملال کی چنداں ضرورت نہیں ☆۵۔مجھے یقین ہے کہ خلوص و محبت اور عزم و ایمان کی جس دولت کے ہم امین ہیں وہ سچائی کے راستے پر گامزن رہنے کی ہماری مساعی کو ضرور سرخروئی سے ہمکنار کرے گی۔اس موضوع پر کسی لمبے چوڑے لیکچر کی ضرورت نہیں۔یہ ایک ایسی ابدی حقیقت ہے جو انسانی تاریخ میں اپنی تمام تر جلوہ تابانیوں کے ساتھ ہمیشہ موجود رہی ہے اور رہے گی۔تاریخ انسانی کے اس سدا بہار گلشن میں کوئی کمی نہیں۔شرط یہ ہے کہ ہم خود ہی نادانی میں چند کلیوں پر قناعت نہ کر بیٹھیں۔یہ بات باعث خوشی ہے کہ آپ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں۔امید ہے کہ آپ میرے تئیں اپنی پرخلوص دعائیں جاری رکھیں گے۔آپ نے جن عید کارڈوں کا ذکر کیا ہے وہ تو مجھے نہیں ملے تاہم خوشی کے ان موقعوں پر یاد کرنے کیلئے ایک مرتبہ پھر آپ کا شکریہ۔عزیزم جاوید اور شوکت کے بارے میں آپ کی طرف سے خیریت کی اطلاع پر بھی شکریہ۔میری طرف سے تمام دوست و احباب کو خلوص و محبت سے بھرپور سلام کہئے گا۔والسلام

فقط آپ کا بھائی/محمد مقبول بٹ

نوٹ:(برادرم اعجاز ملک ☆۶ کی صورت حال کے بارے میں ضرور مطلع کریں۔وہ جس عالم میں ہیں اس پر مجھے بہت صدمہ ہے۔ان تک میرا خصوصی سلام پہنچا دیجئے گا۔میری طرف سے ان کے عزیزوں کو ہمدردی کا پیغام پہنچائیں۔)

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ ''تحفے'' ہمراہ دوستوں کے فرستادہ مکتوب ☆۲ غلام نبی بٹ مرحوم ☆۳ خط کی بوسیدگی کے باعث یہ چند الفاظ پڑھے نہ جا سکے۔ ☆۴ ملک اصغر صاحب نے اپنے تئیں شرمندگی اور ندامت کا اظہار کیا تھا کہ ہم آپ کی رہائی کیلئے کچھ نہ کر سکے۔ ☆۵ ملک اصغر نے مصطفیٰ زیدی کا یہ شعر لکھا تھا ''کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پر گزر گئی دنیا تو لطف لے گی میرے واقعات میں''۔ اس شعر میں نا امیدی اور مایوسی پائی جاتی تھی اسلئے بٹ صاحبؒ نے امید اور حوصلے سے زندہ رہنے کی بات کی۔ ☆۶ یہ جنوری ۱۹۷۶ء کا پہلا ہفتہ تھا۔ ملک اعجاز NLF کی میٹنگ میں شرکت کیلئے راولپنڈی گئے ہوئے تھے۔ رات کو میٹنگ میں شریک ہوئے۔ صبح ڈاکٹر فاروق حیدر کے گھر (چوہڑ) سے وہ مقبول بٹ صاحب کو لے کر صدر بازار راولپنڈی کی طرف آ رہے تھے کہ راستے میں ریس کورس گراونڈ کے نزدیک انہیں حادثہ پیش آیا جس میں مقبول بٹؒ کو معمولی چوٹیں آئیں لیکن ملک اعجاز کو سر میں گہری چوٹ لگی جس سے وہ بے ہوش ہو گئے۔ وہ کئی روز سی ایم ایچ راولپنڈی میں بے ہوش رہے۔ جب انہیں ہوش آیا تو ان کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں تھی۔ اس بیماری کے دوران انہوں نے ایک مرزائی کو کوٹلی میں قتل کر دیا۔ گرفتار ہوئے اور ضمانت پر رہائی ملی۔ وہ تا دم حیات ذہنی عارضے میں مبتلا رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اکرام اللہ جسوال کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/ 2 مئی 1980ء

محترم جسوال صاحب/ السلام علیکم

فرقت کے اس طویل دور میں کچھ عرصہ قبل آپ کا محبت نامہ مل گیا۔ یاد آوری لئے شکریہ۔ خط کا جواب لکھنے میں جو دیر ہو گئی اس لئے آپ کی Inconvenience (تکلیف) کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس وضاحت کو 'عذر گناہ' سے تعبیر نہیں کریں گے۔ دوستوں میں باہمی نامہ و پیام کی اہمیت سے انکار غلط ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں برسوں سے اس سلسلے کو قائم نہ رکھ سکا۔ اس لئے نہیں کہ آپ کی یاد ذہن سے محو ہو گئی تھی مگر حالات

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کے اس جبر کا کیا علاج کیا جائے جو چاہت کے باوجود خواہشات کا خون کرتے ہیں۔ زنداں کی زندگی کے اس پہلو کے بیان کے لئے ایک کتاب چاہیے مگر یہاں اسی اکتفا کروں گا کہ اسیری اور وہ بھی ہم جیسے لوگوں کی اسیری کے لئے یہ مقولہ کہ Prisoners are not supposed to be choosers" ایک قدر مقرر (Governing Value) کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہوگی کہ برسوں بعد اس قابل ہو سکا ہوں کہ رائٹنگ میٹریل (Writing Meterial) کا استعمال کر سکوں اور اس ''حق'' کو حاصل کرنے کیلئے ہائیکورٹ کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ آپ کے لئے میں یقیناً اپنے حالات لکھنے سے قاصر ہوں۔ اس لئے نہیں کہ لکھ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ حالات کا رونا اور انہیں ضبط تحریر میں لانا نہ تو کبھی اپنا شعار رہا ہے اور نہ ہی طریقہ۔ پس اس خط کو آپ اپنے خیریت نامے کی وصولی صولی کی رسید سمجھ لیجئے جس کی آپ نے فرمائش کی ہے اور جس کا مجھے یقین ہے کہ آپ بڑی بے تابی سے انتظار کرتے رہے ہیں۔ اگر آپ اسے شاعرانہ بات قرار نہ دیں تو میں یہ لکھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کا محبت نامہ گنج قفس میں بادصبا کے کسی خوشگوار جھونکے کی طرح مسرتوں کا ایک پیغام لایا ہے۔ خوشگوار یادوں کی ایک بارات ذہن کے پردے پر محو رقص ہوا تھی اور اس کے ساتھ ہی خلوص و محبت کے اس لازوال رشتے کی تازگی دوچند ہوگئی جسے ہم بجا طور پر زندگی کی مشترک اور گراں بہا میراث قرار دے سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ ''ذاتی'' وجوہ کے باوجود جن کا آپ نے قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے نامہ و پیام کے اس سلسلے کو کم از کم میری خاطر جاری رکھیں گے۔ میرے لئے یہ محبت نامے کسی گراں قدر اثاثے سے کم نہیں۔ آپ جیسے وفا شعار دوستوں کیلئے اس ضمن میں ''خدائی فوجداروں'' کی کتر بیونت اور اس نوع کی دیگر کاروائیوں کا خدشہ پرکاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ۱۱؎ آپ کا خط ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی بار پڑھا صرف اس لئے نہیں کہ یہ آپ کا خط تھا بلکہ اس لئے بھی کہ شاید اس طرح اس تصویر کو اچھی طرح دیکھ سکوں جو اس کے بین السطور پوشیدہ ہے۔ درد اور احساس کی شدت میں آپ بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور اس سے اتفاق شاید عقل و خرد کے تقاضوں کو پورا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کرے،مگر عشق وجنون کی راہ چل پڑنے والوں کے لئے حالات وواقعات کو پرکھنے کے معیار ہی الگ واقع ہوئے ہیں۔تمناؤں کی بے تابی اپنی جگہ سہی مگر اسے زندگی کا محور قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اہل عشق جانتے ہیں کہ عشق فی نفسہٖ صبر طلب ہے۔عام معمولات زندگی کے بارے میں کسی انگریز مصنف کا مقولہ ہے "Nothing succeeds like a success but it is equally true that nothing fails like a failure"۔وقت کے تقاضوں اور فوری مصلحتوں کو زندگی کا محور بنا کر قیادتِ انسانی کے منصوبوں پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھنے والے مدبروں کے لئے یہ مقولہ میکاولی کے کسی نسخے سے کم نہیں۔مگر انہیں وہ درجہ یقیناً حاصل نہیں ہوسکتا جو صرف ان لوگوں کا مقدر ہے جن کو تاریخ انسانی کی ترتیب وتزئین کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔انسانی تاریخ کی ترتیب وتزئین کی زمام ہمیشہ اہل عشق کے اس قبیلے کے ہاتھوں میں رہی ہے جنہوں نے وقت کی مقتدر روایات اور شخصیات کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا اور سوچ وعمل کو نئی سمت عطا کی۔کامیابی اور ناکامی کا متذکرہ بالا معیار ان کے لئے کبھی بھی قابل رعایت (worth consideration) نہیں رہا ہے۔

سوچئے تو ارسطو کو زہر کا پیالہ کیوں پینا پڑا۔آتش نمرود میں وقت کے پیغامبر ابراہیم نے کیوں چھلانگ لگائی۔عیسیٰ علیہ السلام نے وقت کے حاکموں کی صلیب کو کیوں چوما۔طائف کے بازار میں لہولہان ہونے کے باوجود حضور پُرنور ﷺ کے چہرے پر ملال کیوں نہیں آیا۔گوتم بدھ نے برہمنی استحصال (Exploitation) کے ساتھ مصالحت کیوں نہیں کی۔مارٹن لوتھر کی تحریک (Renaisance)، مارکس اور اینجلز کے نظریات اور نوآبادیاتی عروج میں قومی آزادی کی تحریکوں کا پھیلاؤ اپنے اپنے وقت کی کونسی مقتدر روایات اور شخصیات کے ساتھ مصالحت کی علمبردار رہی ہیں؟ انسانوں کی تاریخ میں بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ وہ لوگ جو قوموں کی زندگی کا رخ متعین کرنے کی تحریکوں کی بنیاد ڈالتے رہے ہیں وہ اپنی طبعی عمر میں تصورات کی (پختگی) Maturity کی حد سے آگے نہ جا سکے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان تصورات کی بنیاد پر تشکیل

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

پانے والی عمارت کی تعمیر میں ان کا رول کسی کم اہمیت کا حامل رہا ہے۔اپنے تاریخی کردار کے باعث وہ ہمیشہ السابقون الاولون میں شمار کئے جاتے ہیں۔یہ موضوع اس قدر طویل ہے کہ اس خط کی تنگ دامنی اس کی وضاحت کی متحمل نہیں ہوسکتی۔مختصراً یہی لکھ سکتا ہوں کہ اہل عشق ترکِ تشخص کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ترکِ تشخص اہل عشق وایمان کی ہی نہیں بلکہ انسانی زندگی کے ارتقاء کی بھی موت ہے۔ہمیں اس وقت سے گھبرانا چاہیے جب انسان تصورات کے لئے ایثار اور قربانی کا راستہ چھوڑ کر مصلحتوں کا غلام بن جائے کیونکہ اس وصف کی عدم موجودگی میں یہ دنیا چلتے پھرتے انسانوں کا ایک وسیع قبرستان بن کر رہ جائے گا۔اس پس منظر میں دیکھا جائے تو آپ کی تجویز نرم سے نرم الفاظ میں ۔۔۔۔۲☆ ہی قرار دی جاسکتی ہے۔پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کسی بھی قومی تشخص کی تشکیل میں بیشمار تاریخی عوامل کا ہاتھ ہوتا ہے۔یہ نہ تو کسی کے دعوے سے وجود میں آتا ہے اور نہ ہی کسی کے ترک کرنے سے مٹ جاتا ہے۔قومی تشخص قدرت کی دین ہوتا ہے۔اسے دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی۔اس لئے ترکِ تشخص کے ساتھ وابستہ تقسیم وطن کا تصور بھی ہمارے لئے ایک گناہ عظیم سے کم نہیں۔۳☆ تاریخی حقائق اپنے بل پر قائم رہتے ہیں۔انسانوں کی بے بضاعتیاں (Frailities) ان پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔یہ دوسری بات ہے اپنی (Frailities) کے باعث کوئی انسان یا انسانوں کی جماعت تاریخ کے اس دھارے کا ساتھ نہ دے پائے اور کسی بے وزن شے کی طرح لہروں کے اوپر تیرتی ہوئی ساحل کی وقتی راحتوں سے ہمکنار ہونے میں ہی اپنی عافیت سمجھ لے۔لیکن آپ سے بڑھ کر اور کون جانتا ہے کہ ہم اس قبیل میں شامل نہیں ہوسکتے۔دنیا میں کون سکون واطمینان کا خواہشمند نہیں لیکن قبرستان کے سکون اور رواں دواں زندگی کے سکون میں امتیاز نہ کرنا نادانی کی علامت ہے۔وہ امن وامان جس کے پیچھے خوف ودہشت کے سائے لرزاں ہوں اور جس کے لئے ارمانوں کا خون کرکے ذہنی پراگندگی کی کیفیت حاصل کرنی پڑے فی الواقع موت کا پیغام ہوتا ہے۔خط خاصا طویل ہوگیا اس لئے اس موضوع کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

میرے بارے میں پریشانی کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کو میرے بارے میں منظور ہوگا وہ بہر طور ہم سب کے لئے بہتر ہی ہوگا۔ آپ بس میرے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیے۔ آپ کی ذاتی پریشانیوں سے دکھ ہوا اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات آسان فرمائے۔ اتنی دور آپ کے لئے سوائے دعا کے اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔ محترم ساتھی مرحوم محمد زمان خان عباسی کی وفات کی خبر سے دل کو بڑا صدمہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ میری جانب سے مرحوم کے پسماندگان سے ضرور اظہار تعزیت کیجئے گا۔

محترم میر ہدایت اللہ صاحب کے دورہ دل کے بارے میں جان کر تشویش ہوئی۔ بہر حال یہ اچھا ہے کہ آج کل وہ کم کھاتے ہیں پر غم نہیں کھاتے۔ میری طرف سے محترم انصاری صاحب، بشیر تبسم صاحب، صوفی محمد زمان محترم جی ایم میر صاحب، محمد صدیق بابا صاحب، ڈاکٹر صاحب اور دیگر تمام دوست و احباب تک خلوص و محبت سے بھرپور سلام پہنچا دیجئے گا۔ ڈاکٹر صاحب کی جانب سے فروری میں ایک خط ملا تھا جس کا جواب دے چکا ہوں مگر میرے جوابی خط کی جو ان کے کلینک کے پتے پر ارسال کیا تھا وصولیابی کی تا ہنوز اطلاع نہیں ملی۔ نسیم لون صاحب اور محترم نازکی صاحب کو بھی میرا سلام کہئے گا۔ نسیم صاحب کے احساس کی شدت کا مجھے نہ صرف علم ہے بلکہ اس کا تجربہ بھی ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ ''کونج بچھڑ گئی ڈاروں لبھدی بجاں نوں'' اپنی جگہ ان کے احساس درد کی غمازی کرتا ہے۔ یہ بجائے خود ایک دردناک صورت حال ہے۔ مگر انہیں میری طرف سے بتائیے کہ اصل المیہ (Tragedy) اس وقت شروع ہوتی ہے جب ''ڈار بچھڑ جائے راہواں لبھدی منزل نوں'' دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کی صورت حال سے محفوظ و مامون رکھے۔ ہاشم اور اشرف تک میرا سلام ضرور پہنچا دیجئے گا۔ ہاشم کی اپیل کی طوالت فکرمندی کا باعث ہے۔ اس کے بارے میں قدرے تفصیل سے لکھیں۔ نسیم لون کی معرفت محترم ڈاکٹر باسط ☆ ۴ تک میرا سلام ضرور پہنچا دیجئے گا۔

ایک آخری بات! یہ نہ سوچئے کہ ہمارا کوئی بچن نہیں ہے۔ جو لوگ اہل ایمان ہونے کا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

دعویٰ کرتے ہیں ان کے لئے یہ ساری کائنات اور اس کا خالق ان کی دستگیری کے لئے منتظر رہتے ہیں۔ یہ محض فلسفایا نہ بات نہیں بلکہ اپنے شعور و تجربے کا نچوڑ ہے۔ اس موضوع پر یہاں کچھ زیادہ بیان کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ کاغذ کے ساتھ سیاہی بھی ختم ہو رہی ہے اور خط کا وزن بڑھنے پر خدائی فوجدار اسے بے رنگ قرار دے کر آپ کی جیب پر بھی ہلہ بول دیں گے جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا۔ اس خط کے ساتھ محترم اسلام آبادی کے نام ایک پرچہ ارسال کر رہا ہوں، امید ہے کہ آپ یہ ان تک پہنچا دیں گے۔ دراصل ان کے ایک دیرینہ خط کا جواب ہے جو میں تا ہنوز تحریر نہ کر سکا۔

ہاں میرے سر کے بال سفید ضرورت ہوتے جا رہے ہیں مگر اس کا کیا کروں کہ دل ابھی تک جواں ہے۔ اور اس میں کئیں ارماں زندہ و تابندہ۔ رہا درویشانہ انداز تو یہ بس آپ کا الہام ہی ہے۔ یہاں ان اوصاف کا دعویٰ ہی نہیں حصول تو بہت دور کی چیز ہے۔ بزرگی اور درویشی تو صرف آپ کے لئے وقف ہے۔ البتہ ہم بھی اپنے وقت پر بوڑھے ضرور ہو جائیں گے۔ آپ بس دعا کیجئے کہ جسموں کے بڑھاپے کے ساتھ ہمارے ارمان بوڑھے نہ ہونے پائیں۔ مقامی دوست احباب کے علاوہ آپ کے اہل خانہ کے لئے میرا سلام اور بچوں کے لئے ڈھیر سارا پیار۔

فقط

آپ کی دعاؤں کا متمنی

آپ کا بھائی محمد مقبول بٹ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ یہ لفظ مبہم ہونے کے باعث پڑھا نہ جا سکا ☆۲ واضح تشخص اور الگ پہچان قوموں کی بقاء کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ قوم کی تقسیم اسی وقت عمل میں آتی ہے جب قوم کا تشخص ختم ہو جائے۔ اس لئے مقبول بٹؒ نے قومی تشخص قائم رکھنے پر زور دیا ہے۔ ☆۳ اگرچہ یہ بھی ایک المیہ ہے کہ فرد اپنی جماعت سے بچھڑ جائے لیکن مقبول بٹؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اصل المیہ فرد کا بچھڑنا نہیں بلکہ پوری جماعت یا قوم کا راہ منزل سے بھٹک جانا ہے۔ خدا کشمیری قوم کو اس المیے سے محفوظ رکھے۔ ☆۴ ڈاکٹر باسط پاکستان کے نامور قانون دان ہیں۔ کشمیری النسل ہیں اور آجکل لاہور میں رہائش پذیر ہیں۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

محمد عارف کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/ 8 اکتوبر 1980ء

عزیزم محمد عارف صاحب

السلام علیکم/ آپ کا تعزیت نامہ ملا۔ اہلیہ مرحومہ کی وفات پر آپ نے خلوص محبت سے بھرپور جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ میرے لئے مشکل کی اس گھڑی میں بہت بڑے حوصلے کے باعث بنے ہیں اور اس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ یہ امر اٹل ہے کہ موت سے کسی بھی ذی رُوح کو مفر نہیں۔ پس اس باب میں ایمان کے لئے غم وملال کی کوئی گنجائش نہیں۔ تاہم ذاتی طور پر مجھے اس بات کا دکھ ضرور ہے کہ سفرِ زندگی کے آخری مراحل میں ان حقوق وفرائض کی انجام دہی سے قاصر رہا جن کا زوجین سے تقاضا کیا جا سکتا ہے۔ حالات کے جبر کے سامنے بے بسی کا احساس اس صورت حال میں دوچند ہو جاتا ہے۔ اگر اس احساس کو صدمے کا نام دیا جا سکتا ہے تو میں یقیناً ایک بڑے صدمے سے دوچار ہوا ہوں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ اور دیگر کئی دوستوں کی جانب سے اس موقع پر اظہار محبت وہمدردی کے باعث اس ویرانہ زنداں میں حوصلہ قائم رہا ہے۔ پس میں اس سلسلے میں آپ کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آپ کے اس خیال سے انکار ممکن نہیں کہ بامقصد زندگی گزارنے والوں کے لئے امتحان وآزمائش کے دور سے گزرنا لازمی ہوتا ہے۔ یہ مقاصد جس قدر اعلیٰ وارفع ہیں اسی تناسب سے امتحان وآزمائش کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے دوچار ورسن کے مرحلوں سے گزرنے کے باوجود اہل عزم وایمان کے ماتھے شکن آلودہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حق وباطل کی کشمکش میں آخر کار "ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ☆۱" کی بشارت ایزدی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ پوری ہوا کرتی ہے۔ یہ لوگ اپنی بے سروسامانی اور ظاہری بے بضاعتی کے باوجود اعدائے حق کے وسائل کی فراوانی سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔ اس

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

لئے نہیں کہ شوق سفر میں یہ لوگ ہوش وخرد سے عاری ہو جاتے ہیں بلکہ اس لئے کہ جس جہد وجستجو میں وہ مصروف ہوتے ہیں اس کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ اکثر اس میں ''کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة☆ ۲ '' کا اعجاز اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوا کرتا ہے۔شرط یہ ہے کہ ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے۔پس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر وثابت قدمی کی نعمت سے نوازے تا کہ آزمائش کے جس دور کا ہمیں سامنا ہے اس میں ہمارے قدم ڈگمگانے نہ پائیں اور ہمارا عزم واستقلال قائم رہے۔یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ عزیزم جاوید کے دوستوں میں شامل ہیں۔میری غیر موجودگی میں اپنی والدہ کے انتقال پر اسے جو دکھ اور صدمہ پہنچا ہوگا اس کی شدت کا مجھے بخوبی احساس ہے تاہم یقین ہے کہ آپ جیسے دوستوں کی رفاقت اور دلجوئی اسے یہ صدمہ برداشت کرنے میں ممد ثابت ہوگی۔امید کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں آپ کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوگی۔آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ میرے عزیز اور ساتھی جناب امان اللہ خان صاحب سے اچھی متعارف ہیں۔یہ میرے لئے کسی بڑی خوشخبری سے کم نہیں۔امید کرتا ہوں کہ آپ ان تک میرا خلوص بھرا سلام پہنچا دیں گے۔برسوں پہلے ان کی جانب سے ایک نوازش نامہ موصول ہوا تھا پھر وہ نامہ و پیام کے سلسلے کو قابل فہم شوجوہ کے باعث جاری نہ رکھ سکے۔ان سے وابستہ یادیں دل ودماغ میں اب بھی تازہ ہیں اور حالات کی گردان کی دمک کو ماند نہیں کر سکی۔مجھے خوشی ہوگی اگر آپ خط کے ذریعے میرپور میں میرے دوست احباب تک میری خیریت کی اطلاع کے ساتھ ساتھ ان تک میرا سلام بھی پہنچا دیں۔بفضل ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی فکر یا پریشانی کی ضرورت نہیں۔امید ہے کہ آپ آئندہ بھی خط کے ذریعے یاد کرتے رہیں گے۔

والسلام

آپ کی دعاؤں کا طالب محمد مقبول بٹ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ اور ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو،تم ہی سربلند رہو گے اگر تم سچے مومن ہو۔القرآن

(آل عمران ☆۲ القرآن (سورۃ بقرۃ ۲۴۹)

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اپنے بیٹے جاوید مقبول کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/9 اکتوبر 1980ء

برخوردارم جاوید مقبول بٹ/السلام علیکم

چند روز پیشتر دل کو پاش پاش کرنے والی یہ خبر ملی کہ آپ کی والدہ ماجدہ اور میری اہلیہ اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ ا☆ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس موقعہ پر آپ کو جو دکھ اور صدمہ پہنچا ہوگا اور بالخصوص میری عدم موجودگی میں آپکے احساس درد نے جو شدت اختیار کی ہوگی اس کا اندازہ میرے لئے مشکل نہیں۔ مگر آزمائش کے جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس میں سوائے صبر و شکر کے اور کوئی چارہ نہیں۔ پس یہ میرا فرض ہے کہ آپ کو صبر کی تلقین کروں۔ امید ہے کہ آپ اس المناک صورت حال میں صبر و ثابت قدمی کے ساتھ خود کو قابو میں رکھیں گے اور پیش آمدہ صعوبتوں اور مشکلات کو مردانہ وار برداشت کرتے ہوئے اپنی زندگی میں منفی اثرات کو داخل نہیں ہونے دیں گے۔ یہ بات کبھی فراموش نہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو امتحان و آزمائش سے دوچار کرتا ہے جن میں ان سے عہدہ برا ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ مگر اس صلاحیت کو بروئے کار لانا انسانوں کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حالات کی نامساعدگی کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرتے ہوئے زندگی کے اس مثبت راستے پر اپنا سفر جاری رکھیں گے جس کا آپ نے انتخاب کیا ہے ۲☆۔ ان اللہ مع الصابرین کی بشارت خداوندی آپ کے عزائم کو جواں اور حوصلوں کو بلند رکھنے کی کافی ضمانت ہے۔ اس پر کامل یقین رکھیئے۔ آپ کی والدہ کے انتقال کی خبر کئی روز پیشتر ملی تھی مگر اس سلسلے میں مجھے آپ کی جانب سے تفصیلات کا انتظار تھا۔ پر گزشتہ روز لندن سے ایک دوست کے تعزیتی خط سے معلوم ہوا کہ یہ حادثہ جانکاہ اس وقت پیش آیا جب آپ بسلسلہ تعلیم فیصل آباد میں تھے۔ اس سے دل کو دھکا لگا کہ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

دمِ مرگ نہ صرف میں بلکہ آپ بھی مرحومہ کی قربت سے محروم رہے ہیں۔تاہم مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ بذریعہ خط مجھے اس سلسلے میں پوری معلومات سے باخبر کریں گے۔اور خاص طور پر مرحومہ کی آخری خواہشات (اگر آپ کو معلوم ہوں) سے مجھے ضرور مطلع کریں۔

مجھے یہاں اس بات کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ مرحومہ کی وفات کے بعد اس مختصر سے گھرانے کو سنبھالے رکھنے کی بھاری ذمہ داری اب آپ پر عائد ہوتی ہے جسے میں اپنے پیچھے چھوڑ کر آیا تھا۔اس کو تتر بتر ہونے سے بچانا اور سبھی افراد خانہ کو اتحاد و یگانگت کی لڑی میں پروئے رکھنا آپ کا فرض بنتا ہے۔مجھے امید ہے کہ اس فرض کی ادائیگی میں آپ کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوگی۔فرزند اکبر ہونے کے ناطے مجھے اس سلسلے میں آپ کی جانب سے بڑی توقعات ہیں اور یقین ہے کہ آپ ان کو پورا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑیں گے۔برادرم غلام نبی کی وساطت سے آپ نے جون میں جو خط میرے نام بھیجا تھا وہ کافی تاخیر سے ستمبر کے پہلے ہفتے میں مجھے ملا۔اس کا جواب مظفر آباد کے پتے پر تحریر کر چکا ہوں۔میرے خیال میں اگر اسے وہاں سے Redirect نہ کیا گیا تو آپ کو مل بھی نہ پایا ہوگا۔آپ کے فیصل آباد والے ایڈریس کا ذکر عزیزم ہاشم قریشی نے اپنے تعزیتی خط میں کیا تھا۔جو پچھلے دنوں مجھے یہاں موصول ہوا۔اس لئے یہ خط اسی ایڈریس پر تحریر کر رہا ہوں۔مجھے خوشی ہوگی اگر آپ اپنی تعلیمی مصروفیات کے سلسلے میں مجھے بالتفصیل مطلع کریں اور اس سلسلے میں درپیش مسائل سے مجھے باخبر کریں۔عزیزم شوکت کی جانب سے بھی کافی عرصے سے کوئی خیریت نامہ نہیں ملا۔برادر غلام نبی کے ایک تازہ خط سے معلوم ہوا کہ وہ میٹرک میں کامیاب ہو گئے ہیں اور پشاور سے ایک اور خط کے ذریعے پتہ چلا کہ انہوں نے F.Sc میں داخلہ لیا ہے۔انہوں نے کہاں؟ کس کالج میں، کن مضامین کے ساتھ داخلہ لیا ہے؟ اس کی تفصیلات کا مجھے انتظار رہے گا۔آخر میں ایک بار پھر آپ کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے راضی برضائے ایزدی رہنے کا مشورہ دیتا ہوں۔اس بات کا یقین رکھئے کہ جور و ستم کی ہر کالی رات کے گزرنے پر امید و مسرت کی ایک نئی صبح اپنی تمام تر جلوہ تابانیوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوا کرتی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہے۔اس لئے حزن و ملال کو کبھی بھی دل میں جگہ نہ دیجئے اور اپنے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دیجئے۔دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنی رحمتوں سے نوازتا رہے اور زندگی کے ہر موڑ پر آپ کو کامیابی کی خوشیاں عطا کرے۔میری جانب سے سبھی دوست احباب اور عزیز و اقارب کو درجہ بدرجہ سلام عرض کریں۔گھر کے سبھی بچوں کے لئے بہت بہت پیار۔میری صحت تا حال بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزر رہے ہیں۔میرے بارے میں فکر مندی اور پریشانی کی ضرورت نہیں کیونکہ جو کچھ مقدر بن چکا ہے اس سے مطمئن رہنا عزم و ایمان کی علامت بن چکا ہے۔میرے لئے صرف اپنی دعائیں جاری رکھئے۔

خدا حافظ/ والسلام/ آپ کا ابو/محمد مقبول بٹ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ مقبول بٹؒ شہید کی اہلیہ راجہ بیگم انتہائی صابر و شاکر خاتون تھیں۔خاوند کی تحریکی سرگرمیوں اور قید و بند کی زندگی نے انہیں قدم قدم پر مشکلات اور صدمات سے دوچار کیا لیکن راجہ بیگم نے یہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔وہ ماسٹر مقبول (ایبٹ آباد) کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔اس عظیم خاتون نے ۱۶ ستمبر ۱۹۸۰ء کو ایبٹ آباد میں وفات پائی اور وہیں پیوند خاک ہوئیں۔☆۲ جاوید مقبول بٹ بی ایس سی آنرز ایگریکلچر جامعہ زرعیہ فیصل آباد کے طالب علم تھے۔اسی تعلیمی سفر کو جاری رکھنے کی تلقین کی گئی۔☆۳ ترجمہ'' بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''(القرآن)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اکرم اللہ جسوال کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/15 اکتوبر 1980ء

محترم جسوال صاحب

السلام علیکم

آپ کا تعزیت نامہ ملا۔ اہلیہ کی وفات پر آپ نے خلوص ومحبت سے بھرپور جن ہمدردانہ جذبات کا اظہار کیا ہے ان سے میرے حوصلے کو تقویت پہنچی ہے۔ اس مشکل گھڑی میں آپ نے صبر وتحمل کی تلقین کر کے میرے تئیں جو حق دوستی نبھایا ہے اس کے لئے میں آپ کا احسان مند ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ کائنات کی ہر شے فانی ہے اور زندگی وموت تو بہر حال اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ اس ابدی حقیقت پر یقین اور اس سلسلے میں حزن وملال سے بے نیازی ہمیشہ سے اہل حق کا شعار رہا ہے۔ تاہم زندگی میں کسی بھی رفیق سفر کی موت سے باہمی رشتوں میں جو انقطاع پیدا ہو جاتا ہے اس سے جذبات کو ٹھیس اور دل کو صدمہ ضرور پہنچتا ہے۔ یہ تو عمومی حالات کی بات ہے پر جس مخصوص صورت حال سے مجھے ذاتی طور پر سامنا ہے اس میں اس صدمے کی گہرائی کا دوچند ہونا ایک فطری امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جیسے دوستوں اور بہی خواہوں کی جانب سے اظہار رفاقت سے میں اس صدمے کو برداشت کر سکا ہوں۔

آپ کے نامہ محبت سے جو مجموعی تاثر ابھرتا ہے اسے نرم ترین الفاظ میں Desperate ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ Desperation ایک ایسی نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جو مخصوص مخصوص حالات میں انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پیدا ہوا کرتی ہے۔ تنگ دامنی کے باعث اس خط میں ان کی تفصیل درج کرنا ممکن نہیں۔ تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ انسانی تجربے کی روشنی میں عزائم کی تکمیل میں مسلسل رکاوٹوں کے باعث اس کیفیت کا پیدا ہونا عام حالات میں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

فطری ہے۔من حیث القوم ہمیں جن حالات کا سامنا رہا ہے اس میں اس کیفیت کی جوازیت بحث طلب ہوسکتی ہے مگر اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ اگر مقاصد اعلیٰ و ارفع ہوں اور بنا بریں مستقبل کی تعمیر وتزئین کا ایک واضح اور قابل عمل خاکہ (Blueprint) موجود ہوتو ہر نقش کہن کو مٹانے اور بوسیدہ سٹرکچر (Structure) کو زمین بوس کرنے کا عمل بجائے خود تعمیر نو کا ایک لازمی جز بن جاتا ہے۔شکست وریخت کا یہ جذبہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے تعمیری ہوتا ہے۔ خواہ مدعیاں اسٹیبلشمنٹ Establishtmen اسے بار بار تخریب کے نام سے ہی کیوں نہ پکاریں۔آپ کے خط کے بین السطور اس مثبت جذبے کو پڑھنے کی میری کوشش سے یقیناً آپ کو اتفاق ہو گا۔جو Desperation یوں Chanalise ہوا اس کو غیر مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔یہ انسانوں کی دربدری کا نہیں بلکہ ان کو مجتمع کرنے اور ظلم وجبر کی قوتوں کے مقابلے میں فتح وکامرانی سے ہم کنار کرنے کا باعث بنتی ہے۔

آپ نے گردوپیش کے جن حالات کا تذکرہ کیا ہے۔انہیں جنگ زرگری کی بدترین مثال ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔اس اکھاڑے میں شامل سبھی نہ صرف مال غنیمت کی ہوس میں مبتلا ہیں بلکہ کشور کشائی کے مذموم مقاصد کو نظریات اور اقدار کی پیروی (Service) کے دبیز پردوں میں چھپانے کی ناکام کوششوں میں بھی مصروف ہیں۔ان کی اس کج ذہنی پر صرف ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔قتل وغارت،خون ریزی اور سب سے بڑھ کر پسندیدہ انسانی قدر کی پامالی کی اس صورت حال سے بقول آپ کے نجات کا ایک ہی راستہ ہے کہ انسان کے اندر کا انسان بیدار ہوجائے۔یہ کب اور کیونکر ممکن ہو گا۔اس سوال کا جواب وقت ہی فراہم کرسکتا ہے۔انسانوں کا Contribution اس سلسلے میں صرف اس قدر رہتا ہے کہ وہ اپنا اپنا تاریخی کردار انجام دیتے ہیں اور یہی ان کی تسلی اور اطمینان کا باعث ہوتا ہے۔دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا تاریخی کردار انجام دینے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائیں۔آمین

طوالت سے بچنے کے لئے میں اب اس موضوع کو ختم کرتا ہوں۔اگرچہ آپ کے بیان

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کردہ کئی نکات پر اظہار رائے کو جی چاہتا ہے۔یا رزندہ صحبت باقی آپ کا یہ خیال درست ہے کہ قبل ازیں آپ نے جو''طویل خط''تحریر کیا تھا وہ مجھے نہیں مل پایا۔تاہم آپ کے اس نارسیدہ خط میں آپ نے جن خیالات وجذبات کا اظہار کیا ہوگا ان کا اندازہ لگانا میرے لئے مشکل نہیں۔پچھلے کچھ عرصے سے برادرڈاکٹر صاحب کے تین چار خط مل چکے ہیں جن کے جواب باقاعدہ لکھ چکا ہوں۔مگر معلوم ہوتا ہے کہ خیریت کے یہ اطلاع نامے ان تک نہیں پہنچ پائے ہیں۔اس کا انہوں نے اپنے حال کے تعزیتی خط میں شکوہ بھی کیا ہے مگر اس سلسلے میں سوائے اظہار معذرت کے میں اور کیا کرسکتا ہوں۔ان تک اور دیگر سبھی دوست احباب تک میرا پر خلوص سلام ضرور پہنچائے گا۔آپ اور دیگر رفقاء سے وابستہ خوشگوار یادیں ہی مجھے احساس تنہائی کے ان مضر اثرات سے بچائے رکھتی ہیں جن کا اسیری کے اس عالم میں پیدا ہونا بعید از امکان نہیں۔سو امید کرتا ہوں کہ آپ اپنی دعاؤں میں مجھے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔میری صحت بفضل ایزدی ٹھیک ہے اور باقی معاملات جوں کے توں ہیں۔مزید کوئی خاص قابل ذکر بات نہیں۔محترم محمد زمان عباسی مرحوم ☆ کے انتقال پر ملال پر میری جانب سے ان کے پسماندگان سے ضرور اظہار تعزیت کیجئے گا۔امید ہے کہ آپ گاہے گاہے یاد کرتے رہیں گے۔

والسلام/فقط آپ کا مخلص/ مقبول احمد بٹ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆محمد زمان عباسی گڑھی ڈوپٹہ مظفرآباد کے رہنے والے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

محمد عارف کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/ 3دسمبر 1980ء

عزیزم محمد عارف/ السلام علیکم

نومبر کی 24 تاریخ کو آپ نے جو خط حوالہ ڈاک کیا تھا وہ مجھے چند روز پیشتر ملا۔ یاد آوری کے لئے بہت بہت شکریہ۔ آپ کا یہ اندازہ صحیح ہے کہ اس سے قبل آپ نے جو خط روانہ کیا تھا وہ مجھ تک پہنچ نہ پایا۔ کیوں؟ اس سوال کا جواب قابل فہم ہونے کے باوجود تحریر کرنا بے کار ہے۔ اس لئے کہ بقول کسی کے What cannot be cured must be endured ☆ا۔ظاہر ہے مجبوری کے اس عالم میں ہم ان لوگوں کا کیا بگاڑ سکتے ہیں جو انسانوں کے درمیان ربط و تعلق کے معصوم رشتوں میں بھی رکاوٹیں کھڑی کر کے اپنے ذوق حاکمیت کی تشفی کا ساماں بہم کرتے ہیں۔ بہر حال آپ کی اور آپ کی وساطت سے دیگر دوست احباب کی خیریت کی اطلاع پا کر دل کو تشفی ہوئی۔ امید کرتا ہوں کہ آپ آئندہ بھی اس سلسلے کو جاری رکھیں گے۔ خلوص و محبت سے بھرپور جن جذبات کا آپ نے اظہار کیا ہے وہ میرے لئے ایک متاع بے بہا سے کم نہیں۔ حق تو یہ ہے کہ دلوں کے جو رشتے ایسے جذبات سے مزین ہوں دنیا کی کوئی طاقت ان کو مٹانے میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جسم و جان پر ہزاروں قدغنوں کے باوجود یہ رشتے نہ صرف عالم فرقت میں بھی دلوں کو ایکساتھ دھڑکنے پر مجبور کرتے ہیں بلکہ ظلم و جفا کی علمبردار قوتوں کی تاریک یلغاروں میں بھی اہل عزم و ایمان کے دلوں میں امید و اطمینان کی لازوال شمعیں روشن کرتے ہیں۔ جہاں ایسے رشتے قائم ہوں وہاں انسانوں کی پیدا کردہ رکاوٹیں اور بندشیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ پس جو لوگ جسموں کو دار و رسن کی آزمائشوں سے دوچار کر کے نظریات کی آغوش میں پلنے والے ان رشتوں کو بزعم خویش فنا کرنے کی مساعی میں مصروف رہتے ہیں ان کی کج فہمی پر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سوائے ماتم کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔جن امور کے بارے میں آپ نے دریافت کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔جیل میں مطالعہ کے لئے موقع ضرور ملتا ہے اور اس سلسلے میں اصولاً پابندی بھی نہیں۔مگر ریڈنگ میٹریل (پڑھنے کیلئے مواد)صرف جیل کی لائبریری سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔اس لائبریری سے گزشتہ برسوں کے دوران سوائے چند مستثنیات کے جو کتب فراہم ہوسکی ہیں وہ صرف ایسے CRIME FICTION (جرائم کی کہانیاں) تک محدود تھیں جسے مغرب میں trash (بے کار) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔پھر چونکہ مجھے لائبریری تک ذاتی طور پر رسائی حاصل نہیں اس لئے میرے تحویلدار Wardens جو کچھ بھی انہیں انگریزی میں ملتا ہے مجھے لاکر دیتے ہیں اور وقت گزاری کے لئے میں اسے تو عاً و کرہاً پڑھ ہی لیتا ہوں۔ہندی مجھے آتی نہیں اور انگریزی یا اردو سے میرے یہ تحویلدار نابلد ہیں۔پس انتخاب کتب میں ''زبان یار من ترکی و من ترکی نمید انم'' ☆۲ والی بات ہوکر رہ جاتی ہے۔البتہ یہ ضرور ہے کہ دلی ہائیکورٹ کا دروازہ ایک رٹ درخواست کے ذریعے کھٹکھٹانے کے بعد مجھے گزشتہ جنوری سے انگریزی کا ایک روزانہ اخبار پڑھنے کو مل جاتا ہے۔جبکہ اس قبل اس Luxury سے مجھ کو محروم رکھا گیا تھا۔خط و کتابت پر بھی اصولاً کوئی پابندی نہیں مگر سنسر کے طویل اور پیچیدہ مرحلوں سے گذرنا اس کا مقدر ہے اور بعض اوقات یہ مرحلے جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم ثابت نہیں ہوتے۔جب تک Misa (ایک ہندوستانی قانون) ہندوستان میں نافذ رہا میری ملاقات بند تھی۔پھر دلی انتظامیہ کی اجازت سے ہونے لگی مگر گذشتہ برس ہائیکوٹ نے اس شرط کو ختم کردیا۔اب ملاقات عام قیدیوں کی طرح ہوتی ہے اور سال بھر میں میرے برادر اصغر محترم غلام نبی بٹ صاحب کشمیر سے دو تین بار برائے ملاقات یہاں ضرور آتے ہیں۔گزشتہ فروری میں برطانیہ میں رہائش پذیر میرے ایک دوست بھی جو مقامات مقدسہ کی زیارت کے سلسلے میں یہاں آئے تھے مجھ سے ملاقات کر گئے تھے۔☆۳۔میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے اور باقی سبھی حالات جوں کے توں ہیں۔بہر حال آپ جیسے دوست احباب کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے سہارے ایام اسیری صبر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

وشکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ آپ کی دعائیں شامل رہیں تو امتحان و آزمائش کے اس مرحلے میں بھی حق تعالیٰ سے سرخروئی کی امید ہے۔ امید کرتا ہوں کہ میرے سبھی دوست احباب تک میری خیریت کی اطلاع اور سلام پہنچا دیں گے۔

والسلام/مخلص/محمد مقبول بٹ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ جس بیماری کا علاج ممکن نہ ہو اسے برداشت کرنا چاہئے۔ ☆۲ میرے دوست کی زبان ترکی ہے اور مجھے ترکی نہیں آتی۔ ☆۳ ملک غلام سرور بٹؒ صاحب سے ملنے برطانیہ سے دلی آئے تھے۔ ان کی بٹ صاحب سے تہاڑ جیل میں ملاقات 18 جنوری 1980ء کو ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ارشد محمود انصاری کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/12 دسمبر 1980ء

عزیز ارشد محمود انصاری صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط گذشتہ مہینے کے آخری ہفتے میں ملا تھا۔ جواب لکھنے میں بوجوہ تاخیر ہوئی جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ تاہم یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ خیریت سے ہیں۔ اللہ کرے کہ آپ کے حوصلے بلند اور عزائم جواں رہیں۔ یہاں اس حقیقت کے اعادے کی ضرورت نہیں کہ زندگی سے مایوس ہونا اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔ یہ تو پرلے درجہ کی بزدلی کی علامت ہے۔ جو لوگ نظریات اور مقاصد کے لئے زندگی کو وقف کرتے ہیں ان کے یہاں یاس و نا امیدی کا گذر نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان کی زندگی سراپا جستجو اور جد و جہد ہو کر رہ جاتی ہے۔ انہیں یہ غم نہیں ستا سکتا کہ منزل ملتی ہے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

یا نہیں۔انہیں تو خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ منزل کی جستجو میں ان کا کارواں رواں دواں ہے اور اسی کارواں کو رواں دواں رکھنے کے لئے وہ ستون دار کو چومنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

اہل ایمان کے نزدیک زندگی اور اس کی کاوشوں کا مفہوم ہی یکسر الگ ہوتا ہے۔وہ اسے امروز فردا کے پیمانے سے نہیں ناپا کرتے۔اس لئے حالات کی نا مساعدگی اور انسانوں کی failings (ناکامیاں) ان کی زندگی میں حسرت و نومیدی کا زہر گھول نہیں سکتی۔ان کے یہاں زندگی ایک مسلسل عمل کا روپ اختیار کرتی ہے جو کہ پیہم رواں اور ہر دم جواں ہوتا ہے۔اور یوں وہ انسانی تاریخ کی تزئین و آرائش کا سامان بہم کرتے ہیں۔یقیناً خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو انسانوں کے اس قافلے میں شمولیت کی سعادت حاصل کرسکیں۔پس ان کے لئے حزن و ملال کی گنجائش ہی کہاں۔دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی تمام تر بے بضاعتی اور کمزوریوں کے باوصف اپنی اپنی بساط کے مطابق اہل ایمان کے اس گروہ میں شمولیت کی توفیق عطا فرمائیں۔آپ نے عزیزم عظیم دت، طاہر نعیم انصاری اور میر خالد محمود کی آزاد کشمیر میں گرفتاری کا ذکر کیا ہے ☆1۔طلباء اور نوجوانوں کی جائز سیاسی سرگرمیوں کو روکنے کے لئے قید و بند کا سہارا لینا کسی بھی مہذب حکومت کو زیب نہیں دیتا اور ہر انسانیت دوست اس پر احتجاج کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔تاہم مجھے امید ہے اور یقین بھی کہ آزمائش کے مرحلوں (جن میں قید و بند کے مرحلے بھی شامل ہیں) سے گزر کر ہی ہماری نوجوان پود ان مقاصد اور اقدار کی صحیح معنوں میں آبیاری (Service) کر پائے گی جنہیں ہم سبھی من حیث القوم پسندیدہ سمجھتے ہیں اور جن کا حصول ہماری جد وجہد کی منزل ہے۔آزمائش کے یہ مرحلے ہی جد وجہد کی رفتار میں مہمیز کا کام دیتے ہیں۔بفضل ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔باقی حالات جوں کے توں ہیں۔مجھے خوشی ہوگی اگر آپ میرے سبھی دوست احباب تک میری خیریت کی اطلاع کے ساتھ ساتھ ان تک میرا پر خلوص سلام بھی پہنچا دیں۔آپ اور آپ کے دوستوں کے لئے مکرر سلام۔

فقط/آپ کی دعاؤں کی طالب/محمد مقبول بٹ

☆1 این ایس ایف کے یہ طلباء راولاکوٹ میں ایک کنونشن کا انعقاد کررہے تھے۔حیات خان انتظامیہ نے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کررکھی تھی۔چنانچہ ان طلباء کو گرفتار کرلیا گیا۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

محمد عارف کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/ 16 جنوری 1981ء

عزیزم محمد عارف سلمہ/ السلام علیکم

آپ نے 21 دسمبر کو جو خط تحریر کیا تھا وہ گزشتہ ہفتے مجھے یہاں مل گیا۔ جوابی خط لکھنے میں جو دیر ہوئی اس لئے اس ضمن میں معذرت خواہ ہوں۔ قید خانے کی اس زندگی میں بعض اوقات ایک عدد ائیر وگرام بھی جوئے شیر لانے سے کچھ کم ثابت نہیں ہوتا۔ پس امید کرتا ہوں کہ آپ اس تاخیر پر آزردہ نہیں ہوں گے۔ میں خود کو اس توصیف کا مستحق تصور نہیں کرتا جس کا اظہار آپ نے کیا ہے۔ انسانوں کی تاریخ میں عزائم کی بلندی اور ایمان کی پختگی کی ایسی عظیم اور لازوال مثالیں موجود ہیں جو رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے منارہ نور ثابت ہوتی رہیں گی۔ یہ انہی ممتاز و اعلیٰ قدروں کا کرشمہ تھا جس نے اسمٰعیلؑ کو آداب فرزندی سکھائے اور یہی وہ مایہ حیات تھا جس کے طفیل عیسیٰ علیہ السلام نے بخوبی وقت کے حاکموں کی صلیب کو چوم لیا تھا اور طائف کے بازار میں لہولہان ہونے باوجود حضور پرنور ﷺ کے ماتھے پر حزن و ملال کی شکنیں نہ آنے پائی تھیں۔ یہ تو خیر بہت ہی عظیم اور لامثال ہستیاں تھیں۔ تاہم تاریخ عالم میں ان سے کم تر درجے کی اور بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں جہاں انسانوں نے مقاصد زندگی کی حصولیابی کیلئے وقت کی مقتدر قوتوں سے نبرد آزمائی کے دوران زندگی کا نذرانہ تک پیش کیا ہے۔ ہم لوگ ان عظیم ہستیوں کی ہمسری کا دعویٰ تو نہیں کر سکتے تاہم اپنی تمام تر کمزوریوں اور بے بضاعتی کے باوجود ان کے نقش پا پر گامزن ہونے کی مقدور بھر کوشش ضرور کر سکتے ہیں۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان صاحبان عزم و ایمان کے تتبع کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ان مقاصد کی آبیاری ہو سکے جن کے لئے ہم اپنی زندگی کو وقف کر چکے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ہم خدائے بزرگ و برتر سے اور مانگ ہی کیا سکتے ہیں۔ رہا سوال حالات کی نامساعدگی اور پیش آمدہ مصائب و مشکلات کا تو اس ضمن میں یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ سب کچھ اس راہ عمل کی ملزومات میں شامل ہیں جو اہل ایمان نے تاریخ کے ہر دور میں اپنے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

لئے مختص کی ہیں۔ مقاصد جس قدر عظیم اور حصول مقاصد کے لئے لگن جس قدر گہری ہو اسی تناسب سے مصائب کا احساس آساں ہوتا جاتا ہے۔ جو لوگ عزم و ایمان کو زندگی کا شعار بناتے ہیں انہیں یقین ہوتا ہے کہ کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة ☆۱ کی حقیقت ان کی کامیابی کی سب سے بڑھی اور روشن دلیل بن کر سامنے آجاتی ہے۔ وہ قدرت کے انصاف سے کبھی بھی مایوس نہیں ہوتے۔ یہ جان کر خوش ہوئی کہ آپ نے میری خیریت کا پیغام اور میرا پر خلوص سلام برادرم امان اللہ خان تک پہنچایا۔ ان کی خیریت کی اطلاع سے دل کو سکون حاصل ہوا۔ امید ہے کہ آپ ان تک اور دیگر سبھی دوستوں تک میری خیریت کی اطلاع کیساتھ ساتھ میرا پر خلوص سلام پہنچا دیں گے۔ ان سبھی دوست احباب کے لئے میری نیک خواہشات وقف ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ بھی اپنی دعاؤں میں مجھے یاد کرتے ہوں گے۔ آپ نے عزیزم غلام نبی کے ساتھ اپنے سلسلہ مراسلت کا ذکر کیا ہے۔ میری جانب سے ان کو اور ان کے دیگر دوست و احباب کو سلام پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ اتنی دور اور اس عالم میں ان کے لئے سوائے دعا کے اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔ ان کے بارے میں میری معلومات مختصر ہیں تاہم اندریں حالات اس سے بڑھ کر جاننے کی ضرورت بھی نہیں۔

میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ باقی سبھی حالات جوں کے توں ہیں۔ یہ مختصر سا خط ان حالات و کوائف کے بیان کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ میرے لئے ذاتی طور پر بس آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

والسلام/خدا حافظ/مخلص/محمد مقبول بٹ

نوٹ:۔ نیا سال شروع ہو چکا ہے اللہ کرے یہ سال آپ اور آپ کے دیگر متعلقین کے لئے خیر و برکت کی بھرپور نعمتیں اپنے جلو میں لائے۔ آمین ثم آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر (القرآن)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ارشد محمود انصاری کے نام

بسم اللہ الرحمان الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/ 3فروری 1981ء

عزیزم ارشد محمود

السلام علیکم

آپ کا خط گزشتہ ماہ کے آخری ہفتے میں ملا تھا۔ جواب میں تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ قید و بند کی زندگی میں انسان خواہش کے باوجود اپنی ہر منشا کو پورا نہیں کر سکتا، پس وقت پر جواب نہ لکھنے کو میری دانستہ غفلت پر محمول نہ کیجئے گا۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ بندشوں کا ذکر چھیڑ کر اپنی صفائی پیش کروں کیونکہ ایسی صورت میں یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ میں آپ کو اپنی مشکلات میں شریک ہونے میں دعوت دے رہا ہوں۔ اپنے لئے تو بقول غالب احساس درد کو مٹانے کا بہترین طریقہ رنج سے خوگر ہونا ہے۔ مگر اس کے اظہار سے دوستوں کو رنجیدہ کرنا میرے نزدیک مناسب نہیں۔ اتنا ہی کیا کم ہے کہ فرقت اور بے بسی کے اس عالم میں بھی لوگ وفا و اخوت کے رشتوں کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح امیدوں کے اس چمن کی برابر آبیاری کئے جا رہے ہیں جسے بجا طور پر ہم اپنی مشترک میراث سمجھتے ہیں۔ اس سے انکار ممکن نہیں کہ انسان اپنے گرد و پیش سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا مگر جن لوگوں کے مقاصد بلند، تمنائیں عظیم ہوتی ہیں وہ انتہائی نامساعد حالات میں بھی فکر و عمل کو منفی اثرات سے دور رکھتے ہوئے زندگی میں پیش آمدہ تجربات میں مثبت پہلو کی تلاش کو اپنا شعار بناتے ہیں۔ مصائب و مشکلات کے سامنے گھٹنے ٹیک دینا اور یاس و ناامیدی کی کیفیت کو قلب و ذہن پر سوار ہونے کی اجازت دینا اہل ایمان اور صاحبان عزم کے نزدیک بدترین گناہ ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کے الـمـنـاکـیـن میں سے شامل ہونے سے بچائے رکھے اور امید و عزم کی بھرپور مسرتوں سے نوازتا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

رہے ۔آمین ثم آمین۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے میر پور میں میرے سبھی دوستوں اور رفیقوں تک میری خیریت کی اطلاع پہنچادی ہے۔ان سب تک میرا جوابی سلام پہنچادیجئے گا۔ خصوصاً محترم انصاری صاحب (عبدالخالق انصاری صاحب) صوفی صاحب (صوفی زمان)جی ایم میر صاحب ،بشیر تبسم صاحب، برادرم صابر صاحب، اورعزیزم اشفاق انصاری صاحب کومیری طرف سے خلوص ومحبت سے بھرپورسلام بھیجئے گا۔ان سب اوردیگر رفیقوں کیلئے میری دعائیں اور نیک تمنائیں ہمیشہ وقف رہیں گی۔آپ نے محترم امان اللہ صاحب کی مکہ شریف میں مجوزہ آمد کا ذکر کیا ہے اگر ان سے آپ کی ملاقات ہوئی ہوتو ان کی خیر خیریت کی اطلاع جوابی خط میں ضرور دیجئے گا اور ان کی مصروفیات کا اگر ممکن ہومختصراً ذکر بھی کیجئے گا۔بفضل ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری بہ صبر وشکر گزر رہے ہیں۔باقی معاملات جوں کےتوں ہیں۔آپ کیلئے اوران تمام نوجوانوں ساتھیوں کیلئے جن کا ذکرآپ نے خط میں کیا ہےمیری طرف سے سلام۔اللہ تعالیٰ ان نوجوانوں کواپنے نیک مقاصد میں کامیابی عطافرمائیں۔اتنی دوران کیلئے سوائے دعا کے اورکیاپیش کرسکتاہوں۔

والسلام/آپ کی دعاؤں کاطالب / محمد مقبول بٹ

****

☆ ۱ امیدوں کے چمن سے مراد ایک خوشحال اور خودمختار کشمیر ہے۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اکرام اللہ جسوال کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/ 27فروری 1981ء

محترم جسوال صاحب

السلام علیکم

وہ خط جو آپ نے 11 فروری کو بک پوسٹ کیا تھا ملا۔ اس سے قبل جو خط میری اہلیہ مرحومہ کی وفات پر بسلسلہ تعزیت آپ نے بھیجا تھا وہ بھی ملا تھا اور اس کا جواب بھی انہی دنوں تحریر کیا تھا جو غالباً آپ کو مل گیا ہوگا۔ غالباً کا لفظ اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ اس کی وصولیابی کی اطلاع آپ کے اس خط میں درج نہیں۔ اگر اس دوران آپ نے کوئی دوسرا خط لکھا ہے تو یقیناً "خدائی فوجداروں" ☆۱ کی دست بُرد کا شکار ہو گیا ہے۔ قید و بند کے اس عالم میں ربط و تعلق کے اس معصوم رشتے میں اگر کوئی رکاوٹیں کھڑی کرنا ہی اپنا شعار بنا ئے تو اس کی کج فہمی پر سوائے ماتم کے اور کیا ہی کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال اپنے لئے یہ احساس ہی کافی ہے کہ جبری فرقت کے اس دور میں بھی ہماری یادوں کے اثاثے کوئی ہم سے چھین نہیں سکا ہے اور حالات کی نامساعدگی ان کی تازگی کو کم نہیں کر سکی ہے۔ یقین کیجئے آپ کے ہر خط سے ان یادوں کی تازگی دوچند ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر میں آپ کی یاد آوری پر شکریہ ادا کروں تو اسے محض ایک رسم کی ادائیگی نہ سمجھئے گا۔ "یہ دنیا بہر حال جہنم ہے" ☆۲ اس خیال سے اتفاق ممکن نہیں۔ اپنی ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے یہ دنیا محض چند عناصر طبیعی کا ایک مجموعہ ہے۔ یقیناً اس دنیا میں ایسے وسائل کی کمی نہیں جو انسانیت کی فلاح اور معاشرت کی تزئین و آرائش کا باعث ہو سکتے ہیں۔ یہ وسائل نہ ہوتے تو انسان ستاروں پر کمند ڈالنے کا سوچ بھی نہ سکتا۔ اس کے باوجود یہ بھی برحق ہے کہ اسی دنیا میں ایسے دور آتے ہیں جب زندگی عذاب بن جاتی ہے اور انسانیت چلتی پھرتی لاشوں کا ایک غول ہو کر رہ جاتی ہے۔ مگر اس میں قصور کس کا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہے؟جب انسان خود ہی مقدروں کی خدائی کا دعویٰ کر بیٹھے اور پسندیدہ اصول واخلاق کے علی الرغم اپنی ہی حس کو پابند سلاسل کرنے کی ٹھان لے تو سوائے محکومی اور پستی کے انسانوں کے حصے میں اور آ ہی کیا سکتا ہے۔افغانستان ہو یا کشمیر یا دنیا کا کوئی اور خطہ جہاں بھی یہ کیفیت ہوگی وہاں درد و کرب ہی انسانوں کا مقدر بن جائے گا۔با ایں ہمہ یہ اٹل حقیقت بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ ☆۳ Thesis کا ایک ☆۴ Anti-Thesis اور ہر ☆۵ Climax کا ایک ☆۶ Anti-Climax بھی پیدا ہو جاتا ہے اور فلسفے کی زبان میں یوں ایک جدلیاتی عمل ہمیشہ رواں رہتا ہے۔تاریخ عالم گواہ ہے کہ ظلم وعدوان کے کسی بھی دور کو اس کے علمبرداروں کی فراوانی وسائل کے باوجود ثبات حاصل نہیں ہو سکا۔اس لئے کہ صنم کدہء جہاں نے ہر دور میں اپنے ابراہیمؑ کو تلاش کیا ہے اور اسے پا لیا ہے۔یہ ممکن نہیں کہ دہشت صلیب کے باعث انجیل آگہی کے اوراق کھلنے نہ پائیں اور انسانیت اس کی ضیاء پاشیوں سے محروم رہے۔

آپ نے میرے کیس کی تفصیل اور حقیقت دریافت کی ہے۔ان دونوں کا بیان اس مختصر خط میں ناممکن ہے۔اجمالاً یوں ہے کہ میری سزائے موت کی توثیق کشمیر ہائی کورٹ نے اکتوبر 1975 میں میری عدم حاضری اور عدم پیروی کے دوران کر دی تھی اور جب 1976ء میں میں نے سپریم کورٹ میں سپیشل لیو برائے اپیل کی عرض دائر کر دی تو اسے زائد المیعاد ہونے کے باعث خارج کر دیا گیا۔پھر میری ☆۷ Mercy petition حسب قاعدہ ریاستی گورنر کے پاس بھیج دی گئی مگر اس کے مندرجات ان کی طبع نازک پر گراں گزرے اور وہ اسے مسترد کر بیٹھے۔اب یہی پیٹشن صدر ہند کے پاس مئی 1977ء سے زیر غور ہے اور تا ہنوز اس پر کوئی فیصلہ صادر نہیں ہوا ہے۔ویسے یہاں کی سپریم کورٹ نے اپنی ☆۸ Rulings میں یہ قرار دیا ہے کہ سزائے موت کی توثیق وتکمیل صرف ☆۹ Exceptional حالات میں کی جانی چاہیے اور قتل کے مقدمات میں صرف عمر قید کی سزا کو Rule تصور کیا جائے۔ان رولنگس کی روشنی میں ☆۱۰ s Condemned Prisoner کی رٹ درخواست پر سپریم کورٹ نے ان کی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سزائے موت عمر قید میں بدل دی ہے۔عدالتی چارہ جوئی کے اس طریقہ کار پر زر کثیر خرچ کرنا پڑتا ہے اور فی الحال میرے بس سے باہر ہے۔اس لئے صدر ہند کی حس انصاف پر تکیہ کئے ہوئے اسیری کے ایام گزار رہا ہوں۔عزیزان ریاض احمد اور عبدالحمید دونوں سرینگر میں ہیں۔سنا ہے کہ وہاں پر بشمول میرے ان کے خلاف ایک عدد کیس کسی سپیشل جج کی عدالت میں زیر سماعت ہے۔اس کیس میں ☆۱۱ Chief Accused ہونے کے باوجود سرکاری طور پر تا حال نہ تو مجھے اس کی کوئی اطلاع دی گئی ہے اور نہ ہی ٹرائل کورٹ میں مجھے تا ہنوز پیش کیا گیا ہے۔یہ کیس میری ☆۱۲ Absentia میں چل رہا ہے جبکہ میں سرکار کی تحویل میں ہوں۔مزید تبصرے کی ضرورت نہیں۔بفضل ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور آپ جیسے دوستوں کی دعاؤں کے سہارے وقت بخیریت گزار رہا ہے۔امید ہے کہ آپ اور دیگر سبھی احباب خیریت سے ہوں گے۔گزشتہ اکتوبر میں برادرم ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر فاروق حیدر) کا ایک خط ملا تھا اس کے بعد ان کی جانب سے خاموشی رہی۔نہ معلوم میرا جوابی خط انہیں ملا بھی کہ نہیں۔بہر حال آپ کی وساطت سے راولپنڈی اور دیگر مقامات پر سکونت پذیر سبھی دوست و احباب کو میری جانب سے خلوص و محبت سے بھرپور سلام۔ فقط

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد مقبول بٹ

نوٹ: ایک عرصہ ہوا کہ محترم علوی صاحب اور جی ایم میر صاحب کی خیریت کی اطلاع نہ مل پائی۔اگر ممکن ہو تو ان کے احوال سے مجھے ضرور مطلع کریں۔

****

☆۱''خدائی فوجدار''یعنی خفیہ ایجنسی کے لوگ ☆۲ جسوال صاحب نے اپنے خط میں دنیا کو جہنم لکھا تھا۔☆۳ وہ قیدی جنہیں سزائے موت سنائی گئی ہو☆بزالطرم☆غیر موجودگی۔ ☆۴دعوئی مقدمہ☆۵عروج☆۶رحم کی اپیل☆۷فیصلے ☆۸غیر معمولی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

غلام سرور کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/ 27فروری 1981ء

برادر غلام سرور صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط ملا، یاد آوری کا شکریہ۔ آپ سے ملاقات کے بعد میں خود بھی آپ کو یاد کرنے کے لئے کئی بار سوچتا رہا مگر میرے پاس آپ کا پتہ نہیں تھا۔ برادرم اصغر صاحب نے بھی کوٹلی سے ایک خط تحریر کیا تھا۔ میرے جوابی خط کے بعد وہ اس سلسلے کو جاری نہ رکھ سکے۔ یوں یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ بہر حال اب جبکہ یہ رشتہ شروع ہو چکا ہے مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ بھی وقتاً فوقتاً یاد کرتے رہیں گے۔ بھلا دوستوں کے مابین مراسلت میں احساس کمتری کی گنجائش ہی کہاں ہوتی ہے۔ اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ جو لوگ توکل باللہ کو زادِ راہ بنا کر کارزار زندگی میں حق کی علمبرداری کو اپنا شعار بناتے ہیں وہ صبر آزما امتحانوں سے گزرنے کے باوجود اپنے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دیتے۔ وسائل کی کمی اور حالات کی نامساعدگی کے باوجود ان کے عزائم جواں رہتے ہیں اور یقین کے ساتھ کہ کم من فئة قليلة غلبة فئة كثيرة ۱☆ وہ اپنی مخصوص راہ عمل پر گامزن رہتے ہیں۔ پھر اس بشارت ایزدی کے ہوتے ہوئے کہ ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين ۲☆ دنیا کی کونسی طاقت ہے جو انہیں مال کار کامیابی اور سرخروئی سے روک سکتی ہے۔ پس یہ غلط ہے کہ اس گلشن ہستی میں تنگی داماں کا کوئی علاج نہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ انسان خود ہی چند کلیوں پر قناعت نہ کر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں کا سلسلہ ایک بحر بیکراں ہے۔ انسان جہد و ایمان پر قائم رہے تو بڑے سے بڑا اعجاز بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ اس یقین کے ہوتے ہوئے ہمارے لئے یاس و نا امیدی کا کوئی مقام نہیں اور نہ ہی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

آزردہ خاطر ہونے کی ضرورت ہے۔

آپ نے جس خلوص ومحبت کا اظہار کیا ہے اس کے لئے شکریہ۔حق تو یہ ہے کہ خلوص و محبت کے ان باہمی رشتوں کی استواری ہی ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہے اور اسی سرمائے کی بدولت آزمائش کی یہ گھڑیاں اپنی تمام تر مشکلات کے باوصف آسان ہوتی جارہی ہیں۔ان رشتوں کو جس قدر مضبوط اور پائیدار بنایا جائے راہ سفر کی صعوبتیں اتنی ہی کم ہوتی جائیں گی۔پس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس ضمن میں زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ توقعات پوری ہوسکیں جن کو ہم سبھی حضرجان بنائے بیٹھے ہیں۔یاد رکھیں دلوں کی گہرائیوں سے اٹھنے والی پُرخلوص دعائیں بارگاہ خداوندی میں ضرور مستجاب ہوتی ہیں۔آخر اس ذات باری سے بڑھ کر دلوں کا حال جاننے والا اور کون ہوسکتا ہے۔میری اہلیہ مرحومہ کی وفات پر آپ نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ میرے حوصلوں کی تقویت کا باعث بنے ہیں۔کل نفس ذائقۃ الموت ☆۳ انسان فانی ہے اور موت سے کسی کو مفر نہیں۔بہرحال مجھے اس سلسلے میں دکھ صرف اس بات کا ہے کہ سفر زندگی کے آخری مراحل میں مرحومہ کے تئیں وہ ذمہ داریاں پوری نہ کرسکا جو کہ میرا حق تھیں۔یہ اللہ کی رضا تھی اس میں کون کیا کرسکتا ہے۔میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبر وشکر کے ساتھ گذار رہا ہوں۔باقی حالات جوں کے توں ہیں۔آپ اور آپ کی وساطت سے دیگر سبھی دوست احباب کیلئے میری جانب سے خلوص ومحبت سے بھرپور سلام۔

فقط آپ کی دعاؤں کا طالب/محمد مقبول بٹ

****

☆۱ ترجمہ:بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آتی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے(البقرۃ۲۴۹)

☆۲ ترجمہ:اور ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی سربلند ہوگے اگر تم سچے مومن ہو(آل عمران ۱۳۹)

☆۳ ترجمہ:ہر جی کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے(القران)

****

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ارشد محمود انصاری کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/29 مارچ 1981ء

عزیزم ارشدم محمود انصاری صاحب/ السلام علیکم

آپ کا خط مورخہ 17 مارچ کو ملا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں۔ میں نے آج تک آپ کے سبھی خطوط کا باقاعدگی سے جواب دیا ہے۔ پچھلی بار کچھ ناگزیر وجوہ کی بنا پر جوابی خط لکھنے میں تاخیر ہوئی تھی اور اس کے لئے میں نے آپ سے معذرت بھی کی تھی۔ میری کوشش یہی ہے کہ سبھی دوست احباب کے خیریت ناموں کا بروقت جواب دوں کیونکہ اس سلسلے میں میری جانب سے تاخیر کے باعث حلقہ احباب میں تشویش کا پیدا ہونا قابل فہم ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جبری فرقت کے اس عالم میں نامہ و پیام کا یہ مختصر سا سلسلہ نہ صرف ہماری یادوں کو زندہ رکھنے کا واحد ذریعہ ہے بلکہ باہمی قربت کے احساس کو قائم رکھنے اور خلوص و محبت کے جذبات کے اظہار کے توسط سے ہماری امیدوں اور حوصلوں کو تقویت پہنچانے کا بھی باعث ہے۔ یقین رکھیے اس ضمن میں میری جانب سے کوتاہی نہیں ہوگی۔

آپ کی تشویش بجا ہے۔ مگر میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ زندگی اور موت پر صرف اس قادر مطلق کو اختیار حاصل ہے جبکہ نہ صرف ہم بلکہ یہ ساری کائنات مخلوق ہے۔ یہ محض ایک مفروضہ نہیں بلکہ میرے لئے نہ صرف علم و وجدان بلکہ زندگی میں پیش آمدہ تجربات کا بھی نچوڑ ہے۔ حق و باطل کی کشمکش میں حق کا ساتھ دینے والے زندگی کا ایک الگ اور منفرد مفہوم رکھتے ہیں۔ اس مفہوم کا بیان اس مختصر سے خط میں ممکن نہیں تاہم میں یہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جس بازی کے لئے ہم زندگی داؤ پر لگا چکے ہیں اس کی نوعیت ایسی ہے کہ ہار کر بھی بازی میں مات نہیں۔ درحقیقت اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ انسان کامل شعور کے ساتھ زندگی کے مقاصد کی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

آبیاری کرتا رہے۔ اگر شعور و مقاصد کے عناصر کو زندگی سے خارج کیا جائے تو ایسی زندگی حقیقت میں موت کے مترادف ہو جاتی ہے۔ شعور و عمل کی موت ہی دراصل حقیقی موت ہوتی ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ و مامون رکھے۔

جس وقت یہ خط آپ کو ملے گا۔ آپ مختصر عرصہ کے لئے ہی سہی وطن کی تازہ ہواؤں سے لطف اندوز ہو چکے ہوں گے۔☆1 ان ہواؤں سے جن کو سانسوں میں شامل کرنے کے لئے جذبہ و تڑپ کی شدت کا احساس دیار غیر میں، عالم محبوسی میں بڑھتا ہی رہتا ہے۔ بہر حال آپ کی اس خوش قسمتی پر میں صرف رشک ہی کر سکتا ہوں۔ درد کی شدت کا مداوا نہیں۔ تاہم امید کا دامن تھامنے کے لئے آپ سے پر خلوص دعاؤں کا متمنی ضرور ہوں۔ وطن میں قیام کے دوران آپ کو ہمارے دوست و احباب سے بالمشافہ ملنے اور ان کی خیریت و احوال کو جاننے کا موقعہ ضرور ملا ہوگا۔ اس لئے مجھے خوشی ہوگی اگر آپ برسوں سے بچھڑے ان رفیقوں کی خیریت اور دیگر احوال سے مجھے باخبر کریں۔ اور ان سب تک میرا سلام اور دعائیں پہنچائیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس ضمن میں ضروری تفصیلات فراہم کر کے آپ مجھے ایک بار پھر شکریہ ادا کرنے کا موقع فراہم کریں گے۔ میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے۔ باقی حالات جوں کے توں ہیں۔ ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزارنے کی کوشش جاری ہے۔ اگر محترم امان اللہ صاحب کی جانب سے خیریت کی کوئی خبر ملی ہو تو اس سے ضرور مطلع کیجئے گا۔ میری جانب سے آپ کو اور آپ کے سبھی دوست احباب کو پر خلوص سلام۔ فقط

آپ کی دعاؤں کا متمنی / محمد مقبول بٹ

☆1 مکتوب الیہ سعودی عرب سے اپنے گھر میر پور آئے ہوئے تھے یقیناً انہیں یہ خط سعودی عرب پہنچنے پر ملا ہوگا۔

****

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ڈاکٹر فاروق حیدر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی / ۱☆.....

برادرم فاروق حیدر صاحب

السلام علیکم

کچھ عرصہ قبل آپ کا ارسال کردہ کپڑوں کا پارسل ملا تھا ☆۲۔ پھر چند روز پیشتر آپ کا محبت نامہ بھی ملا۔ دونوں کے لئے آپ کا شکریہ۔ میرے لئے یہی کیا کم ہے کہ فرقت کے اس طویل دور میں آپ مجھ سے وابستہ یادوں کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ یادوں کے اس سہارے سے اسیری کے یہ ایام تنہائی صعوبتوں کے باوجود آسان ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ کا شکوہ بجا ہے کہ ایک عرصہ سے آپ کو خط نہیں لکھا۔ یہ بات نہیں کہ آپ کی یاد ذہن سے محو ہوگئی تھی اور یہ بھی نہیں کہ لکھنے کو کچھ نہیں تھا۔ اسیری کے دور میں بھی متعدد ایسے تجربات سے واسطہ پڑتا ہے جو یقیناً قابل ذکر ہوتے ہیں ☆۳ مگر یہ سبھی تجربات عام طور پر تلخ ہوا کرتے ہیں پھر آپ کو کیا معلوم کہ اس زندان خانے میں ☆۴ Top Security Prisoner ہونے کے باعث میرے ان تجربات کی ترشی فزوں تر ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک طویل عرصہ سے ان صبر آزما حالات کا مقابلہ کرتے کرتے اب ان کی تلخی کا احساس بھی ماند پڑ چکا ہے اور مصائب ومشکلات کے اس دور میں مسکراتے رہنا اپنی (فطرت ثانیہ) Second Nature بن چکی ہے۔ پر میں یہ نہیں چاہتا کہ ان تجربات کے تذکرے سے آپ جیسے حساس دوستوں کے احساسِ درد میں اضافہ کروں۔ اپنا رجحان طبع اب بقول کسی فلمی شاعر کے کچھ ایسا ہوتا جا رہا ہے کہ ہم ''جرم محبت کی سزا پائیں گے تنہا'' رہی دوسروں کی خطائیں تو ان کا گلہ بے سود ہے۔ بایں ہمہ مجھے اعتراف ہے کہ آپ کو اپنی خیریت سے مطلع کرنے میں میری جانب سے تساہل ہوا ہے اور اس کے لئے میں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

آپ سے معذرت خواہ ہوں ۔تاہم یہاں یہ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کے جتنے بھی خطوط آج تک ملے ہیں ان کا بروقت جواب دے چکا ہوں ۔کیونکہ خط ملنے کے بعد جواب لکھنے میں تساہل کے لئے میرے ذہن کو کوئی وجہ آج تک نہیں سوجھی ہے ۔پس نامہ و پیام کے اس سلسلے کو اگر آپ جاری رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کو میری خیر و عافیت کی اطلاع نہ ملتی رہے ۔اس سلسلے میں آپ مجھ سے زیادہ بہترین پوزیشن میں ہیں ۔یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ پشاور تشریف لے گئے تھے اور وہاں ہمارے سبھی لواحقین سے آپ کی ملاقات ہوئی ۔محترم چچا جان کی ضعیف العمری کے باعث مجھے اکثر تشویش رہتی ہے ۔پھر ان کی صحت بھی تو اچھی نہیں ۔بہر حال اس سلسلے میں صرف دعا ہی کر سکتا ہوں ۔امید ہے کہ آپ ان کے حوصلوں کو قائم رکھنے میں مقدور بھر کوشش کریں گے تا کہ اس باب میں میرے ذہن کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے ۔مجھے یقین ہے کہ آپ کے مشورے ان کے اس احساس بے چارگی کو دور کرنے میں کامیاب ہوں گے جسکا میری غیر موجودگی میں انہیں سامنا ہے ۔گزشتہ دو ماہ کے عرصے میں ان کی جانب سے مجھے کوئی خط نہیں ملا ۔اس لئے یہ پتہ نہیں چل سکا وہ اپنے فوری مسائل کو حل کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں ۔انہیں فہمائش کریں کہ وہ مناسب وقفوں پر اپنے حالات و کوائف سے مجھے آگاہ کرتے رہیں ۔میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزارنے کی کوشش جاری ہے ۔باقی معاملات جوں کے توں ہیں ۔آپ کے خط سے دوسرے احباب کی خیریت کی اطلاع ملی ۔اس کے لئے آپ کا ممنون ہوں ۔میری جانب سے سبھی دوست و احباب کو نہ صرف میری خیریت کی اطلاع دیں بلکہ ان تک میرا پر خلوص سلام بھی پہنچا دیجئے گا ۔گذشتہ دنوں محترم جسوال صاحب کو بھی ایک خط ارسال کر چکا ہوں جو غالباً اب تک انہیں مل چکا ہوگا ۔آپ اور آپ کے اہل خانہ کو میرا خصوصی سلام ،ننھے سلطان حیدر کے لئے بہت بہت پیار ۔اگلے خط میں عزہ اور منزہ کی درس و تدریس کے بارے میں ضرور تحریر کیجئے گا ۔ فقط والسلام

آپ کا بھائی /محمد مقبول بٹ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ملک غلام سرور کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/ 31 مئی 1981ء

محترم سرور صاحب

السلام علیکم

ایک طویل عرصے کے بعد آپ کا محبت نامہ ملا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ''دیارِ غیر'' زندگی کے معمولات کچھ اس نوع کے ہوتے ہیں کہ انسان ہر دم عدیم الفرصتی کا شکار رہتا ہے مگر جن حالات سے ہم لوگ دوچار ہیں ان میں نامہ و پیام کا یہ مختصر اور موہوم سلسلہ اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے نہ صرف ہماری یادوں کے چراغ روشن رہتے ہیں بلکہ آزمائش کے اس دور میں ہمارے حوصلوں کو تقویت بھی ملتی ہے۔ اس لئے آپ کی یاد آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس سلسلے کو آئندہ بھی جاری رکھنے کے لئے اپنی مصروفیات کے باوجود وقت نکالتے رہیں گے۔ مجھے آپ کے اس خیال سے اتفاق ہے کہ زندگی میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونے کے لئے پرخار راستوں اور سنگلاخ چٹانوں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ جو لوگ حالات کی نامساعدگی اور راہ سفر کی مشکلات کو بہانہ بنا کر اپنے پسندیدہ تصورات کو عملی شکل دینے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں اور خود کو حالات کی رو میں بہنے کی دانستہ اجازت دیتے ہیں وہ درحقیقت خود اپنی زندگی کے ساتھ ایک بہت بڑی ناانصافی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ادراک و شعور کے باوجود محض حالات کی ناموافقت کے باعث جہد و عمل کی راہ پر ترکِ سفر ایک ایسا گناہ ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔ دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دامن زندگی کو اس اس گناہ کی آلودگی سے بچائے رکھے اور ہمیں اس قدر توفیق عطا فرمائے کہ ہم مقدر بھر

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ایمان وعمل کے راستے پر گامزن رہ سکیں۔

ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکفرین۔ ☆۱ آمین

آپ نے خط کے ہمراہ 30 پونڈ کا جو بینک ڈرافٹ بھیجا تھا وہ مجھے مل گیا ہے۔ ابھی تک یہ کیش نہیں ہوا ☆۲ کیونکہ اسے کیش کرانے کے لئے جیل حکام کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اور آپ کو معلوم ہی ہے کہ دنیا کے اس خطے میں سرکاری مشینری کس قدر سرعت کے ساتھ کام کرتی ہے؟ ویسے آپ کا خط کوئی ڈیڑھ مہینہ قبل مل گیا تھا مگر جواب لکھنے میں بوجوہ تاخیر ہوئی جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبر وشکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ مجھے کوئی ایک ماہ قبل وارڈ نمبر ۱۸ میں منتقل کر دیا گیا ہے جسے جیل کو زبان میں پھانسی کوٹھی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پہلے تنہائی تھی اور اب سزائے موت کے کچھ قیدیوں سے ملنے جلنے کا موقعہ مل رہا ہے۔ باقی حالات جوں کے توں ہیں۔ یہاں آج کل گرمی زوروں پر ہے اور ۲۴ گھنٹے سیل Cell میں بند رہنے کے باعث جسم بس ماہی بے آب کی طرح محسوس کرتا ہے۔ باقی خیریت۔

میری جانب سے تمام دوست واحباب کو سلام کہنا نہ بھولئے گا۔ پچھلے دنوں برادرم اصغر صاحب نے بھی کوٹلی سے ایک خط بھیجا تھا جس کا جواب جلد ہی لکھنے والا ہوں۔

والسلام/خدا حافظ/خیر اندیش

محمد مقبول بٹ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ ترجمہ:۔ اے ہمارے پروردگار نہ ڈال ہم پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت نہیں اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر تو ہی ہمارا مددگار ہے تو ہماری مدد فرما قوم کفار پر۔ (البقرۃ ۲۸۶) ☆۲ کبھی کبھار کوئی دوست مقبول بٹ شہید کو پیسے بھیجتا تو جیل حکام جان بوجھ کر بینک ڈرافٹ کیش کروانے میں کئی کئی ماہ تاخیر کر دیتے۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

راجہ مظفر خان کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/ 5 جون 1981ء

ڈیئر مظفر راجہ

السلام علیکم

ایک طویل مدت کے بعد آپ کی خیریت کی اطلاع ملی۔ یہ بات تو خیر نہیں کہ آپ کی یاد ذہن سے محو ہوئی تھی یا یہ کہ آپ سے تعلق خاطر کمزور پڑ گیا تھا۔ تنہائی اور جبری فرقت کے اس عالم میں آپ جیسے اہل خلوص و وفا شعار دوستوں اور عزیزوں سے وابستہ یادیں ہی میرے حوصلوں کی تقویت کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ خلوص و محبت کے جو رشتے ہمارے درمیاں برسوں سے قائم چلے آ رہے ہیں اور جن کی آبیاری ہم خون جگر سے کرتے رہے ہیں۔ اس قدر پختہ اور لازوال ہیں کہ حالات کی نامساعدگی اور بادمخالف کے تند و تیز طوفان ان کی استواری میں کوئی رخنہ پیدا کرنے میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ آپ کے محبت نامے سے ان یادوں کی تازگی دوچند ہوئی جنہیں اسیری کے عالم میں اب بھی سینے سے لگائے بیٹھا ہوں۔ پس اگر میں اسی ضمن میں آپ کا شکریہ ادا کروں تو اسے محض ایک ادائیگی رسم پر محمول قرار نہ دیجئے آپ نے چاہت کے باوجود کچھ زیادہ نہ لکھنے کے سلسلے میں جس مجبوری کا اظہار کیا ہے ☆1 اس کا مجھے بھرپور احساس ہے۔ بایں ہمہ آپ کو یہ بتانا پسند کروں گا کہ دلوں کی باتیں جاننے کیلئے ڈھول پیٹنے کی ضرورت نہیں۔ جذبات و احساسات کی ایک منفرد زبان ہوا کرتی ہے۔ انہیں سمجھنے کیلئے لمبی چوڑی تحریروں کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ آپ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور جواباً یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے شوق و یقین اور اس سے وابستہ جہد و عمل میں متواتر اضافے کے لئے آپ کو زیادہ سے زیادہ توفیق فرمائے۔ آمین۔ آپ کو چونکہ بیت اللہ سے قرب کا شرف حاصل

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ہے اس لئے بھی مجھے بھروسہ ہے کہ آپ ذوقِ یقین اور شوقِ عمل کی نعمت سے مالا مال ہوتے رہیں گے۔ یہی تو وہ مقام ہے جہاں سے صدیوں قبل انسانوں کو جسم و روح کی آزادی و بالیدگی کے سدا بہار پیغام سے نوازا گیا تھا۔ اس پیغام کی انقلابی ☆ ۲ Inspiration سے اہل خلوص و وفا اب بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ جہالت، تاریکی اور جبر و غلامی کی علمبردار قوتوں سے نبرد آزما ہونے اور انہیں سرنگوں کرنے کے لئے ایمان و عمل کی شاندار روایتوں کو قائم کرنا ہی تو اس عظیم اسوہ حسنہ کی ☆ ۳ Essence ہے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے قریبی رفقاء کار ودیعت کر چکے ہیں۔ ۴☆ مجھے یقین ہے کہ آپ جیسے عزیزوں اور رفیقوں کی دعائیں اور جذبہ عمل، دار و رسن کی اس آزمائش میں ہم سبھی کو سرخروئی سے ہمکنار کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوں گے۔ اپنی کوتاہی کا احساس ہی انسان کی عظمت و دانائی کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ اس پر شرمسار ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ احساس نہ ہو تو جہد و عمل کا صحیح تعین ناممکن بن جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ خدا کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں۔ انسان کا ایمان اور جذبہ عمل قائم رہے تو ہزار ناکامیوں اور Set Backs کے باوجود مال کار حصول مقصد کی مسرتیں اس کا مقدر بن جایا کرتی ہیں اور پھر بقول کسی شاعر کے

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا گر جیت گئے تو کیا کہنا گر ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اس پر قرآن کی یہ بشارت ہمارے لئے کیا کم ہے کہ ولا تھنو ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم لا تعلمون۔ ☆۵ پس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سبھی کو اہل ایمان کے گروہ میں شامل ہونے کی سعادت سے نوازے، تاکہ ہم اس بشارت کے مستحقین میں شامل ہو سکیں۔ سچائی کے منکر سرنگوں ہوں اور اہل حق فتح و نصرت سے ہمکنار۔ بفضل ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ حالات و شرائط اسیری جوں کے توں ہیں۔ البتہ ایک ماہ قبل مجھے زنداں خانے کے وارڈ نمبر 18 سے وارڈ نمبر 16 میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ اس وارڈ کو جیل کی زبان میں پھانسی کوٹھی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ برسوں کی تنہائی کے بعد اب اس نئے وارڈ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

میں کچھ اور قیدیوں سے ملنے جلنے کا موقع مل رہا ہے۔آپ یقیناً میری اسیری کے بارے کچھ زیادہ جاننے کے خواہشمند ہوں گے۔مگر اس مختصر سے ایروگرام میں ان تمام حالات وکوائف کا بیان ممکن نہیں ۔پھر اسیری کا رنج والم تو اب فطری سا لگ رہا ہے اور بقول غالب:

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج

میری جانب سے آپ کو اور آپ کی وساطت سے تمام دوست واحباب اور عزیزوں کے لئے خلوص ومحبت سے بھرپور سلام ۔امید ہے کہ آپ گاہے گاہے یاد کرتے رہیں گے تاکہ باہمی یادوں کی تازگی کو جاری رکھا جا سکے۔

خدا حافظ/آپ کا مخلص/ محمد مقبول بٹ

****

☆۱ احساس کا انداز ملاحظہ فرمائیں ۔دیار غیر کی کال کوٹھری میں مقید ایک شخص آزاد فضاؤں میں بسنے والے دوستوں کی مجبوریوں کا بھی کتنا احساس رکھتا ہے۔☆۲ روح ☆۳ جوہر ☆۴ مقبولؒ بٹ شہید کی فکر کا سرچشمہ وہی مقام تھا جہاں سے شرف انسانیت کی وہ عظیم صدا بلند ہوئی تھی جس نے آزادی اور حریت فکر کا حقیقی تصور دیا یعنی خانہ کعبہ۔ ☆۵ نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم ہی سربلند رہو گے اگر تم سچے مومن ہو۔

(آل عمران 139)

****

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اکرام اللہ جسوال کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنٹرل جیل نئی دہلی/17 جون 1981ء

محترم ومکرم جسوال صاحب

السلام علیکم

گذشتہ ماہ کی 17 تاریخ کو جو محبت نامہ آپ نے حوالہ ڈاک کیا تھا وہ کچھ عرصہ قبل ملا تھا۔ مگر بوجوہ جواب میں تاخیر ہوئی جس کے لئے معذرت کا طلب گار ہوں۔ میری جانب سے خیریت کی اطلاع ملنے میں تاخیر پر آپ اور دیگر دوست واحباب کو جو تشویش ہوئی ہے وہ نہ صرف قابل فہم ہے بلکہ خلوص ومحبت کے اس رشتے کی نمایاں علامت بھی ہے جو برسوں سے ہمارے درمیان قائم چلا آرہا ہے۔ اور جس کی آبیاری ہم سبھی خون جگر سے کرتے آئے ہیں۔ یقین کیجئے اس ضمن میں بعض اوقات میری جانب سے تاخیر ارادتاً نہیں بلکہ کوائف اسیری کی مجبوریوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ دوست احباب کے سبھی خطوط کا جواب دیا جائے اور اس سلسلے میں اب تک کوتاہی نہیں ہوئی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض اوقات میرے یہ جوابی خطوط راستے ہی میں غائب ہوجاتے ہیں اور اس طرح نامہ وپیام کے اس معصوم سلسلے میں ایک طرح کا تعطل پیدا ہوجاتا ہے۔ بہرحال بہ حالات موجودہ سوائے اس کے اور کیا کیا جا سکتا ہے کہ "What Can not be cured must be endured" جس مرض کا کوئی علاج نہ ہو اس کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا ہے۔ تاہم آپ یقین رکھئے کہ آپ سے وابستہ یادیں گردش ایام کی طویل نامساعد گیوں کے باوجود میرے ذہن وقلب میں تاہنوز تازہ ہیں اور ان کی تازگی میرے صبر وحوصلہ کی تقویت کے لئے ہمیشہ کی طرح سب سے بڑا باعث بنی رہے گی۔ میرے تئیں آپ نے جس وابستگی اور خلوص ومحبت سے بھرپور جذبات کا

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اظہار کیا ہے۔ یہ میرے لئے گراں بہا سرمایہ ہے۔ پبلک لائف میں کسی بھی انسان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز یا سرمایہ افتخار نہیں ہوتا کہ ہم سفروں اور رفقاء کار سے اس کی وابستگی غرض مندی اور وقت کی مصلحتوں اور تقاضوں سے بے نیاز ہو کر شعوری ہم آہنگی، خلوص و وفا شعاری اور محبت و ایثار کی عظیم انسانی قدروں کی بنیادوں پر استوار ہو۔ آپ جیسے دوستوں کے دلوں کی گہرائیوں سے اٹھنے والی ''بے ساختہ'' دعائیں نہ صرف اس بے لوث انس و محبت کی زندہ علامتیں ہیں جس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں بلکہ امتحان و آزمائش کے اس دور میں ہماری سرخروئی کے لئے رحمت ایزدی کو Invite کرنے کے لئے بھی کافی ہیں۔ یقین رکھئے جہاں عزائم جواں، حوصلے بلند اور جذبہ عمل موجود ہو وہاں لبوں پر آنیوالی دعائیں دراصل ان امنگوں اور تمناؤں کی آئینہ دار ہوتی ہیں جنہوں نے ہمیشہ انسانی تحریک و عمل کی نہ صرف تزئین و آرائش کی ہے بلکہ رسائی منزل کے لئے سامان بھی فراہم کیا ہے۔ پس آپ دعاؤں کے اس سلسلے کو جاری رکھئے تا کہ رحمت ایزدی جوش میں آئے اور مشکلوں کا یہ دور جلدی آسان ہو جائے۔ آمین۔

میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے۔ احوال و کوائف اسیری جوں کے توں ہیں۔ اس لئے صبر و شکر کیساتھ وقت گزاری کا عمل جاری ہے۔ کچھ عرصہ قبل مجھے وارڈ نمبر 18 سے وارڈ نمبر 16 میں منتقل کر دیا گیا ہے جسے جیل کی زبان میں ''پھانسی کوٹھی'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس سے یہ فرق ضرور ہوا ہے کہ پہلے تنہائی تھی اور اب کچھ ساتھی قیدیوں سے ملنے جلنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس طرح وقت قدرے ''مصروفیت سے کٹ'' رہا ہے۔ آئندہ خط لکھتے وقت Ward No:16 کا حوالہ نہ بھولئے گا۔ میری جانب سے آپ کو اور آپ کی وساطت سے سبھی دوست احباب کو پرخلوص سلام۔ امید ہے کہ آپ اپنے احوال و کوائف سے گاہے گاہے مطلع کرتے رہیں گے۔

والسلام

آپ کی دعاؤں کا طالب/محمد مقبول بٹ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

محمد عارف کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/20 جون 1981ء

عزیزم محمد عارف صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط مورخہ 2 جون موصول ہوا۔ بس یوں سمجھئے کہ دل پر ایک بجلی سی گر گئی۔ مرحوم صوفی زمان صاحب جنہیں مرحوم کہتے ہوئے دل کو دھکا سا لگتا ہے کی وفات حسرت آیات پر جتنے بھی آنسو گرائے جائیں کم ہیں۔ ا☆ خلوص و وفا کے اس عظیم پیکر کی تصویر آنکھوں کے سامنے یوں آ رہی ہے جیسے ابھی بھی وہ مجھ سے ہم کلام ہوں۔ اس عالم فانی میں کسی بھی ذی روح کو موت سے مفر نہیں۔ قدرت کے اس اٹل قانون کے سامنے سر تسلیم خم کئے بغیر چارہ ہی کیا ہے۔ مرحوم تو اس دنیا سے چلے گئے مگر ان سے وابستہ یادیں ایسی ہیں جنہیں تا دم زیست فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مرحوم کی وفات میرے لئے ذاتی طور پر ایک عظیم صدمہ ہے۔ انہیں مجھ سے کس قدر محبت تھی اور میرے تئیں ان کے خلوص اور وفا شعاری کی گہرائی کس قدر عمیق تھی اس کا اندازہ شاید صرف مجھے ہی ہو سکتا ہے۔ یہ بات میرے لئے مزید صدمے کا باعث ہے کہ جبری فرقت کے اس عالم میں مرحوم صوفی صاحب کے سفر زندگی کے آخری لمحوں میں ان سے حق رفاقت نبھانے کے فرض کی ادائیگی سے محروم رہا۔ بقول کسی شاعر کے سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی ☆۲ بایں ہمہ حزن و ملال کی اس المناک کیفیت کے باوجود جو اس مرد حر کی وفات سے ہماری صفوں میں فطری طور پر پیدا ہوگی۔ ہمیں یاس و نا امیدی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ مرحوم انسانوں کی اس قبیل سے تعلق رکھتے تھے جن کی زندگی کا ہر پہلو اور ہر اقدام نظریات و تصورات سے متحرک ہوتا ہے۔ یہ لوگ محض زندہ رہنے کے لئے نہیں بلکہ ان تصورات اور آدرشوں

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کی تکمیل کے لئے زندگی وقف کرتے ہیں جنہیں وہ بجا طور پر انسانوں کی پسندیدہ میراث قرار دیتے ہیں۔ یہ انہی مردان حق آگاہ کی سعی وکاوش کا نتیجہ ہے کہ انسانیت زندگی کے اصل مفہوم سے آشنا ہوتی ہے اور اصلاح وفلاح کا وہ عمل جاری رہتا ہے جس سے نہ صرف انسان اپنے پسندیدہ عزائم کی تکمیل کرتا ہے بلکہ زندگی کو حسن وخیر کی قدروں سے مزین کر کے قلب وروح کی طمانیت کا سامان بھی فراہم کرتا ہے۔ انسانوں کی اس قبیل کے بارے میں کلام الٰہی کا ارشاد ہے کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر ☆۳ یقیناً جو لوگ زندگی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے وقف کر دیتے ہیں ان سے بڑھ کر کسی کا اسوہ کیونکر قابل تقلید ہوسکتا ہے۔ دعا کیجئے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس راہ پر چلنے کی تو فیق عطا فرمائیں تا کہ حق شناسی اور تکمیل مقاصد کے لئے جہد رواں کے ان چراغوں کی روشنی بجھنے نہ پائے جنہیں مرحوم صوفی صاحب اور ان کی قبیل کے لوگوں نے زندگی بھر خون جگر سے روشن رکھا۔ آمین۔ اس سے بڑھ کر ہماری اور کیا چاہت ہوسکتی ہے۔ مجھے خوشی ہوگی اگر مرحوم کے لواحقین اور دیگر متعلقین سب تک میرے جذبات تعزیت و ہمدردی اس المناک موت کے سلسلے میں پہنچا دیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اپنے برگزیدہ بندوں کے پہلو میں جگہ دے اور ان کے لواحقین کو صبر وتحمل اور یہ صدمہ جانکاہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

میرے معاملے میں سرینگر انتظامیہ کی طرف سے صدر ہند کو کی جانے والی سفارش کا جو ذکر آپ نے کیا اس سے مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی ☆۴ دراصل وہاں جس گروہ کو حادثات وقت نے اقتدار کی گدی پر متمکن کر دیا ہے اس سے خیر وفلاح کی توقع ہی عبث ہے۔ یہ محض وقتی ردعمل نہیں بلکہ میری Considered Opinion ہے۔ اس Opinion کی بنیاد وہ غیر جانبدار تجزیہ ہے جو میں کئی برسوں سے کرتا آیا ہوں مگر اس کی تفصیلات کا بیان اس مختصر سے ایروگرام میں ممکن نہیں۔ ان کوتاہ اندیشوں کو کون سمجھائے کہ ''شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی''۔ جہاں صرف مال غنیم اور کشور کشائی منزل ٹھہرے وہاں عدل وانصاف کی توقعات

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

رکھنا خوش فہمی نہیں بلکہ نافہمی کی دلیل ہوتی ہیں۔میں ان دونوں میں سے فی الوقت کسی کا بھی شکار نہیں ہوں۔اس بات سے بالکل بے نیاز ہوکر کہ کون کیا سفارش کرتا ہے اور کون کیا فیصلہ دیتا ہے میں صرف اس قدر چاہتا ہوں کی اللہ تعالیٰ عزم وایمان کو قائم رکھنے کے لئے مجھے مقدور بھر توفیق عطا فرمائے اور جس امتحان وآزمائش سے میں دوچار ہوں اس میں میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائے۔مجھے یقین ہے کہ حق تعالےٰ کی رحمتیں جاری رہیں تو نارنمرود میں گلزار پیدا ہوگا اور اگر اسے میری شہادت ہی منظور ہوئی تو یہ جام بھی ستون دار پر مردانہ وار مسکراتے ہوئے نوش کرنے میں مجھے تامل نہیں ہوگا۔☆۵ بس پریشانی اور گھبراہٹ کی اس سلسلے میں کوئی گنجائش نہیں۔آپ بس میری ثابت قدمی کے لئے رب العزت کی بارگاہ میں دعا کیجئے۔سبھی دوست واحباب اور بالخصوص جناب امان اللہ خان کو میرا پرخلوص سلام۔

خدا حافظ

والسلام خیر اندیش/محمد مقبول بٹ

کچھ عرصہ قبل مجھے وارڈ نمبر 16 میں منتقل کر دیا گیا ہے جسے جیل کی زبان میں ''پھانسی کوٹھی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔پہلے تنہائی تھی اب کچھ ساتھ والے قیدیوں سے مل بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔آئندہ خط پر پتہ لکھتے وقت وارڈ نمبر 16 کا حوالہ نہ بھولئے گا۔(مقبول بٹ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ صوفی محمد زمان 25 مئی 1981ء کو فوت ہوئے۔وہ میر پور کے رہنے والے تھے۔ان کا شمار محاذ رائے شماری کے انتہائی مخلص اور بے لوث کارکنوں میں ہوتا تھا۔☆۲ اصل مصرع یوں ہے۔اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی ☆۳ ترجمہ۔تم بہترین اُمت ہو جو ظاہر کی گئی ہو لوگوں کی (ہدایت وبھلائی) کے لئے تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر (آل عمران ۱۱۰) ☆۴ سری نگر انتظامیہ نے صدر ہند کو لکھا تھا کہ مقبول بٹ کو رہا نہ کیا جائے بلکہ پھانسی دے دی جائے۔ ☆۵ مقبول بٹ شہیدؒ نے اپنا عزم پورا کر دکھایا جب انہیں تختہ دار کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو انہوں نے چہرے پر مکمل سکون کے ساتھ مردانہ وار چل کر پھانسی کے پھندے کو چوم لیا۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

میاں غلام سرور کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/ 17 اگست 1981ء

برادر میاں غلام سرور صاحب/ السلام علیکم

آپ کا گرامی نامہ مورخہ 27 جولائی چند روز قبل موصول ہوا۔ یاد آوری کے لئے شکریہ۔ یقین کیجئے آپ کے محبت نامے اور اس سے منسلک اخباری تراشوں کو پڑھ کر میری خوشیاں عید کے اس مبارک موقع پر دو چند ہوگئیں۔ نہ صرف اس لئے کہ آپ نے جس خلوص و محبت کا اظہار کیا ہے وہ بجائے خود میرے لئے ایک دولت گراں مایہ ہے بلکہ اس لئے بھی کہ وطن کے اس حصے سے جس پر حوادث زمانہ نے حکومت ہند کو تسلط و غلبہ سے نوازا ہے کسی فرزند وطن کا میرے نام اس طویل دور اسیری میں یہ پہلا خط ہے۔ اگر آپ اسے محض خیال آفرینی قرار نہ دیں تو میں یہ کہوں گا کہ آپ کا خط میرے لئے وطن سے دور اس زندان خانے میں حیات تازہ کا ایک امید افزا پیغام لے کر آیا ہے۔ اس لئے مندرجات سے قطع نظر میرے لئے یہی کیا کم ہے کہ یہ خط وطن کی ان ہواؤں اور فضاؤں سے گزر کر میرے پاس پہنچا ہے جن کی تشنگی دار و رسن کی اس طویل آزمائش میں میرے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔ آپ غالباً اندازہ نہیں کر سکتے کہ ایک انسان کے دل و دماغ پر تب کیا گزرتی ہے جب اس کی خواہش کے علی الرغم محض حالات کے جبر کے تحت وطن اور اہل وطن سے اس کے رابطہ و تعلق کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہوں۔ درد و غم کا جو انسان اس حالت میں نشو و نما پاتا ہے کی شدت ان لوگوں کے معاملے میں اور بھی بڑھ جاتی ہے جنہوں نے وطن اور اہل وطن کی عظمت و سربلندی اور آزادی کے خواب دیکھے ہوں اور ان خوابوں کی تعبیر کے لئے خود کو وقف کر رکھا ہو۔ ایسے حالات میں درد کی یہ شدت ستم کشوں اور ستم زدوں کے باہمی تعلق کو بگاڑ کر کس حد تک لے جا سکتی ہے۔ اس کا اظہار مشہور فلسفی جین پال سارتر نے ان الفاظ میں کیا ہے:

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

"The end of communication is the beginning of all violence, where communication stops,there remains only beating ,burning and hanging."

(رابطوں کے منقطع ہوجانے سے تشدد کی بنیاد پڑتی ہے، جہاں رابطہ منقطع کیا گیا وہاں مارنا جلانا اورلٹکانا ہی باقی رہتا ہے۔)ذاتی طور پر وطن اور اہل وطن سے متعلق اپنی امنگوں کی تکمیل کے لئے جد وجہد کے دوران سچائی کے منکرین کے ہاتھوں Beating and Burning(جلانے اور مارنے)کے مرحلوں میں سے گزر چکا ہوں۔اس دوران میرے حوصلوں کو پست کرنے میں ناکام ہونے کے بعد اب ان کے پاس صرف Hanging(لٹکانے) کا عمل باقی رہ گیا ہے۔جسے وہ اب آزمانا چاہتے ہیں۔دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کی اس گھڑی میں میرے عزم وایمان کو قائم رکھے اور مجھے صبر واستقامت سے نوازے،تاکہ امتحان کے اس آخری مرحلے میں میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائے۔آپ کا خلوص ومحبت برحق مگر میں خود کو یقیناً اس تعریف وتوصیف کا مستحق نہیں سمجھتا جس کا اظہار آپ نے اپنے نامہ گرامی میں کیا ہے۔جبر وغلامی اور ظلم وعدوان کی علمبردار قوتوں سے معرکہ آراء ہونا انسانیت کا سب سے بڑا شرف ہے۔دیو استبداد کی جمہوری قباؤں کو تار تار کرکے اس کی Monstrosity(انسانیت سوزی) کو ننگا کرنے کے لئے محکوموں کی کو منظم وصف آراء کرنے کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ بنی نوع انسان کی تاریخ۔خود ہماری اپنی قومی تاریخ کا یہ روشن باب صدیوں سے منور ہے تحریک آزادی کی شمع کو روشن رکھنے کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے پروانوں کی ہمارے یہاں نہ تو پہلے کمی رہی ہے اور نہ آئندہ رہے گی۔یہ دوسری بات ہے کہ اس صبر آزما جد وجہد کے دوران کئی بار ایسے مرحلے آئے جب خارجی عوامل کے دباؤ کے تحت کچھ اپنے ہی لوگوں کی مصلحت کوشی یا پھر چند طالع آزماؤں کی ریشہ دوانیوں کے باعث ہمیں۔

''یہاں داں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا''

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کی صورت حال کا سامنا رہا ہے۔مگر قوموں کی زندگی میں ایسے عارضی دور آتے ہی رہتے ہیں۔انہیں ہرگز دوام حاصل نہیں ہوسکتا۔قوموں کی زندگی کی اصل روح وہ پائیدار اور تابندہ جذبہ آزادی ہے جو اس کے فرزندوں کو بقول رسول اللہ ﷺ ''ہر جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کا اعلان'' کرنے کا ولولہ عطا کرتا ہے اور وہ بھی اس یقین کے ساتھ کہ ''یہ بہترین جہاد ہے''۔آزادی کے اس عظیم جذبے سے سرشار ہوکر ہمارے عوام نے جہاد آزادی کے جس دھارے کو وجود بخشا ہے میں نے خود کو کبھی بھی اس سے الگ نہیں سمجھا ہے۔اس دھارے کو رواں دواں رکھنے کے لئے اپنی بے بضاعتیوں اور کمزوریوں کے باوصف میں نے حتی المقدور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی سعی کی ہے جن سے عہدہ برآء ہونے کے لئے میرے شعور وضمیر نے مجھے جھنجھوڑا ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ اپنے ضمیر کی آواز پر حق وباطل کی اس کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ میں سچائی کی علمبردار قوتوں کے ساتھ خود کو Identify (شناخت) کرتے ہیں انہیں نہ تو صلے کی طلب ہوتی ہے اور نہ ہی ستائش کی تمنا۔حق وباطل کی اس صبر آزما جنگ میں جو اپنی نوعیت کے باعث ہمیشہ طویل المعیاد ہوتی ہے نشیب وفراز آتے رہتے ہیں۔وقت کا گزر اور حالات کی نامساعدگی اس شدت کو متاثر تو کرسکتے ہیں مگر اس کو ختم (terminate) نہیں کرسکتے۔اس جنگ کو اس تمام تر شدت کے ساتھ جاری رکھنا اہل حق کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔اس فریضہ کی ادائیگی میں تغافل ایک ایسی کیفیت پر منتج ہوتا ہے جس میں انسانیت نہ صرف اپنے وجود کے اصل مفہوم ومدعا سے ہی عاری ہوکر رہ جاتی ہے بلکہ زندگی کی تزئین وآرائش اور افراد وقوام کو شرف عروج کی معراج تک لے جانے کے لئے کی جانے والی ان مساعی جمیلہ کی رفتار بھی مدھم پڑ جاتی ہے جو ابتدائے آفرینش سے ہی انبیاء علیہم السلام کی سنت صلحا کا مسلک اور انسانی تاریخ کو نت نئے موڑ عطا کرنے والے عظیم انقلابیوں کا شعار رہا ہے۔انسانیت کے محسنوں کی اس قبیل میں شامل برگزیدہ ہستیوں کی ہمسری کا دعویٰ ہمارے لئے چھوٹا منہ بڑی بات کے مترادف ہوگا۔مگر اتنا ضروری ہے کہ اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود ہم ان کے اسوۃ کو اپنے لئے مشعل راہ بنا سکتے ہیں اور جب تک ظلم وستم

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کی سیاہ رات کے سائے ہمارے اوپر منڈلاتے رہیں ستونِ دار پر سروں کے چراغ روشن کرتے چلیں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ شعور وایمان کی پختگی کے ساتھ میدان جہد وعمل میں تواصوا بالحق ☆۱ اور تواصوا بالصبر ☆۲ کی عظیم روایت کے امین ہی انسانیت کو خسر و عدوان ☆۳ کے عبرتناک انجام سے بچا سکتے ہیں کیونکہ یہ مشیت ایزدی ہے۔ جہد وعمل میں یہ قدریں پلے بندھی ہوں تو کم من فئة قليلة غلبة فئة كثيرة ☆۴ کا اعجاز اپنی تمام تر تابناکیوں کے ساتھ ظہور پذیر ہو کر اہل حق کو سرخروئی کی منزلوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ دعا کیجئے کہ خدائے عظیم ہمیں اہل حق کی اسی قبیل میں شمولیت کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ خط قدرے طویل ہو گیا ہے اور ممکن ہے کہ جذبات اور خیالات کی رو میں جو کچھ تحریر کر چکا ہوں، اس سے آپ بور (تنگ) ہی ہوں مگر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس زندان خانے میں سوائے جذبات وخیالات کے میرے پاس اور سوغات ہی کیا ہے جو کسی بھی یاد کرنے والے کو پیش کی جا سکے۔ ضروری نہیں آپ کو یہ سوغات پسند ہی آئے مگر میرے حق اظہار کا احترام آپ کو یقیناً ہوگا، اس لئے کہ یہ احترام ہی انسانوں کی روشن خیالی (Enlighment) کی سب سے بڑی علامت ہے۔ آپ نے میری سزا میں تخفیف کرنے کے لئے نجی طور پر کوشاں ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ان کوششوں کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ آپ کی اِن مساعی کی بنیاد یہ مفروضہ ہے کہ جن ''جرائم'' کا مجھے قصوروار گردانا گیا ہے ان کا ارتکاب میرے سیاسی عقائد کا نتیجہ تھا۔ یہ ''جرائم'' کیا تھے؟ ان کی تحقیقات کیسے ہوئی؟ انہیں بنیاد بنا کر میرے خلاف کن حالات میں کس نوعیت کا ''مقدمہ'' قائم کیا گیا؟ اس ''مقدمے'' کے نام پر قانون وانصاف کی دھجیاں کس طرح اڑائی گئیں اور اس پورے ناٹک (ڈرامے) میں کن کن لوگوں نے کیا کیا رول ادا کیا؟ اور اس کے نتیجے میں ''سزا'' کے نام پر مجھے صفحۂ ہستی مٹانے کیلئے کیا کیا ریشہ دوانیاں ہوئیں؟ یہ سب فی الوقت ہمارے عوام کیلئے ایک MYSTERY (معمہ یا راز) ہیں۔ اس داستان کو بیان کرنے کے لئے ایک کتاب درکار ہے اور یہ مختصر سا خط اس کی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

تفصیل کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا جب میں اپنے عوام کی عدالت میں اس نام نہاد مقدمے کی ساری حقیقت بیان کرنے کے قابل ہوسکوں گا۔ اس عدالت کا جس کا ابھی مجھے انتظار ہے۔ اس ضمن میں فیصلہ صحیح اور معقول ہوگا۔ فی الحال میں صرف اس قدر کہوں گا کہ اگر مقامی انتظامیہ سمجھتی ہے کہ اس نام نہاد مقدمے میں قانون و انصاف کے سبھی تقاضوں کو پورا کیا گیا ہے تو وہ اس کی ساری کاروائی کو منظر عام پر کیوں نہیں لاتی۔ اس ''مقدمے'' کی فائلوں کو کسی کنواری لڑکی کے پیٹ میں موجود ناجائز حمل کی طرح عوام سے کیوں پوشیدہ رکھا جارہا ہے۔ یہ کاروائی آج تک قوم کا شمیر پوشیدہ ہی ہے۔ آپ کے خط سے منسلک اخباری تراشوں کو پڑھ کر مجھے اس صدائے احتجاج کا اندازہ ہوا ہے جو میری ''سزا'' پر مجوزہ عمل درآمد کے خلاف عوامی سطح پر بلند کی گئی ہے۔ اس کے لئے میں ان سبھی عوامی رہنماؤں، سرکردہ شخصیتوں، اداروں وران سے وابستہ کارکنوں کا ممنون واحسان مند ہوں جو اس سلسلے میں پیش پیش رہے ہیں۔ ان سب تک اظہار تشکر کا میرا پیغام ضرور پہنچا دیجئے گا۔

یہاں میں اس طویل خط پر اظہار رائے ضروری سمجھتا ہوں جو سرینگر ٹائمز میں اسی اخبار کے ایک سابق شمارے میں آپ سے متعلق اس اخبار کے مدیر محترم کے ریمارکس کے جواب میں آپ کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ آپ نے ایڈیٹر موصوف کے ان ریمارکس پر دکھ اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔ آپ کے خط کی ہر سطر درد میں ڈوبی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں بصد احترام یہ عرض کروں گا کہ میرے معاملے میں آپ کے نجی احساسات اور مساعی اپنی جگہ برحق اور ان کے لئے میں خلوص دل سے آپ کا شکرگزار ہوں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس سارے معاملے کا سب سے اہم پہلو یعنی اس کا پبلک پہلو آپ کی نظروں سے اوجھل رہا ہے۔ اس قسم کے معاملات کے پبلک پہلو کو دیدہ ودانستہ نظر انداز کرنے کی آپ پر تہمت تو نہیں لگائی جاسکتی مگر جیسا کہ آپ نے تحریر کیا ہے آپ کی اپنی صوابدید کے مطابق اس سلسلے میں خاموشی کے ساتھ کام کرنے کو آپ نے زیادہ موزوں سمجھا ہے۔ ایک پبلک ورکر ہونے کے حوالے سے اگر ایڈیٹر موصوف اس سلسلے میں آپ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سے گلہ مند ہیں اور وہ اس کا اظہار کرتے ہیں تو آپ کو رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی دل میں ملال کو جگہ دینی چاہیے۔ اس لئے کہ ہر اس شخص سے جو پبلک ورکر ہونے کا مدعی ہو، توقع کی جاتی ہے کہ وہ ظلم اور نا انصافی کے خلاف کھلے بندوں اور عوامی سطح پر صدائے احتجاج بلند کرے۔ پس اس معاملے میں فراخدلی کا مظاہرہ کیجئے۔ میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے اور سزائے موت کی اس کوٹھری میں جسے قیدیوں کی زبان میں ''پھانسی کوٹھی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جہاں مجھے اس برس مئی کے آخری ہفتے میں منتقل کیا گیا تھا لمحات اسیری یا یوں کہئے لمحات زندگی صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ چونکہ مجھے تا حال اس سیکورٹی وارڈ میں واپس نہیں بھیجا گیا جس میں مجھے گذشتہ پانچ برس سے مقید رکھا گیا تھا، اس لئے گمان غالب یہی ہے کہ سرکار نے میری ''سزا'' پر عمل درآمد کے فیصلے پر تا ہنوز نظر ثانی نہیں کی ہے۔ اس لئے حالات جوں کے توں ہیں۔ دیکھئے اب کے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔۔۔ آخر میں ایک بار پھر آپ کی یاد آوری کا شکریہ۔ مجھے امید ہے کہ مراسلت کا یہ سلسلہ جو آپ نے رسمی شناسائی نہ ہونے کے باوجود شروع کیا ہے آئندہ بھی جاری رہے گا اور آپ گاہے گاہے مجھے یاد کرنے کی تکلیف ضرور کیا کریں گے۔ آپ کو اور آپ کی وساطت سے سبھی اہل وطن کو میرا خلوص بھرا سلام۔

فقط آپ کی دعاؤں کا طلب گار/ محمد مقبول بٹ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ جو ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہیں (سورہ العصر) ☆۲ جو ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہیں (سورہ العصر) ☆۳ نقصان اور خالص ظلم۔۔۔۔۔۔ مقبول بٹ شہید نے قرآن حکیم کی سورہ العصر سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حق کو قبول کرنا اور اس راہ میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا دونوں باتیں داعیان حق کے لئے ضروری ہیں اور یہی لوگ انسانیت کو عبرتناک انجام سے بچا سکتے ہیں۔ ☆۴ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غلبہ حاصل کر گئیں (القرآن)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ملک غلام سرور کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/15 اگست 1981ء

محترم غلام سرور صاحب

السلام علیکم

امید ہے کہ آپ اور دیگر سبھی دوست و احباب خیریت سے ہوں گے۔آپ کا خط مورخہ 23 جون اور برادرم امان صاحب کا نوازش نامہ مورخہ 29 جون عید الفطر کی ساعت سعید پر ایک ساتھ ملے۔آپ حضرات کا یاد آوری کے لئے شکریہ۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کاروبار کو ترقی دے اور جن مقاصد کی حصول یابی کے لئے آپ دیار غیر میں مصروف جہد ہیں ان کی تکمیل کے لئے وہ ذات باری آپ کو زیادہ سے زیادہ توفیق واستطاعت سے نوازے۔

آپ نے سپریم کورٹ میں ''سزا'' کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کے بارے میں جو مشورہ دیا ہے اس کی صورت یہی ہے کہ اس سلسلے میں ایک رٹ درخواست دائر کردی جائے۔یہ تو میں یقین کے ساتھ کہہ نہیں سکتا کہ اسکا فیصلہ کیا برآمد ہوگا مگر میرا خیال ہے کہ کوشش Worth Trying (انتہائی کوشش) ہے۔میرے برادر اصغر جولائی کے وسط میں مجھ سے ملاقات کرنے آئے تھے۔ان کے ساتھ بھی اس موضوع پر تبادلہ خیال ہوا تھا۔میں نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں سرینگر میں اپنے چند وکیل دوستوں سے مل کر ابتدائی کاروائی کریں۔مگر آپ کو کیا بتایا جائے کہ ابھی تک میرا دستخط شدہ وکالت نامہ بھی ان تک نہیں پہنچنے پایا ہے۔

خیر آمدم برسر مطلب۔آپ نے سپریم کورٹ میں رٹ دائر کرنے کے لئے اخراجات کو پورا کرنے کی جو پیشکش کی ہے اس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں۔آپ کو یہ تو معلوم ہوگا ہی کہ دنیا کے اس خطے میں سوائے انسان کے ہر شے گرانی کی انتہاؤں کو چھو رہی ہے۔میرا اندازہ ہے کہ اس قانونی

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کاروائی پر جس کا ہم سوچ رہے ہیں ۔15 اور 20 ہزار کے درمیان خرچہ اٹھے گا۔ یہاں کی سپریم کورٹ کا کوئی بھی سینئر وکیل 3 ہزار سے کم فی پیشی وصول نہیں کرتا ۔پیپر ورک اور اسسٹنٹوں کے خرچے الگ ہوتے ہیں ۔پھر دوسری بات یہ ہے کہ اگر سپریم کورٹ یا صدر ہند نے میری موجودہ ''سزا'' میں کٹوتی کر بھی لی تو اس کے بعد سرینگر میں میرے خلاف (پس پردہ) Behind the back جو مقدمہ برسوں سے زیر سماعت ہے اس کو بھی عدالت عالیہ میں چیلنج کرنا ہوگا ۔اس پر بھی یقیناً اچھا خاصہ خرچہ اٹھے گا ۔آئندہ کی اس قانونی لڑائی کے لئے جس کا میں نے اشارتاً ذکر کر لیا ہے اچھے وکلاء کی خدمات درکار ہوں گی ۔اس لئے اگر آپ سے ممکن ہو تو فی الحال آپ کم سے کم 20 ہزار روپے کا انتظام کر کے یا تو برادرم غلام نبی کے نام پر بھیج دیں اور اگر کسی وجہ سے ایسا ممکن نہیں تو جیل کے پتے پر میرے نام بذریعہ بنک ڈرافٹ یا جو بھی آپ مناسب صورت سمجھیں ارسال کر دیں ۔آپ کی طرف سے جواب ملتے ہی اس سلسلے میں مزید اقدام ممکن ہوگا ۔اگر آپ کے ذہن میں کوئی اور طریقہ کار مناسب ہے تو اس سے مجھے مطلع کریں ۔اس لئے کہ باہر کی دنیا سے میرا رابطہ و تعلق واجبی ہے ۔

برادرم امان صاحب نے گذشتہ دسمبر میں لکھے گئے کسی طویل خط کا ذکر کیا ہے ۔یہ تو مجھے تاہنوز نہیں ملا ہے اور نہ اب اس کے ملنے کی توقع ہے ۔نمبردار صاحب کی وفات پر میری جانب سے ان کے سبھی لواحقین اور پسماندگان سے اظہار تعزیت کیجئے ۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر و شکر کی نعمت سے نوازے ۔والدہ محترمہ کو میرا سلام اور پروین بھابی کے لئے بھی سلام ۔ننھی منی کے لئے میری جانب سے بہت بہت پیار ۔میری صحت بالکل ٹھیک ہے ۔تاہنوز میں وارڈ نمبر 16 میں ہی مقید ہوں ۔گمان غالب یہی ہے کہ میری ''سزا'' پر مجوزہ عمل درآمد کے خلاف جو صدائے احتجاج بلند ہوئی ہے اس کے پیش نظر فی الحال اس معاملے کو التوا میں ڈال دیا گیا ہے ۔آگے جو اللہ کو منظور ہوگا ۔میں نے خود کو ذہنی طور پر ہر قسم کی (صورت حال) Situation کے لئے تیار کر رکھا ہے ۔اور آپ سے اس دعا کا متمنی ہوں کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ان آخری مرحلوں میں میرے صبر وثبات کو قائم رکھے اور اس سلسلے میں مجھ سے کوئی لغزش نہ ہونے پائے۔

والسلام/آپ کے دعاؤں کا طالب/محمد مقبول بٹ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

راجہ محمد مظفر خان کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی/15 اگست 1981ء

عزیزم مظفر راجہ سلمہ

سلام مسنون!

آپ کا نامہ محبت مورخہ 27 جولائی چند روز قبل عید الفطر کی ساعتِ سعید کے موقع پر موصول ہوا۔ یاد آوری کے لئے شکریہ۔ میرے بارے میں آپ کی پریشانی اور تشویش برحق مگر آپ کو یہ حقیقت کبھی بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ جس منزل کی طرف ہمارا مختصر سا کارواں جادۂ پیما ہے اس کی حصولیابی ایثار وقربانی کی اعلیٰ وارفع روایتوں کی متقاضی ہے۔ حق وباطل کی اس کشمکش میں جس میں ہم نے خود کو کامل شعور وتدبر کے ساتھ صف آراء کر رکھا ہے، جانوں کا نذرانہ پیش کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ لیلائے آزادی کے لئے مجنون کا جنون اتنا ہی ضروری ہے جتنا حفظ جان کے لئے گردش خون۔ انسانیت کو بھسم کرنے والے ظلم وجبر کے انگاروں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے آتش نمرود میں بے خطر کودنے کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ صلیب کو بوسہ دئے بغیر انجیل آگہی کے اوراق کھلنے پائیں۔ وہ لوگ جو سچائی اور شرف انسانی کا شعور رکھنے کے باوجود جادۂ حق میں پیش آنے والی صعوبتوں اور آزمائشوں سے گھبرا جاتے ہیں جن کے قدم اس راہ عمل میں ڈگمگا جاتے ہیں۔ دراصل اس لگن اور عشق کی رسوائی کا سامان فراہم

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

کرتے ہیں جس کے وہ بظاہر مدعی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو خدا کی کتاب میں مغضوب علیہم ☆۱ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے کسی کو بھی انسانوں کے اس گروہ میں شامل نہ کرے۔ آمین۔ حق شناسی اور خدا پرستی کا دعویٰ رکھنے والوں کے لئے بہترین زندگی وہ ہے جو سچائی کا شعور حاصل کرنے اور اس شعور کی روشنی میں انفرادی و اجتماعی زندگی کی تزئین و آرائش میں صرف ہو اور بہترین موت وہ ہے جو ظلم و جہالت سے انسانوں کو نجات دلانے کے لئے کی جانے والی جنگ میں پیش آئے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے مرنے کے بجائے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ انسان سچائی کے منکرین سے برسرپیکار ہوتے ہوئے اپنے مقاصد زندگی کے لئے تختہ دار پر جان کا نذرانہ پیش کرے۔ جہاں فکر کا یہ انداز ہو وہاں نہ تو صلے کی طلب ہوتی ہے اور نہ ہی ستائش کی تمنا۔ میرے لئے یہی کیا کم ہے کہ آپ اور آپ جیسے دیگر دوستوں، عزیزوں اور ساتھیوں کا بے پایاں خلوص اور لازوال محبت نفسانفسی کے اس عالم میں بھی مجھے حاصل ہے۔ اس امتیاز کے ہوتے ہوئے اور کس چیز کی تمنا کی جا سکتی ہے؟

آپ نے میرے اخراجات ڈاک کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں لہٰذا اس بارے میں فکرمند نہ ہو جائیں۔ چونکہ آپ نے خدا کا واسطہ دیا ہے ☆۲ اس لئے اس ضمن میں طریقہ کار کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہو گیا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ آپ جیل خانے میں میرے پتے پر سپرانٹنڈنٹ جیل کی معرفت بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کے ذریعے جب چاہیں اور جتنا چاہیں پیسہ بھیج سکتے ہیں۔ ڈرافٹ ایسے بنک کے ذریعے آنا چاہیے جس کی یا تو دلی میں شاخ ہو یا کسی دوسرے بنک کے ساتھ اس کا کاروباری لین دین ہو۔ بفضل ایزدی میری صحت ٹھیک ہے اور تادم تحریر میں بدستور وارڈ نمبر 16 ہی میں مقید ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری ''سزا'' پر مجوزہ عمل درآمد کے خلاف وطن کے طول و عرض میں بلند کی جانے والی صدائے احتجاج کے پیش نظر ''وقت کے حاکموں'' نے فی الحال اس معاملے کو التوا میں ڈالنا موزوں سمجھا ہے۔ دیکھئے آگے یہ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

امت کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ آزمائش کے ان آخری مرحلوں میں مجھے استقامت کی دولت سے نوازے اور اس قدر توفیق عطا فرمائے کہ میرے پائے ثبات میں کسی قسم کی لغزش نہ آنے پائے۔

والسلام/آپ کے خلوص ومحبت کا طلب گار/ محمد مقبول بٹ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱''جن پر خدا کا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے'' قرآن حکیم میں غیر المغضوب علیھم ولاالضالین کے الفاظ آئے ہیں جہاں ایمان والوں کو مغضوب اور ضالین کے راستے سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ☆۲ رہبر مظفر خان نے بٹ صاحب کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھا تھا کہ اگر آپ کو پیسے بھیجنا ہوں تو طریقہ کار کیا ہوگا۔ اسی لئے بٹ صاحب نے طریقہ کار کی وضاحت کی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ملک محمد سرور کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زنداں دہلی/20 جون 1982ء

برادر سرور صاحب

السلام علیکم

کافی عرصے کے بعد آپ سے مخاطب ہو رہا ہوں۔ یہ بات نہیں کہ آپ کو بھول گیا تھا مگر حالات کچھ ایسے تھے کہ آپ تک خیریت ناموں کی رسائی کچھ مخدوش سی بنادی گئی تھی۔ وہ کہاوت آپ نے سنی ہوگی، جس میں باسی کڑھی میں ابال آنے کا ذکر ہے۔ آپ نے قانونی چارہ جوئی کے لئے 22 ہزار کی رقم کیا بھیجی کہ اس کی وصولی کے سلسلے میں ''خدائی فوجداروں'' ☆۱ کی خاموشی اور ٹھنڈی کڑھی میں ایک دم گرم گرم ابال آ گیا۔ معاملہ چونکہ بالکل دائرہ قانون کے اندر تھا اس لئے وہ دستبرد تو نہ کر سکے البتہ رخنہ اندازی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ پہلے تو بینک ڈرافٹ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

سپرانٹنڈنٹ کی معرفت Safe Custody کے نام پر اپنے پاس ضبط کر لیا اور چیک کیش کرانے میں لیت ولعل کرتے رہے۔جب چھ ماہ ہونے کو آئے تو میں نے سپریم کورٹ میں رٹ دائر کرانے کے ساتھ ہی بھوک ہڑتال شروع کر دی تب جا کر مارچ ۸۳ء کے وسط میں وہ اسے کیش کرانے پر رضامند ہوئے۔چیک کیش کرنے کے بعد رقم کی ادائیگی کا سوال آیا تو پھر ٹال مٹول شروع کر دی مگر اس دوران میں نے وکلاء کی ایک ٹیم کو Engage کر لیا اور رقم کی ادائیگی کے لئے سپریم کورٹ میں درخواست دائر کر دی۔اس کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوا۔ابتدائی تیاری کے لئے دس ہزار کی رقم وکلاء کو دے چکا ہوں اور دہلی سے میرے ایک وکیل ریکارڈ کا جائزہ لینے کے سرینگر گئے ہوئے ہیں وہ اس ماہ کے آخر تک واپس آئیں گے اور اپنے ہمراہ ضروری دستاویز کی نقول وغیرہ بھی لائیں گے۔تب تک سپریم کورٹ کی موسم گرمائی کی تعطیلات بھی ختم ہو جائیں گی۔ پھر مناسب مشورہ کر کے رٹ درخواست دائر کر دی جائے گی۔ویسے میرے وکلاء خاصے پُر امید ہیں اور وہ اس قانونی لڑائی کیلئے مختلف النوع چارہ جوئی کے لئے رضامند ہیں۔اس سلسلے میں آپ کو جولائی کے وسط تک ضروری تفصیلات سے مکمل آگاہی دینے کی پوزیشن میں ہو سکوں گا۔لندن سے جناب زبیر صاحب نے پچاس پونڈ کا ایک انٹرنیشنل منی آرڈر بھیجا تھا وہ مل گیا اور کیش بھی ہو گیا البتہ آپ نے گذشتہ برس -/540روپے کا جو بنک ڈرافٹ نمبر 0DC-1069052 CE مورخہ 16 April 1981 سٹیٹ بنک آف انڈیا کے نام پر ارسال کیا تھا وہ تا حال کیش نہ ہو سکا۔اول تو اس کی معیاد گزر چکی ہے۔یعنی یہ Lapse ہو گیا ہے۔دوم یہ کہ ''ضبط کرنے والوں'' کو اب یہ اپنی فائلوں میں مل ہی نہیں رہا ہے۔اس لئے کہ اس دوران یہاں کے ''تحویلدار'' بدل چکے ہیں۔آپ اپنے بنک حکام سے بات کریں اگر وہ اس ''گمشدہ'' ڈرافٹ کی جگہ دوسرا ڈرافٹ ارسال کر سکتے ہیں یا رقم کو کسی اور انداز میں منتقل کر سکتے ہیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔ویسے میں برابر جیل حکام پر اسے Trace کرنے کے لئے دباؤ جاری رکھوں گا۔آپ حیران ہوں گے کہ 18 دسمبر کا لکھا ہوا آپ کا خط مجھے مارچ کے آخر میں مل گیا وہ بھی شاید اس لئے کہ روکنے

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

والوں کی نظروں سے بچ گیا ورنہ حال یہ ہے کہ گذشتہ اکتوبر کے بعد سے اب تک میرے نام آنے والے سبھی خطوط ''خدائی فوجداروں'' کی ''کرم فرمائیوں'' کی نذر ہو چکے ہیں کیا خوب ''لال'' آیا تھا۔ یہ جان کر بہت دکھ ہوا کہ برادرم ڈاکٹر فاروق حیدر صاحب کے برادر اکبر ملک آفتاب صاحب اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میری جانب سے انہیں تعزیت کا پیغام ضرور پہنچائے گا۔ ویسے میں براہ راست انہیں خط لکھ کر اس سلسلے میں اظہار تعزیت کروں گا مگر کیا معلوم کہ ان تک یہ پہنچ بھی پائے؟ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے سبھی پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ میری صحت بفضل ایزدی بالکل درست ہے اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ جس قانونی چارہ جوئی کا ہم آغاز کر رہے ہیں اس کے خاصے سیاسی مضمرات ہیں۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ اسے مناسب طور اور پوری استعداد کے ساتھ تمام وسائل یکجا کر کے بھرپور طریقہ سے منظم کیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے لئے آپ کو کچھ اور Contribution کرنا پڑے۔ اس کے بارے میں میرے وکلاء ☆1 کے سرینگر سے یہاں آنے اور مجھ سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد ہی میں آپ کو تفصیل سے بتا سکوں گا۔ جب تک آپ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار رہیں۔ آپ سے انشاء اللہ برابر رابطہ قائم رہے گا۔ سبھی دوست احباب اور عزیز و اقارب تک میرا پر خلوص سلام پہنچائے گا۔

والسلام/ آپ کی دعاؤں کا طالب/ محمد مقبول بٹ

☆1 یہ وکلاء شہید خواجہ عبدالغنی لون ایڈووکیٹ اور پیارے لال ہنڈ و ایڈووکیٹ تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

ڈاکٹر فاروق حیدر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہاڑ جیل دہلی /8 ستمبر 1983ء

برادرم فاروق حیدر صاحب/ السلام علیکم/کافی مدت کے بعد وسط اگست میں آپ کا وہ خیریت نامہ ملا جو ماہ جولائی کے آغاز میں آپ نے سپرد ڈاک کیا تھا۔ خط کیا تھا مختصر نویسی کا ایک نادر نمونہ۔ کل ملا کر چالیس الفاظ پر مشتمل 4 عدد جملے جن میں سے دس الفاظ صرف القاب و آداب اور سلام و خیریت کی نذر ہو گئے تھے۔ یقین مانئے طبیعت عش عش کر اٹھی۔ شاید آپ نے سوچا ہو کہ اختصار کے باعث اس خط کا ''سفر'' بھی مختصر ہی رہے گا۔ مگر آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ''یار لوگ'' ☆۱۱ سے بھی عشق کی ایک ادا سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ پس الفاظ یا بین السطور کوئی کام کی بات معلوم کر سکیں۔ بہر حال ڈیڑھ ماہ بعد ہی سہی پھر بھی یہ کیا کم خوشی کی بات ہے کہ آپ کا نامہ محبت وصول تو ہوا۔ خط کو رجسٹر کر کے بھیجنے کا تکلف بے جا ہے اسلئے کہ ملنے تو کبھی کبھی محترم جسوال صاحب کے ''بک پوسٹ'' خط بھی مل جایا کرتے ہیں۔ پس وہ خطوط جن کا مقدر ہی مقدروں کے خداؤں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھنا ہوتا ہے، انہیں ڈاک کی رجسٹری جیسے مراسم کی روانگی کیسے بچا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں بالکل خیریت سے ہوں اور آپ کی اور دیگر دوست و احباب کی خیریت کے لئے دست بدعا، شرمندہ ہوں کہ طویل عرصے سے آپ کو اپنی خیریت کی اطلاع نہ دے سکا۔ اس میں کچھ مجبوریوں اور کچھ مصلحتوں کا دخل رہا۔ بہر حال امید کرتا ہوں کہ اس ضمن میں آپ میری معذرت قبول فرمائیں گے۔ آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔ یہاں کی سپریم کورٹ میں قانونی چارہ جوئی کے لئے ہماری مساعی کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا ہے۔ 12 اگست کو عدالت کے ڈویژن بینچ نے چیف جسٹس کی سربراہی میں ہماری وہ رٹ درخواست منظور کر لی جس میں ہم نے ریاستی حکومت اور ہائی کورٹ کے نام پر ہدایت جاری کرنے کی التجا کی تھی کہ وہ ان

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

مقدمات کا ریکارڈ برائے معائنہ وملاحظہ فراہم کرے جن کی پاداش میں رواں اسیری اور ''سزا'' جاری ہے ۔آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ☆۲ Aggrieved party ہونے کے باوصف اس ریکارڈ کو خود ہم سے پوشیدہ رکھنے کے لئے State نے کیا کیا عذر تراشے ہیں اور گزشتہ دو برس سے اس سلسلے میں لیت ولعل کر کے ہماری کوششوں کو کس طرح ☆۳ Frustrate کیا ہے۔بہر حال ہماری جد وجہد جاری ہے اور عنقریب ہی اس سلسلے میں اگلا قدم ریکارڈ کے معائنے کے بعد اٹھایا جائے گا۔جب یہ مرحلہ آئے گا آپ کو ضروری معلومات فراہم کروں گا۔پروگرام یہ ہے کہ ریکارڈ کے معائنے کے بعد ضروری دستاویزات حاصل کر لی جائیں اور پھر مقدمے کی کاروائی کی قانونی جوازیت کو چیلنج کیا جائے ۔ ہمارے وکلاء کا خیال ہے کہ کیس خاصا مضبوط ہے۔اپنی کاوش جاری رہے گی۔نتیجہ بہر حال اللہ پر چھوڑ رکھا ہے۔آپ سے اس ضمن میں دعاؤں کا طلب گار ہوں ۔میری جانب سے تمام دوست واحباب کو خلوص ومحبت سے بھرپور سلام۔

والسلام/آپ کا بھائی/محمد مقبول بٹ

نوٹ:اگر شوکت کا F.Sc کا نتیجہ آیا ہو تو اس کی اطلاع ضرور دیجئے گا۔کچھ عرصہ قبل منزہ بیٹی کا ایک خط ملا تھا۔☆۴ نہ معلوم جوابی خط ان تک پہنچا کہ نہیں ۔بہر حال سبھی اہل خانہ کو میری طرف سے سلام۔بچوں کے لئے بہت بہت پیار (مقبول بٹ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆۱ جیل حکام اور بھارتی ایجنسیاں ☆۲ وہ فریق جسے دکھ اور رنج پہنچایا گیا ہو۔ ☆۳ ناکام بنانا، بے اثر کرنا ☆۴ افسوس کہ منزہ کے نام مقبول بٹ شہید کا خط دستیاب نہ ہوسکا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

خواب گر

بہت طویل تھی شب ہر طرف اندھیرا تھا
فصیلِ جبر نے ہر ذی نفس کو گھیرا تھا
عروجِ ظلم سے چنگیزیت پشیمان تھی
وقارِ آدمی کا خاک پر بسیرا تھا
اس زمین پر وہ خُواب گر ہوا پیدا
کہ جس کی آنکھ میں اک مخملی سویرا تھا
ردائے قید کو دی فوقیت جو پھولوں پر
فرازِ دار پر قائم رہا، اصولوں پر
سفیرِ جادۂ منزل اُسی ڈگر پر چلا!
قدم قدم ہے جہاں آگ کے بگولوں پر
اس کا سخن طلوعِ صبح کی بشارت تھی
ندائے رفتہ کو آئندہ کی بصیرت تھی
وہ بے سپر کہ بہت جس کے عزم کے آگے
غرورِ وقت کی تقدیر میں ہزیمت تھی
طویل نیند سے خاکِ وطن کی بیداری
اُسی کے دستِ ہنر ساز کی کرامت تھی
چراغِ آرزوئے حریت جلا کے گیا
حسین خواب نئی نسل کو تھما کے گیا!

بشیر الحسن

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

شہید بابائے قوم محمد مقبول بٹؒ کے بارے میں
چند ہستیوں کے احساسات وجذبات۔

۱۔ میں مقبول بٹ کی سزائے موت کی منسوخی کیلئے رحم کی درخواست نہیں کرتا بلکہ صدر ہند کو یاد دلا رہا ہوں کہ بھارت کی آزادی کی جدوجہد میں کسی بھارتی لیڈر گاندھی، جواہر لال نہرو، مولانا آزاد یا سبھاش چندر بوس یا خود بھارتی صدر کو برطانوی آقاؤں نے موت کی سزا نہیں دی تھی۔

(آزادی فلسطین کے سربراہ شہید یاسر عرفات)

۲۔ مقبول بٹ نہ تو دہشت پسند ہے اور نہ ہی قاتل بلکہ وہ ایک عظیم حریت پسند ہے اور اپنے وطن کی آزادی کیلئے لڑ رہا ہے۔ حریت پسندوں کو پھانسی پر لٹکانا مہذب اقوام کا شیوہ نہیں ہے۔

(لیبیا کے صدر جناب کرنل قذافی)

۳۔ آج کشمیری قوم اپنے عظیم قائد و رہنما سے محروم ہوگئی ہے۔ مقبول بٹ شہید کی موت مرا ہے۔ مسٹر بٹ کی موت سے جو خلاء پیدا ہوگیا ہے وہ مشکل سے ہی پُر ہوگا۔ (صدر پاکستان شہید جنرل محمد ضیاء الحق)

۴۔ کشمیری حریت پسند مقبول بٹ ضمیر کا قیدی ہے جو اپنے وطن کی آزادی کیلئے برسر پیکار ہے۔

(ایمنسٹی انٹرنیشنل)

۵ شہید مقبول بٹؒ کی عظیم قربانی کا اعزاز ہے کہ عالمی سیاست کے افق پر کشمیری عوام کے وقار اور اعتبار کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ (جی ایم میر۔ این ایل ایف)

۶ بیشتر لوگ زندگی ہی میں مر جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ ہمارے ساتھی مقبول بٹ ان سچے اور کھرے انسانوں میں سے ایک ہیں جو تختہ دار کو چوم کر شہادت کا اعلیٰ رتبہ حاصل کر کے ہمیشہ پوری کشمیری قوم کی دلوں کی دھڑکن بن گئے ہیں۔ کشمیر کی آنے والی نسلیں اپنے محسن اور شہید قائد پر صدیوں فخر کرتی رہیں گی۔ (ایڈووکیٹ عبدالخالق انصاری)

۷ پھانسی پر لٹکانے سے شہید محمد مقبول بٹؒ کی آواز کو دبانا بھارت سرکار کیلئے ممکن نہیں۔ یہ پھانسی ان کی رسوائی اور کشمیر کی آزادی کا باعث ہوگی۔ (مرحوم صوفی محمد اکبر)

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

فکرمقبول سے چند اقتسابات

''میں ایک بات بڑی شدت سے محسوس کرتا ہوں کہ جولوگ اپنی کوشش سے دووقت کی روٹی بھی نہیں کما سکتے وہ کسی قوم کو آزادی کی منزل سے کیسے ہمکنار کر سکتے ہیں''

''انقلابی جدو جہد کے اپنے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ جو بہت فطری ہوتے ہیں۔ اگر آپ ان پر چلتے رہیں تو بالآخر کامیابی آپکی ہوگی۔ اگر کہیں خلاف ورزی ہو یا ان سے انحراف ہو تو ناکامی یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اسی صورت میں شامل حال ہوتی ہے جب آپ صحیح مقصد کے لئے صحیح راستہ اختیار کریں اور اس پر مسلسل چلتے رہیں۔''

سرینگر کی ایک عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا۔

''تمہارے نزدیک کسی قوم کو غلام بنالینا اچھا فعل ہے۔ جبکہ میں اس سے نفرت کرتا ہوں اور میں غاصب اور حملہ آور قوم کے خلاف جدو جہد کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جو تمہیں گوارہ نہیں۔ اس سے مزید میرے پاس کچھ نہیں''

''انسان کا ایمان اور جذبہ عمل قائم رہے تو ہزار ناکامیوں اور حوصلہ شکنی کے باوجود حصول مقصد کی مسرتیں اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔''

گنگا اغوا کیس میں عدالتی کاروائی کے دوران بطل حریت نے کہا۔

''میں نے نہ کوئی سازش تیار کی ہے اور نہ ہی سازشیوں کے کسی گروہ میں شامل رہا ہوں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ میں فرسودگی، دولت پسندی، استحصال، ظلم، غلامی، اور منافقت کے خلاف بغاوت کا مرتکب ہوا ہوں۔''

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

''میں نے زندگی کے ہر موڑ پر سچ و انصاف کا ساتھ دیا ہے اور ظلم و استحصال کے خلاف جنگ میں مصروف عوام کی نہ صرف حمایت کی ہے بلکہ اس جنگ میں مظلوم عوام کا نقیب اور مدعی رہا ہوں ۔ میں نے جان بوجھ کر اپنے لئے یہ رول متعین کیا ہے، اسلئے کہ میں اسے انبیا علیہم السلام کی سنت اور انقلابیوں کا شیوہ تصور کرتا ہوں''

''جب ہر زندہ چیز کو ایک دن مرنا ہے تو پھر اس سے کیا ڈرنا ۔ میں ہونٹوں پر مسکراہٹیں لیے پھانسی کا سامنا کروں گا ۔ زندگی سے بہت پیار کیا ہم موت سے بھی محبت نبھائیں گے ۔ ہمیں بزدل اور ذلیل دشمن سے برے سے برے سلوک کی توقع رکھنی چاہئے ۔''

''آزادی کی قومی تحریکوں کو عدالتی فیصلوں کی مدد سے اگر روکا جا سکتا تو دنیا کی شاید ہی کوئی قوم آزاد ہوتی ۔''

محکومی کو پر امن طور پر برداشت کرنا، مجموعی زندگی کا عظیم ترین جرم ہے ۔''جد و جہد کا میدان یقیناً ایک کسوٹی ہے، جو حق کے علمبرداروں اور باطل پرستوں کو ہی نہیں بلکہ منافقین کو بھی اصل مقام پر لا کھڑا کرتی ہے ۔''

''آزادی سے ہمارا مطلب کشمیر کی دھرتی سے غیر ملکی تسلط کا خاتمہ ہی نہیں بلکہ بھوک، افلاس، بیماری اور معاشی و سماجی ناہمواری کو شکست دینا بھی ہے ۔ ہم ایک دن یہ آزادی حاصل کر کے رہیں گے ۔''

''ہم دوستوں کی اعانت کے متمنی ہیں، لیکن ایسی جو باہمی عزت و وقار کی بنیاد پر استوار ہو ہم دوستی چاہتے ہیں، کسی کی بالادستی تسلیم کرنا نہیں چاہتے'' ۔

''میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کا مقام کیا ہو سکتا ہے کہ حالات کی نامساعدگی اور وقت کا جبر نہ

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

صرف یہ کہ ان شمعوں کو بجھانے میں ناکام رہا جنہیں ہم نے خون دل سے روشن کیا، بلکہ ان جلتی شمعوں سے اور بھی کتنے ہی چراغ روشن ہوئے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب ان چراغوں کی روشنی سارے وطن کو منور کرے گی اور نتیجتاً وہ کیفیت برپا ہوگی جسے ہم بجا طور پر آزادی کا چراغاں کہہ سکیں گے"۔

"حق پرستی اور حق شناسی کا دعویٰ رکھنے والوں کے لئے بہترین زندگی وہ ہے جو سچائی کا شعور حاصل کرلے اور اس شعور کی روشنی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تزئین و آرائش میں صرف ہو۔"

"کچھ "جرم" ایسے ہیں جن کا ارتکاب اہل عزم و ایمان کے لئے باعث صد افتخار ہوتا ہے ان میں یقیناً جرم ضعیفی شامل نہیں جس کی سزا مرگ مفاجات ہوتی ہے۔ البتہ بغاوت کا وہ جرم ضرور شامل ہے جو غلاموں میں سوز یقین پیدا کرتا ہے۔ اس جرم کے ارتکاب پر اظہار ندامت نہیں اظہار مسرت کیا جانا چاہیے"۔

"اپنی زندگی کی آخری خواہش کے طور پر اپنے نظریاتی ساتھیوں سے کہوں گا کہ حالات خواہ کتنے ہی بدترین کیوں نہ ہوں وہ ثابت قدم رہیں اور مشترکہ مقاصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے رہیں۔"

"بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کے بجائے حد درجہ بہتر ہے کہ انسان سچائی کے منکرین کے خلاف برسرپیکار رہ کر اپنے مقاصد کیلئے تختہ دار پر جان کا نذرانہ پیش کرے۔ حق کے مقابلے میں باطل قوتیں بظاہر کتنی ہی طاقتور اور توانا کیوں نہ ہوں آخر کار انہیں شکست ہی ہوتی ہے اور سچائی اپنا وجود منوا کر ہی رہتی ہے"۔

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com

اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت میرے نزدیک اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ آپ صحیح راہ پر آگے بڑھتے چلتے جائیں اور ادھر ادھر نہ بھٹکیں۔ اگر آپ نے اصلی راہ چھوڑ کر کسی اور راہ پر چلنا شروع کر دیا اور اس طرح اصولوں سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت کی توقع نہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت صرف اس صورت میں شامل حال ہوتی ہے جب آپ صحیح مقصد کے لئے صحیح راستہ اختیار کر کے اس پر مسلسل چلتے جائیں۔

ایک اصولی بات کی وضاحت کر دوں کہ انقلابی جدوجہد کے اپنے کچھ اصول ہوتے ہیں جو بہت فطری ہوتے ہیں۔ اگر آپ ان پر چلتے رہیں تو بالآخر کامیابی ہوگی، اگر کہیں ان کی خلاف ورزی ہو یا ان سے انحراف ہو تو ناکامی یقینی ہے۔ اگر ہمیں بھی کوئی ناکامی ہوئی تو اس میں یقیناً ہماری کوتاہیوں کا دخل ہوگا۔

مذہب کو نظر انداز کر کے سماجی زندگی کی تمام اخلاقی بنیادیں منہدم ہو جائیں گی۔ میرا مذہبی مطالعہ اگرچہ بہت تھوڑا ہے مگر پھر بھی اس نے میری شخصیت کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔

جہاں آدمی کے اصول اور نظریہ کا سوال پیدا ہوتا ہے وہاں انجام کی پروا کئے بغیر آزمائش کے ہر دور سے خندہ پیشانی کے ساتھ گزرنے میں بھی ایک طرح کی راحت ملتی ہے

جب قوم منزل کی جانب چلتے چلتے تھک جاتی ہے اور ستانے کے لئے آرام کرتی ہے تو فکر کی منزل سے دور ہو جاتی ہے۔ اُن میں صرف زبان دانی اور ایک دوسرے کی مخالفت کا رواج بڑھ جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

This document was created using SOLID CONVERTER PDF To remove this message, purchase the product at www.SolidDocuments.com